حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کا بیرونی منظر

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کا اندرونی منظر

فہرست دفترِ ششم

این جہاں را کہ بصورت قائم ست
یہ جہاں جس صورت میں قائم ہے

گفت پیغمبر کہ حُلم نائم ست
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ سونے والے کا خواب ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
10	ایک شکاری کا پرندوں کو دھوکہ دینا کے لیے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ کر گل لالہ کا گلدستہ سر پر رکھنا اور فرمانِ نبوی ﷺ "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے"۔	۷۴۳
11	چوروں نے تدبیر سے ایک شخص کے دُنبے کے ساتھ اُس کے کپڑے بھی چُرا لیے	۷۴۴
12	پرندے کا شکاری کے ساتھ رہبانیت اختیار کرنے کے بارے میں مناظرہ جس سے حضور ﷺ نے اپنی اُمت کو روکا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے	۷۴۵
13	اُس چوکیدار کا قصہ جس نے خاموشی اختیار کی حتیٰ کہ چور تاجروں کا سارا سامان لے گئے۔ اُس کے بعد ہائے ہائے اور حفاظت شروع کی	۷۴۷
14	پرندے کا جال میں اپنی گرفتاری کے فعل کو زاہد کے مکر اور دھوکے سے تعبیر کرنا اور زاہد کا پرندے کو جواب	۷۴۷
15	ایک عاشق کا معشوق کے وعدے پر انتظار کرتے کرتے سو جانا' معشوق کا آنا اور اُس کی جیب میں اخروٹ بھر کر چلے جانا	۷۴۹
16	ایک مخمور تُرک امیر کا گویئے سے صبح کے وقت شراب طلب کرنا اور حدیث کی تفسیر اور سورۃ التوبہ کی آیت کا بیان	۷۵۰
17	ایک نابینا کا حضور ﷺ کے گھر آنا اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ۔ حضور ﷺ کا استفسار اور اُن کا جواب	۷۵۲
18	ایک قوال کا ترک سردار کی مجلس میں غزل شروع کرنا اور سردار کا غصہ و جھنجلاہٹ	۷۵۳
19	وہ غافل جو عمر ضائع کر دیتا ہے اور موت کے وقت کی تنگی میں توبہ واستغفار شروع کرتا ہے وہ حلب کے شیعوں کے مشابہ ہے جو ہر سال عاشورہ کے ایام میں انطاکیہ کے دروازے پر عزاداری کرتے ہیں	۷۵۶
20	اُس لالچی کی مثال جو اللہ کی رزاقی اور رحمت کے خزانوں کو دیکھنے والا نہیں اُس چیونٹی کی سی ہے' جو ایک ڈھیر پر ہے اور ایک دانے پر کوشاں ہے اور جلدی جلدی کھینچ رہی ہے۔ ڈھیر کی وسعت کو نہیں دیکھتی	۷۵۷
21	ایک شخص کا آدھی رات کو سحری کا نقارہ بجانا' پڑوسی کا اُس سے کہنا سحری کا وقت نہیں ہے اور اس گھر میں	

این جہاں را کہ بصورت قائم ست
یہ جہاں جس صورت میں قائم ہے
گفت پیغمبر کہ حلم نائم ست
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ سونے والے کا خواب ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

خوابِ بیداریت آں داں اے عضد
اے عقلمند! تو اپنے سونے اور جاگنے کو یُوں سمجھ

کہ بہ بیند خفتہ کو دَر خواب شُد
کہ کوئی سویا ہوا خواب میں دیکھے کہ وہ سویا ہوا ہے

ایں جہان و ساکنانش مُنتَشِر
یہ جہان اور اُس کے باشندے جُدا ہو جانے والے ہیں

واں جہان و ساکنانش مُستَمِر
وہ جہان اور اُس کے باشندے ہمیشہ رہنے والے ہیں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
54	''میں زمین میں قائم مقام بنانے والا ہوں'' کی حکمت	۸۰۰
55	پیغمبر ہود علیہ السلام کا معجزہ	۸۰۲
56	قُبّہ اور خزانے کے قصے کی طرف رجوع	۸۰۵
57	عجز و مجبوری کے بعد خزانے کے طلب گار کا اللہ کی طرف رجوع کہ اے ظاہر کرنے والے! پوشیدہ کو ظاہر کر دے	۸۰۶
58	تین مسافر نصرانی، یہودی اور مسلمان	۸۱۰
59	اونٹ، بیل اور دُنبے نے گھاس کا ایک مُٹھا پایا اور کہا کہ جو ہم میں سب سے بوڑھا ہے وہ کھالے	۸۱۲
60	خود پرستوں کا بھلائی کے پردے میں بُرائی کرنا	۸۱۲
61	ترمذ کے بادشاہ کا منادی کرانا کہ کون تین دن میں ضروری کام سے سمرقند جائے اور انعام پائے	۸۱۳
62	چوہے اور مینڈک کی دوستی	۸۱۷
63	سمندری بیل اور گوہر کا قصہ اور تاجر کا کارنامہ	۸۲۸
64	چوہے کا مینڈک کو کنارے طلب کرنا اور ڈورا کھینچنا کہ مینڈک کو آگاہ کرے	۸۲۸
65	عبدالغوث کو پریوں کا لے جانا، سالوں اُن کے ساتھ رہنا اور واپسی	۸۳۰
66	محتسب کے وظیفہ کی اُمید پر قرض لینے والا شخص	۸۳۱
67	دو بینی کے مضر اثرات	۸۳۶
68	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بھاگنے والی بکری	۸۳۸
69	خوارزم شاہ کا نادر گھوڑے کو دیکھنا اور عماد الملک کی عقل مندی ''اگر بردہ فروش دلال کی زبان حاسد ہو تو غلام بے وقعت ہو جاتا ہے'' (حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ)	۸۴۰
70	مددگار اور قرض دار پردیسی کا بقیہ قصہ	۸۴۴
71	محتسب کا مددگار کو قرض کی ادائیگی کے طریقے بتانا	۸۴۴

ایں جہان و عاشقانش منقطع
یہ جہان اور اُس کے عاشق بٹ جانے والے ہیں

اہلِ آں عالم مخلد مجتمع
اُس عالم کے لوگ ہمیشہ اکٹھے رہنے والے ہیں

مرگِ ہر یک اے پسر ہمرنگِ اوست
موت ہر ایک سے اُس کے ذوق کے مطابق معاملہ کرتی ہے

پیشِ دشمن دشمن و بر دوست دوست
اُسے پناہ دشمن سمجھو تو دشمن ہے' دوست سمجھو تو دوست ہے

پیش ترک آئینہ را خوش رنگی است
ترک خوبصورت ہے آئینہ اسے حسین دکھاتا ہے

پیش زنگی آئینہ ہم زنگی است
حبشی کے سامنے آئینہ بھی حبشی ہے

اے دل کی زندگی حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ چھٹے دفتر کی طرف خواہش جوش مار رہی ہے۔ مثنوی کی تکمیل کے لیے چھٹا دفتر پیش کرتا ہوں۔ ان چھ دفتروں سے شش جہات میں اپنا نور پھیلا دے۔ اصل مقصد تو عشقِ حق اور قربِ حق ہے اور عشق کو پانچ یا چھ دفتروں سے سروکار نہیں ہے، مقصد پورا ہونا چاہیے۔ چھٹا دفتر اس لیے شروع کیا جا رہا ہے کہ شاید کچھ خاص اُسرار بیان کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے۔ اللہ کا حکم ہے کہ لوگوں کو دعوتِ حق دی جائے۔ دعوت دینے والے کو اس سے غرض نہیں کہ کوئی اُسے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نو سو سال تک دعوت دیتے رہے اور آپ علیہ السلام کی قوم کا انکار بھی بڑھتا رہا لیکن وہ دعوت دینے سے نہ رکے۔ قافلہ کتوں کے بھونکنے سے رُکتا نہیں ہے۔ چودھویں کا چاند کتوں کے بھونکنے سے اپنی رفتار کم نہیں کرتا۔ قدرت نے ہر انسان کو اُس کی اِستعداد کے مطابق ایک کام پر لگا دیا ہے۔ اس سے مقصد اُس کی آزمائش ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم کا انکار جس قدر بڑھا قدرت نے حضرت نوح علیہ السلام پر اسی قدر زیادہ نوازش کردی۔ جس قدر سخت منکرین ہوتے ہیں اُسی قدر اولوالعزم نبی اُن کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ چونکہ اُس نبی کا بحرِ حقیقی سے رابطہ ہوتا ہے وہ اکیلا کروڑوں پر بھاری ہوتا ہے۔

حق ہمی خواہد کہ نومیدانِ اُو
اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُس سے ناامید بھی

زیں عبادت ہم نگردانند رُو
اُس کی عبادت سے مُنہ نہ موڑیں

حق تعالیٰ کو ایک بحر قرار دینا ایک ناقص تعبیر ہے ورنہ خس کو یعنی دریا کو اخص یعنی حق تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ منکرین کے انکار کی وجہ سے اَسرار کا بیان نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کیونکہ دعوت کو قبول کرنے والوں کو دعوت خوب پسند آتی ہے۔ ہر چیز فطرت کے تقاضوں کے مطابق کام انجام دے رہی ہے۔ نجاست ہمیں ناپاک بناتی ہے تو پانی پاک کر دیتا ہے۔ خس و خاشاک اپنا کام کرتے ہیں تو آگ اپنا کام کرتی ہے۔ منکرین کی شرارتوں کا توڑ داعیوں کی دعوت خیر کر دیتی ہے اس لیے مفسدوں کی وجہ سے تبلیغ کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ یہ عالمِ امکان مختلف اجزاء کا مجموعہ ہے۔ ایک ذرّے کو دوسرے ذرّے سے وہی نسبت ہے جو دین کو کفر سے۔ ذرّات کا اختلاف اللہ کے مختلف اَسماء اور صفات کا مظہر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر ذرّے کو فنا حاصل ہو جائے تو اختلافِ طبعی اُس ذرّے کی طرف منسوب نہیں رہتا۔ اگر ذرّہ محو ہو جائے تو اُس کے افعال سورج کی طرف منسوب ہوں گے۔ اگر انسان اپنے اَحوال پر نظر رکھے تو دوسروں سے جنگ کرنے میں مشغول نہ ہو۔ عالمِ آخرت کی ترکیب اضداد سے نہیں ہے۔ اسی لیے اُس میں بقاء ہے۔ اس دنیا کی فنا اضداد کی وجہ سے ہے۔ عالمِ آخرت میں وصل ہے اور عالمِ دنیا میں ہجر و فراق۔

یاد رکھو! رُوح کا تقاضہ اختلاف نہیں ہے۔ اُس میں کبریائی اخلاق ہیں جو اتحاد پیدا کرتے ہیں۔ رسول اس دنیا میں اِتحاد پیدا کرنے کے لیے ہی جنگیں کرتے ہیں۔ وہ جنگیں فتنہ کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہیں نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ اِن جنگوں کے فضائل جو معیتِ حق کے ساتھ ہوتی ہیں دریائے ناپیدا کنار ہیں۔ اُن کی پوری فضیلت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ہاں بقدرِ ضرورت بیان ضروری ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل کرنا ہے تو مثنوی کی سیر کر اور اس کے معانی پر غور کر۔ غور کرنے کے بعد کہنے والے، سننے والا اور حروف سب حقیقت بن جاتے ہیں۔ مثال یہ ہے کہ روٹی دینے والا، روٹی لینے والا اور روٹی اپنی صورتیں ختم کر دینے کے بعد خاک بن جاتی ہیں۔ صورت کے فنا ہونے کے بعد رُوح ہمیشہ کے لیے صورت سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ حضرتِ حق تعالیٰ اُس کو مختلف صورتیں عنایت کرتے رہتے ہیں۔ کبھی حکم ہوتا ہے جسموں میں جا، کبھی اُسے اُن سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

جسم مادی ہونے کی وجہ سے بارگاہ سے باہر ہے اور رُوح کا رتبہ بارگاہ کے اندر ہے۔ رُوح کے جسم میں آنے جانے کی پوری کیفیت عوام کی عقول سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ الفاظ کے ''معنیٰ'' کے سیبستان پیدا فرماتا ہے۔ اور اُس معنیٰ کے باغ کو حروف (جسم) کے ابر میں پوشیدہ کر دیتا ہے۔ لوگوں تک صرف اُن کی خوشبو پہنچتی ہے۔ اگر اَسرار (رُوح) کی خوشبو تم تک پہنچے تو اُس کو خوب کھینچ۔ اُس خوشبو کی حفاظت کر اور اپنے آپ کو زکام (دُوری) سے بچا جو کہ

بر بد و نیک از عموم مرحمہ	خواہد آں رحمت بتابد بر ہمہ
بُرے اور بھلے پر، رحمت کے عام ہونے کی وجہ سے	اُس کی رحمت چاہتی ہے کہ وہ سب پر نازل ہو

عوام کی خلط ملط سے پیدا ہوتا ہے۔ عوام کی صحبت انسان کو اُس انعام سے روکے رکھتی ہے۔ اگر روک محسوس کرو تو کسی صاحب درد کے پاس جاؤ۔ اِس سورج کی حرارت سے روک دُور ہو جائے گی۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی صحبت ایک سورج ہے جو اطراف یا ذات کے کسی غیر کی پابند نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سورج، چاند، ستاروں کی افادیت اپنی جگہ ہے لیکن یہ موثرِ حقیقی تو نہیں ہیں۔ روٹی میں فوائد ہیں لیکن اُس کا غلط استعمال ہلاک کر دیتا ہے۔ منکر پر کسی کی نصیحت اثر نہیں کرتی ہاں اگر خدا اُس کے کان کھول دے تو ضرور اثر کرنے لگے گی۔

دوست کی نصیحت اُسی پر اثر کرتی ہے جو وحی کا مشتاق ہو۔ ہمیں صاحبِ درد کی نصیحت کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ ہلاکت سے بچ جائیں۔ رُوح لامکانی چیز ہے وہ کسی مکان کی پابند نہیں۔ رُوح کی مثالیں تو کمزور عقل والوں کو سمجھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ یہ خوب سمجھ لو! تن پروری، رُوح پروری نہیں ہے۔ تن پرور صرف عقلِ معاش رکھتا ہے اور عقلِ معاد سے بالکل محروم ہے۔ وہ خودنمائی اور دعوے کرنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ لیکن حق سے باوفا نہیں ہوتا۔ جب انسان نیک خصلت بن جاتا ہے تو اُس کی بُرائیاں بھلائیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ خودی بُری چیز ہے لیکن جب اُس کا تعلق رُوح سے ہو جائے بھلی بن جاتی ہے۔ جماد، نبات میں تبدیل ہوتا ہے تو ترقی کرتا ہے۔ نبات، رُوح سے تعلق پیدا کر لیتی ہے تو فضیلت والی ہو جاتی ہے اور رُوح جب اپنا تعلق رُوح الارواح سے کر لیتی ہے تو "باقی" ہو جاتی ہے۔

ایک سائل کا حافظ سے سوال: جو پرندہ احاطہ میں بیٹھا ہے اُس کا سر فاضل اور زیادہ شریف ہے یا دُم حافظ کا سائل کی عقل کے مطابق جواب

ایک دن ایک سائل نے واعظ سے سوال کیا کہ اگر قلعہ کی دیوار پر ایک پرندہ بیٹھا ہو تو اُس کے سَر اور دُم میں سے کون افضل ہے؟ اُس نے کہا کہ اگر اُس کا منہ شہر کی طرف ہے تو سر اچھا ہے اور اگر دُم شہر کی طرف ہے تو دُم اچھی ہے کیونکہ ہر چیز اپنے افضل کی معیت سے مزید فضیلت حاصل کر لیتی ہے۔ انسان کا پَر ہمت ہے۔ انسان کے خیر اور شر کو نہ دیکھ اُس کی ہمت کو دیکھ۔ باز اگر چوہے کا شکار کرے تو ذلیل ہے اور چغد، بادشاہ کی طرف نظر رکھے تو شریف ہے۔ وہ شیر جو مردہ گدھے کا شکار کرے کتا ہے اور اگر کتا چیتے کا شکار کرے تو شیر ہے۔ انسان جس کی سرشت مٹی

رحمتش نے رحمتِ آدم بود
اللہ کی رحمت آدمیوں جیسی نہیں ہوتی

کہ مزاج رحم آدم غم بود
کسی مجبور کا دُکھ انسان کو رحم پر آمادہ کرتا ہے

اور پانی سے ہے اپنی ہمت کی وجہ سے بلند ہے۔ قرآن میں ہے کہ "ہم نے بنی آدم کو کرم کیا" انسان کی وہ خصوصیات جو زمین و آسمان کو حاصل نہیں اُس کی ہمت کی وجہ سے ہیں۔ حمام میں لگی ہوئی تصویروں کی بجائے اگر بدصورت بڑھیا نظر آئے تو لوگ اُس کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اس میلان کی وجہ اُن کا حس وادراک ہی ہے۔ بُڑھیا میں رُوح (جان) ہے جو تصویروں میں نہیں ہے۔ اگر حمام کی تصویریں بارُوح ہو جائیں تو بُڑھیا کی طرف کوئی دیکھے بھی نہیں۔

جان اِدراک رکھتی ہے' بھلا بُرا سمجھتی ہے۔ احسان سے خوش اور نقصان سے غمگین ہوتی ہے لیکن جو جان زیادہ باخبر ہوگی وہ زیادہ قوی ہوگی۔ جو رُوح آگاہی میں سب سے بڑھی ہوگی وہی خدائی رُوح ہوگی۔ جس میں رحم اور احساس کا مادہ نہیں وہ پتھر ہے۔ اسی طرح جو رُوح، اللہ کی صفات کا مظہر بن جاتی ہے ہر چیز اُس کی تابع بن جاتی ہے۔ شیطان نے رُوح سے واسطہ منقطع کر لیا وہ ایک مردہ عضو بن گیا۔ جو عضو ٹوٹ جاتا ہے وہ رُوح سے خالی ہو جاتا ہے۔ شیطان کی نافرمانی کا ایک اور راز بھی ہے جو عوام میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھو! حق تعالیٰ کی ایک صفتِ مُضِل بھی ہے' اُس کا مظہر بھی ضروری تھا۔ اس لیے اُس نے شیطان کو پیدا فرمایا۔ خاصانِ خدا کے لیے اَسرار کی غذا اللہ نے بکثرت پیدا فرمائی ہے۔ عوام اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ جو شخص صرف لفظوں کا بھکاری ہے اُسے معنیٰ کا لطف حاصل نہیں ہوتا۔ اگر بے اِستعداد لوگ آنحضور ﷺ کا طریقہ اختیار کر لیں تو ہو سکتا ہے کہ اُن میں یہ خوبی پیدا ہو جائے اور اُن پر لگے ہوئے قُفل کھل جائیں۔ حضور ﷺ دونوں جہانوں کے شفیع ہیں۔

دنیا میں اُن ﷺ کی سفارش سے اَسرارِ دین تک لوگوں کی رسائی ہوئی ہے اور آخرت میں دیدارِ خداوندی بھی اُنہیں کی سفارش سے ہوگا۔ حضور ﷺ نے اِسی لیے فرمایا "اے خدا! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ مجھے پہچانتی نہیں"۔ آنحضور ﷺ کو خاتم النبیین صرف اس لیے نہیں کہا گیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ فیض رسانی میں نہ آپ ﷺ جیسا کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ جس طرح آپ ﷺ خاتمِ زمانی ہیں اسی طرح آپ کمالات کے بھی خاتم ہیں۔ حضور ﷺ کو مُہروں (قُفلوں) کے کھولنے میں اس درجہ کمال تھا کہ آپ ﷺ کو خاتم کہا گیا۔ اُن کے جانشین خواہ کسی ملک کے ہوں آپ کی رُوحانی اولاد ہیں۔ کسی درخت کی قلم چاہے کہیں لگاؤ اُسی درخت کا فرد ہے۔ عیب ڈھونڈنے والے بزرگوں کے فیض سے محروم رہتے ہیں جیسے چمگادڑ سورج کی روشنی سے محروم ہے۔

رحمتِ مخلوق باشد غصہ ناک
مخلوق کی رحمت جذبات کی محتاج ہے

رحمتِ حق از غم و غصہ است پاک
اللہ کی رحمت بغیر کسی کیفیت کے ہے

پُرانی عزتوں کی بُرائی جو ایمان کے ذوق سے مانع ہیں، سچائی کے ضُعف کی دلیل ہیں اور لاکھوں بیوقوفوں کے لیے رہزن ہیں؛ جس طرح ہیجڑے بکریوں سے ڈر گئے اِسی طرح کم ہمت لوگ اپنے جاہ و ناموس کے خیال سے حق قبول کرنے سے ڈرتے ہیں

اے ضیاء الحق حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! مثنوی کو کشادہ میدان دے دیجئے۔ دنیا میں آپ خضر علیہ السلام کی طرح ہیں کہ پریشان حالوں کی حوصلہ افزائی اور بیکسوں کی دستگیری کرتے ہیں۔ لوگوں کی نظرِ بد کے ڈر سے میں آپ کے معمولی احوال کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ لوگوں کے لیے اُن کی نظرِ بد بھی عشق سے مانع بنی ہے۔ ابو طالب لوگوں کے طعن و تشنیع کی وجہ سے ایمان نہ لائے کہ لوگ کہیں گے سرداری خاک میں ملا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا چپکے سے کلمۂ شہادت پڑھ لیجئے، مجھے آپ کی سفارش کا حق ہو جائے گا۔ ابو طالب بولے: راز راز نہ رہے گا مشہور ہو جائے گا۔ میں ہمیشہ عربوں کی زبان میں بدنام رہوں گا اور ذلیل ہو جاؤں گا۔ اگر اُن کے دل پر ازلی مہربانی ہوتی تو حق کے جذبے کے سامنے یہ بزدلی کبھی نہ ہوتی۔ اختیار کے دوراہے سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ آسمان بھی پریشان ہے۔ دوراہے سے بہتر ہے کہ اللہ ایک صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما دے۔ اگرچہ عاصی اور مطیع دونوں اسماءِ الٰہی کا مظہر ہیں لیکن تشریعاً مطلوب اطاعت ہے۔ معصیت کا تعلق قہر سے ہے اور اطاعت کا مہر سے لہٰذا دونوں یکساں نہیں ہیں۔ قرآن میں جو امانت آسمانوں اور زمینوں نے لینے سے انکار کر دیا وہ یہی اختیار کا دوراہا ہی تھا کیونکہ اس سے انسان خوف اور بھلائی کی باہمی کشمکش میں پھنس جاتا ہے۔ تردد کی حالت میں اللہ ہی اپنا رحم فرمائے۔

ہر کہ دُور از رحمتِ رحماں بود
جو رحمان کی رحمت سے دُور ہو جاتا ہے

اُو گدا چشم ست گر سُلطاں بود
اگرچہ وہ بادشاہ ہو اُس کی آنکھ بھکاری ہوتی ہے

دُعا اور اللہ سے پناہ ڈھونڈنا، اِختیار کے فتنے سے اور اختیار کے اسباب کے فتنے سے کیونکہ زمین و آسمان اختیار اور اسباب کے فتنہ سے خوف کھا گئے اور آدمی کی جبلت اختیار اور اُس کے اسباب کے طلب کرنے میں لالچی ہو گئی، بیمار اپنا اِختیار کم دیکھتا ہے تو شفا چاہتا ہے کیونکہ وہ اختیار کا سبب ہے۔ عُہدہ چاہتا ہے تاکہ اُس کا اختیار بڑھے پہلی اُمتوں پر قہر کا نزول اختیار اور اُس کے اسباب کی زیادتی پر ہوا۔ کبھی کسی نے کوئی بھوکا اور بے سروسامان فرعون نہیں دیکھا۔

دُعا اور اللہ سے پناہ ڈھونڈنا اختیار کے فتنے سے اور اختیار کے اسباب کے فتنہ سے کیونکہ آسمان اور زمین اختیار اور اسباب کے فتنہ سے خوف کھا گئے اور آدمی کی جبلت اختیار اور اُس کے اسباب کے طلب کرنے میں لالچی ہو گئی۔ بیمار اپنا اختیار کم دیکھتا ہے تو شفاء چاہتا ہے کیونکہ وہ اختیار کا سبب ہے۔ عہدہ چاہتا ہے تاکہ اُس کا اختیار بڑھے۔ پہلی اُمتوں پر قہر کا نزول اختیار اور اُس کے اسباب کی زیادتی پر ہوا۔ کبھی کسی نے کوئی بھوکا اور بے سروسامان فرعون نہیں دیکھا۔

اے مہربان کریم بڑی خیر والے بادشاہ! مجھے یہ مد و جزر تو تجھی سے ملا ہے ورنہ پہلے تو میں ایک ساکن سمندر تھا۔ جہاں سے تُو نے مجھے تردد دیا ہے وہیں سے بے تردد بھی کر دیا۔ تردد جس میں ہر راہ پر چلنے کا اختیار ہو اللہ کی جانب سے ایک آزمائش ہے۔ اُس مقام پر بڑے بڑے بہادر ناکام ہو گئے۔ انسان پر اختیار اس طرح لدا ہوا ہے جیسے اونٹ پر پالان۔ یہ اختیار کبھی انسان کو بھلائی کی طرف لے جاتا ہے کبھی بُرائی کی طرف۔ اصحاب کہف کا سونا خدا کے حکم سے تھا لہٰذا وہ اُس غیر اختیاری حالت میں تھا۔ انسان عالمِ اَرواح کی زندگی بُھولا ہوا ہے۔ ہاں نیند میں اُس طرف منتقل ہو جاتا ہے یعنی بے اختیار ہو کر اُس عالَم کا مزا چکھ لیتا ہے۔ یہ بے خودی حاصل کرنے کے لیے انسان نشے کرتا ہے یا نغمے وغیرہ سنتا ہے۔ جب انسان محسوس کرتا ہے کہ خودی ایک جال ہے تو اِسی لیے کسی مستی کے ذریعے بے خودی اختیار کرتا ہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس رُو سیاہ کو
اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

جو مستی اور استغراق، عبادت کے ذریعے پیدا ہوتا ہے اُس میں دوام ہوتا ہے۔ لیکن کسی معصیت سے پیدا شدہ

ہیچ کُنجے بے دد و بے دام نیست زمین کا کوئی گوشہ کسی درندے یا جال سے خالی نہیں ہے	جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست اللہ کے ساتھ خلوت کے سوا کہیں آرام نہیں

مستی عارضی ہوتی ہے۔ جو مستی اور بے خودی عبادت سے حاصل ہوتی ہے اس میں مشاہدۂ حق ہوتا ہے۔ کسی ولی کو معراجِ رُوحانی اور عالمِ ملکوت کی سیر اُسی وقت میسر آتی ہے جب جذبِ الٰہی ہو۔ اُس فنا کے بعد ہی بقاء کا درجہ آتا ہے۔ ایاز نے اگر اپنی پوستین اور چپل محفوظ رکھے تھے تو صرف اس لیے کہ نیاز مندی حاصل ہو جو فنا اور نیستی کا سبب ہے، وہ کبر سے ڈرتا تھا اس لیے نیستی کے اسباب اُس کو پسند تھے۔ وہ اپنی ہستی سے گم ہو چکا تھا اور کبر اور نفس کو فنا کر چکا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایسا دوسروں کی تعلیم کے لیے کرتا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابھی فنا کے مراتب میں کمی ہو اور اُس کی تکمیل کے لیے یہ کرتا ہو۔

وہ چاہتا تھا کہ نیستی کی خوشبو سے رُوح کی زندگی کی نسیم اور عیش اُس کو حاصل ہو جائے اور اُن لوگوں کی خوشبو اُس کو حاصل ہو جائے جو اپنے آپ کو فنا کر کے زندگی حاصل کر چکے ہیں۔ دنیا کا مال و دولت، فانی کی جان کی سبک روی کے لیے مانع بنتا ہے۔ ایاز اِس کیفیت کو دور کرتا تھا۔ دنیا کی دولتیں سونے کی زنجیریں ہیں جن کے ظاہر کی چمک کو دیکھ کر انسان اُن میں اپنے آپ کو مقید کر لیتا ہے لیکن اُس کے انجام سے کہ وہ کنویں کے سوراخ میں مقید ہو رہا ہے غافل رہتا ہے۔ دنیا کا ظاہر خوش نما ہے لیکن اُس میں زہر بھرا ہوا ہے۔ مومن کو دنیا کا جہنم اگرچہ نقصان نہیں پہنچا سکتا' بہر حال جنت اُس سے بہتر ہے۔ چونکہ کاملوں کے لیے بھی دنیا سے احتراز بہتر ہے تو ناقصوں کے لیے تو وہ بالکل تباہی کا سبب ہے۔

ہندی غلام، جو اپنی آقازادی سے مخفی طور پر محبت رکھتا تھا

جب لڑکی کا کسی امیر زادہ سے نکاح ہوا تو غلام کو معلوم ہوگیا، وہ بیمار پڑ گیا اور پگھلتا گیا۔ کوئی شخص اُس کی بیماری نہیں سمجھتا تھا اور اُس میں کہنے کی ہمت نہ تھی۔ طبیب اُس کے علاج سے عاجز آگئے اور آقا کا تدبیر سے اُس کا علاج کرنا

ایک آقا کا ہندوستانی غلام تھا جس کو اُس نے خوب پالا، لکھایا اور پڑھایا اور صاحبِ ہنر بنا دیا۔ آقا کی ایک ہم عمر بیٹی تھی جوان ہوئی تو طلب گار اپنی درخواستیں لے کر آئے۔ سرداروں کے بیٹے اپنے مال اور گھوڑوں وغیرہ پر مغرور ہوتے ہیں۔ بہت سے رئیس زادے اپنے بُرے افعال کی وجہ سے اپنے والد کے لیے عار ہوتے ہیں۔ ہنر مند بھی اگر حاسد ہے تو اچھا نہیں۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کی مٹی کے علاوہ کچھ نہ دیکھا۔ ظاہر بین کی نظر ظاہر پر ہوتی ہے، باطن کے بارے میں وہ دوسرے سے پوچھتا ہے۔ اے عارف! تُو خود چمکتا نور ہے، تُو بتانے والے سے بے نیاز ہے۔ دین و دنیا کی فلاح تقویٰ اور نیکی سے حاصل ہوتی ہے۔ آقا نے بیٹی کے لیے ایک نیک داماد پسند کر لیا۔ عورتوں نے کہا اُس کے پاس

داد اُو را قابلیت شرط نیست	چارۂ آں دل عطائے مُبدلیست
اُس کی عطا کے لیے قابلیت شرط نہیں ہے	اللہ اگر چاہے تو سخت دل میں تبدیلی پیدا کر دے

مال نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ زاہد اور دین کا تابع ہے اس لیے ایک خزانہ ہے۔ رشتے کی بات مشہور ہوئی تو آقا کا غلام بیمار اور کمزور ہو گیا۔ اُس کی بیماری کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ غلام نے اپنے حال کے بارے میں دَم نہ مارا کہ وہ لڑکی کے رشتہ ہو جانے کی وجہ سے بیمار ہے۔

خاوند نے اپنی بیوی سے کہا تُو لڑکے کی ماں کی طرح ہے اُس سے پوچھ اُسے کیا ہو گیا ہے؟ اُس نے پیار سے پوچھا۔ وہ بولا: مجھے اُمید نہ تھی کہ آپ بیٹی کو سرکش کے ساتھ بیاہ دیں گے۔ بیوی کو بہت غصہ آیا لیکن اُس نے اس کو قابو میں کر لیا اور آقا سے سب کچھ کہہ دیا۔ وہ بولا: یہ غلام خائن معلوم ہوتا ہے لیکن تُو صبر کر اور اُس کو کہہ دے کہ ہم لڑکی کو وہاں سے چھڑا لیں گے اور تجھے دے دیں گے۔ اُس کے دل سے یہ بات نکل جائے تو میں اُس کو دفع کر دوں گا۔ بیوی نے غلام کی وفاداری، قابلیت اور ہُنر کی خوب تعریف کی۔ جانور تو چارے سے موٹا ہوتا ہے لیکن انسان اپنی بڑائی کی باتیں سُن کر پھول جاتا ہے۔ چند دنوں میں غلام گُلِ سُرخ کی طرح ہو گیا۔ آقا نے جب دیکھا کہ وہ خوب موٹا ہو گیا ہے۔ اُس نے لوگوں کی دعوت کی کہ ہم غلام کی شادی کر رہے ہیں۔ غلام کو یہی خیال تھا کہ اُس کی شادی اُن کی بیٹی سے ہو رہی ہے۔ لیکن آقا نے دلہن کے لباس میں ایک تنومند لڑکا کمرہ میں بٹھا دیا۔ شمعیں بجھا دی گئیں۔ وہ لڑکا غلام کو چمٹ گیا اور رات بھر اُس کو خوب جھنجوڑتا مارتا رہا۔

غلام چیخ رہا تھا لیکن آقا نے دف اور ڈھول بجانے والوں کو شور کرنے پر لگا رکھا تھا۔ غلام کی چیخوں کی آواز رات کسی نے نہ سنی۔ صبح اُسے حمام لے گئے۔ وہ نیم مردہ حمام میں گیا۔ واپس آیا تو لڑکی کو دلہن کے لباس میں اُس کے سامنے بٹھا دیا، ماں بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کو دھکا دیا اور یوں بولا کہ دن کے وقت تو تُو تاتاری خاتون کی طرح ہے لیکن رات کے وقت تو معلوم ہوتا تھا کہ تیرا آلہ گینڈے کے سینگ جیسا سخت تھا۔ اس دنیا کی تمام نعمتیں امتحان سے پہلے دُور سے بہت اچھی لگتی ہیں۔ یہ (دنیا) کھوسٹ بڑھیا بہت چاپلوس ہے۔ اپنے آپ کو دلہن ظاہر کرتی ہے اس سے دھوکا نہ کھا۔ صبر کر، صبر کشادگی کی کُنجی ہے۔

اِس بیان میں کہ دھوکا اُس ہندی ہی کو نہ تھا بلکہ ہر آدمی ایسے دھوکے میں ہر وقت، ہر مرحلہ پر مُبتلا ہے بجُز اُسکے جسکو اللہ بچائے

خدا کی عطا کی ہوئی طاقتوں کو پورے طور پر کام میں نہ لانا کفر ہے۔ اس دنیا میں سرداری اور کسی طرح کی بڑائی کی خواہش نہ رکھ کیونکہ اس کے پیچھے تیرے لیے موت اور درد پوشیدہ ہے۔ غلام بن جا۔ زمین پر اپنے پاؤں پر چل، دوسروں کے

بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اُوست
بلکہ قابلیت کی شرط، اُس کی عطا ہے

داد لُب و قابلیت ہست پوست
دراصل عطا مغز ہے اور قابلیت چھلکا ہے

کندھوں پر سواری نہ کر۔ ناشکرا انسان سب کو اپنا غلام سمجھتا ہے اور مُردوں کی طرح لوگوں کے لیے بوجھ بن گیا ہے۔ یاد رکھ! سرداری طلب نہ کر درویش بن۔ جس عہدے پر تُو اکڑ رہا ہے اور جسے شہر کے مشابہ سمجھ رہا ہے دراصل ویرانہ ہے۔ اس کو دھکے دے دے تاکہ موت کے بعد تُو ویرانے میں پڑاؤ نہ ڈالے۔

آنحضور ﷺ نے حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ اپنی تمام ضروریات کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔ ہاں اگر اللہ کا حکم ہو تو دوسروں سے بھی مانگا جاسکتا ہے جیسے حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ "آپ اُن سے صدقہ وصول کیجئے۔" امرِ خداوندی کے بعد سوال بُرا نہیں، یہ نبیوں کا طریقہ ہے۔ اگر انسان کلماتِ کفریہ بھی اللہ کے لیے اختیار کرے تو عین ایمان ہے جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کی مدد کے لیے اختیار کیے۔

نیکی کی خاطر کوئی بُرائی، بُرائی نہیں ہوتی۔ تُو باز بن جا شکار کر کے بادشاہ کے ہاتھ پر آ بیٹھ (اللہ کی طرف رجوع ہو جا) انابت اِلی اللہ اختیار کر تاکہ تجھے دنیا میں پھنس کر آخرت میں افسوس کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چور کو جب سزا ملتی ہے تو وہ چوری کی لذت کو دھکے دیتا ہے۔ غمگین کو جس چیز سے غم پہنچا ہو وہ اُس چیز سے دُور بھاگتا ہے۔ ہر خطاکار اسی طرح اپنی خطا کو دھکے دیتا ہے لیکن پھر اُس پر بھول طاری کر دی جاتی ہے اور پھر اُسی خطا کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہر انسان جب قدرت کی منشا کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اُس پر بھول طاری کر دی جاتی ہے۔ پروانہ بار بار شمع کی طرف جاتا ہے اور کہتا ہے کہ بظاہر تُو چاند کی طرح روشن ہے لیکن تیرا قرب جلانے والا ہے۔ تُو دوستی میں دھوکے باز ہے۔

اِس آیت کی تاویل کی وُسعت کا بیان، "جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتا ہے"

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب کفار اللہ کی منشا کے خلاف مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر بھول طاری کر دیتا ہے اور اُس لڑائی کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ یہی حال ہر انسان کا ہے جب وہ قدرت کی منشا کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اُس پر بھول طاری کر دی جاتی ہے۔ ایک قصہ سُن لو۔ ایک چور ایک شریف آدمی کے گھر میں گھس آیا۔ چور کے گھسنے پر جب آہٹ ہوئی تو مکان کے مالک نے کپڑے کا چیتھڑا اُٹھایا تاکہ چقماق سے آگ جلا کر چیتھڑے کو روشن کرے اور دیکھے کہ گھر میں کون ہے۔ چور اُس کے سامنے چپکے سے بیٹھ گیا اور جونہی چنگاری کپڑے کو لگتی وہ اُسے چپکے سے انگلی رکھ کر بجھا دیتا۔ اُسے محسوس نہ ہوا کہ چور اُسے بجھا رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے منشا کے خلاف ارادہ کو گنہگار کے دل سے مٹا دیتا ہے۔ گنہگار یہ نہیں سمجھتا کہ ہر کام خداوندی تصرف سے ہو رہا ہے۔ ہر جاننے والا

مور کے بر کاغذے دید اُو قلم
ایک چھوٹی چیونٹی نے کاغذ پر قلم کو دیکھا

گفت با مورِ دگر ایں راز ہم
اُس نے دُوسری چیونٹی سے بھی یہ راز کہا

جانتا ہے کہ دن رات بغیر خدا کی مرضی کے کیسے آجا سکتے ہیں۔ فلسفی جو اپنی عقل پر نازاں ہے محض عقلی دلائل سے خدا کا انکار کرتا ہے اور اپنی بے عقلی کو نہیں سمجھتا۔ کوئی گھر بغیر کسی کے بنائے کب بنتا ہے۔ اسی طرح یہ عظیم گھر (دنیا) بغیر کسی کے بنائے کب بن سکتا ہے۔ بغیر کسی لکھنے والے کے خط کا لکھا جانا غیر معقول بات ہے۔ شمع کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ بغیر کسی کے جلائے روشن ہے نامناسب ہے۔

جب انسان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اُس پر کوئی دوسری طاقت مسلّط ہے تو پھر اُس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔ اُسی نے خدا سے جنگ کرنے کے لیے آسمان کی طرف تیر چلائے۔ تُو جتنے چاہے تیر چلا لے۔ تُو اُس ذات سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟ اُس سے کیسے بچ سکتا ہے؟ اللہ کے حکم اور مرضی کے خلاف آرزو کرنا بھی اُس سے بھاگنے کے مترادف ہے۔ یہ دنیا جال ہے اور آرزو اِس کا دانہ ہے۔ ہوا و حرص سے بچ، تقویٰ اختیار کر کیونکہ اُس کے بعد ہی انسان کا دل خود بخود بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اپنے دل سے فتویٰ حاصل کر'' خواہ تجھے مفتی کچھ فتویٰ دیں۔ اللہ کو یہ پسند ہے کہ انسان دنیا کی حرص اور لالچ کو ختم کر دے۔ جب خدا سے گریز ممکن نہیں ہے تو اُس کی اطاعت کر۔ جب ان باتوں پر غور کرے گا تو پھر خدا کی جانب سے انصاف خود دیکھ لے گا۔

بادشاہ کا اُمرا اور متعصبوں پر فضیلت رُتبے اور قُرب کا سبب ظاہر کرنا اور ایاز کا پوشاک کا خرچہ ایسے طریقے سے حاصل کرنا کہ اُن کی دلیل اور اعتراض باقی نہ رہا

امیروں نے بادشاہ محمود پر اعتراض کیا کہ ایاز کو تین امیروں کے برابر تنخواہ کیوں دی جاتی ہے جبکہ ایاز کے پاس بھی ایک عقل ہے اور دوسروں کے پاس بھی ایک۔ بادشاہ اُن سب کو ایک دن شکار پر ساتھ لے گیا۔ بادشاہ نے دُور سے ایک قافلہ آتا ہوا دیکھا۔ ایک امیر سے کہا کہ معلوم کرو یہ قافلہ کہاں سے آیا ہے؟ اُس نے واپس آ کر بتایا کہ شہرِ رَے سے آ رہا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: کہاں جا رہا ہے؟ وہ عاجز رہا۔ دوسرے سے کہا کہ معلوم کرو کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ واپس آ کر بولا یمن کا۔ پوچھا اُن کے پاس سامان کیا کیا ہے؟ دوسرے سے پھر پوچھا کہ واضح طور پر ہر چیز کیوں معلوم نہیں کی؟ وہ گیا اور واپس آ کر بتایا کہ ہر قسم کی چیز ہے لیکن زیادہ تر رَے کے پیالے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ رَے سے کب چلے؟ وہ پھر جواب نہ دے سکا۔ اگلے کو بھیجا کہ معلوم کرے، تو وہ واپس آ کر بولا: آٹھ رجب کو۔ شاہ نے پوچھا رَے میں پیالوں کا کیا بھاؤ تھا؟ وہ جواب نہ دے سکا۔ غرض اُن تینوں سرداروں میں سے کوئی

کز عجائب نقشہا آں کلک کرد	ہم چو ریحان و چو سوسن زار و ورد
کہ قلم نے عجیب نقش بنائے ہیں	جیسے نیاز بو اور سوسن کا کھیت اور گلاب

بھی پوری بات معلوم کر کے نہ آیا۔ سلطان نے سرداروں سے کہا کہ ایک روز میں نے ایاز کو ایسی ہی معلومات حاصل کرنے بھیجا تھا۔ وہ اکیلا تینوں کے برابر معلومات لے کر آیا تھا۔

اُن اُمراء کا جبریوں کی طرح شبہ کے ساتھ درخواست کرنا اور شاہ کا اُنکو جواب

اُن امیروں نے کہا کہ یہ ہنر مندی تو خدا کی عطا ہے۔ اس میں ہماری اور اُس کی کوششوں کا کیا دخل۔ یہ خدائی تقسیم ہے کہ اُس نے چاند کو خوب صورت چہرہ عطا کر دیا اور پھول کو خوشبو دے دی۔ شاہ نے کہا کہ یہ بات درست نہیں ہے۔ خدا نے بندے کو بھی اختیار دیا ہے۔ انسان جو کام کرتا ہے اُس میں اُس کی کوشش اور کوتاہی کا دخل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی سمجھا ورنہ اپنی کوتاہی اپنی طرف منسوب نہ کرتے بلکہ خدا کی طرف کرتے (رَبَّنَا ظَلَمْنَا)۔ اس طرح کاموں کی خدا کی طرف نسبت کر دینا شیطان کا کام ہے۔ اُس نے اپنی غلطی پر خدا کو ملزم قرار دیا اور کہا کہ تُو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے، میرا کیا قصور ہے؟ درست بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر بھی حق ہے اور انسان کی کوشش بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ صرف ایک طرف ہی دیکھنا شیطان کی بھینگی آنکھ کا قصور ہے۔

انسان اکثر کاموں میں متردد ہوتا ہے۔ اگر اُس کو اپنے اختیار پر یقین نہ ہوتا تو یہ متردد بھی نہیں ہوتا۔ اُس کو کہیں جانے یا نہ جانے کا اختیار ہے۔ اس میں اُسے تردد ہوتا ہے۔ انسان کو اپنی غلطیوں کا ذمہ دار خدا کو نہیں بنانا چاہیے۔ اپنے جرم کی ذمہ داری قضاء خداوندی پر ڈالنا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ زید قتل کرے اور بدلہ عُمر سے لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بھی غیر مجرم کو سزا نہیں دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شہد کوئی کھائے اور بخار کسی اور کو ہو۔ دن میں مزدوری کوئی کرے اور رات کو اُجرت کوئی دوسرا لے جائے۔ یاد رکھو! ظاہری اعمال کے نتیجے خود کرنے والے کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔ انسان کے اعمال ہی اُس کے دامن گیر ہوں گے، جس طرح اُس کی ظاہری اولاد اُس کی دامن گیر ہوتی ہے۔ آخرت میں اعمال مصوّر کر دیئے جائیں گے۔ ہاں عمل اور جزا میں ظاہری مشابہت نہ ہوگی۔ ڈاکہ زنی اور اُس کی سزا پھانسی میں کوئی ظاہری مناسبت نہیں ہے لیکن خدا نے دنیا میں انصاف قائم کرنے کے لیے اُس کی یہ سزا تجویز کر دی ہے۔ جب دنیا میں انصاف قائم کرنے کے لیے خدا نے یہ الہام کر دیا ہے پھر قضاءِ خداوندی غیر مناسب سزا و جزا کیسے دے سکتی ہے۔

جب دنیا کا حاکم مناسب سزا اور جزا دیتا ہے تو یقیناً اللہ بھی مناسب جزا و سزا دے گا۔ تُو نے قرض لیا ہے تُو ہی گروی ہوگا۔ اپنا جرم کسی دوسرے پر نہ رکھ۔ اُس کے بدلے کا منتظر رہ۔ انسان کی بدعملی اُس کی تکلیف کا سبب ہے اور

گفت آں مور اصبع ست آں پیشہ ور
اُس چیونٹی نے کہا کہ اُنگلی کارگزار ہے

ویں قلم در فعل فرع ست و اثر
یہ قلم کام کرنے میں فرع اور اثر ہے

بد عملی کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ مقدر اُس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ محض تقدیر پر نظر رکھنا انسان کو کج بین بنا دیتا ہے اور انسان نَفس کو بُرائی کا عادی اور کاہل بنا دیتا ہے۔ ہر بُرائی کی تہمت اپنے پر رکھنی چاہیے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ جو ایک ذرّہ عمل کرے گا اُس کا نتیجہ اُس کے سامنے آئے گا۔ انسان کو نَفس کے دھوکے سے بچنا چاہیے۔ اُس کے عمل کا ذرّہ ذرّہ علمِ الٰہی میں ہے۔ جس طرح جسمانی ذرّات سورج کی روشنی سے چمک اُٹھتے ہیں اِسی طرح سے خیالات کے ذرّات علمِ الٰہی میں چمک اُٹھتے ہیں۔ علمِ الٰہی عالمِ غیب کے اَسرار میں سے ہے اُس میں عالمِ شہود کے مطابق غور و فکر کرنا چاہیے۔ تیرے اختیار سے جو خیالات چُھپے ہوئے ہیں وہ سب علمِ الٰہی میں ظاہر ہیں۔ یہ حکایت سُن لے۔

ایک شکاری کا پرندوں کو دھوکا دینے کے لیے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ کر گُل لالہ کا گلدستہ سر پر رکھنا اور فرمانِ نبوی ﷺ "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے"

یہ ایک شکاری کا قصّہ ہے جس نے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ لیا اور گل و لالہ کا گلدستہ سر پر رکھ لیا تا کہ پرندے اُسے گھاس سمجھیں۔ ایک ہوشیار پرندے نے تاڑ لیا کہ یہ آدمی ہے لیکن وہ بھی پورا نہ سمجھا۔ مکر سے دھوکے میں پڑ گیا کیونکہ پہلے ادراک پر یقین نہ رکھتا تھا اور دوسرا احساس قطعی تھا اور وہ حرص اور لالچ ہے، خصوصاً حاجت اور ضرورت کی زیادتی کے وقت۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے"۔

فقر اور اُس کا احساس مومنوں کے لیے باعثِ فضیلت ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ "فقر میرا فخر ہے" لیکن کمزور ایمان والوں کے لیے فقر خطرناک ہے، بسا اوقات وہ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک شکاری نے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اپنے بدن پر گھاس اور سر پر پھولوں کی ٹوپی اوڑھ لی۔ پرندہ یہ نہ سمجھا کہ یہ شکاری ہے اور اُس نے اِس سے دریافت کیا کہ تُو کون ہے؟ شکاری بولا: میں ایک متقی اور زاہد ہوں۔ صرف گھاس پھوس پر گزارہ کرتا ہوں کیونکہ موت ہر وقت میرے پیشِ نظر ہے اس لیے دنیا سے زُہد اختیار کر لیا ہے۔ ایک پڑوسی کی موت سے مجھے عبرت ہوگئی اور میں نے اپنی دُکان خیرات کر دی۔ مرنے کے بعد تنہا رہنا ہے اس لیے دنیا داروں سے منقطع ہو گیا ہوں اور خدا سے لَو لگائی ہے۔ جو لوگ زندگی میں قیمتی لباس پہنتے ہیں وہ بھی موت کے بعد بنا سِلا کفن پہنتے ہیں۔ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور اُس کو مر کر مٹی ہی میں جانا ہے لہٰذا اسی سے تعلق رکھنا چاہیے۔ انسان دنیا میں اپنے عارضی ساتھیوں سے دل وابستہ کر لیتا ہے۔ انسان کے جسم کی تخلیق اربعہ عناصر سے ہے۔ اُس کی رُوح عالَمِ نفوس اور عالَمِ عقول کی چیز ہے لیکن انسان اپنی اصل کو بھول جاتا ہے۔ جب رُوح اپنی اصل کو فراموش کر دیتی ہے تو وہ عقول اور نفوس اُس سے کہتے ہیں کہ تُو نے ہمیں

گفت آں مورِ سوم کز بازو است
تیسری چیونٹی نے کہا کہ یہ بازو کی طاقت کی وجہ سے ہے

کاصبعِ لاغر نہ زورش نقش بست
کمزور اُنگلی کی طاقت نے یہ نقش نہیں بنایا

بھلا دیا ہے اور عارضی یاروں سے رشتہ جوڑ لیا ہے۔

دراصل انسانوں کی مثال اُن بچوں کی سی ہے جو دن بھر کھیل میں لگے رہتے ہیں اور شام کے وقت والدین اُن کو جبراً پکڑ کر گھر لے جاتے ہیں۔ یہی حال انسان کا ہے کہ اُس کی رُوح کو لامحالہ اصل وطن کی طرف جانا ہے۔ بچہ کھیل کے وقت اپنے کپڑے جوتے اُتار دیتا ہے اور محو ہو جاتا ہے کہ چور اُس کے کپڑے وغیرہ لے بھاگتا ہے۔ جب شام کو وہ گھر لوٹنا چاہتا ہے تو کپڑوں کی چوری کی شرمندگی کی وجہ سے گھر لوٹنے کی ہمت نہیں کرتا۔ یہی حال انسانوں کا ہے دنیا کے شغل میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اور پھر آخرت کی طرف رُخ کرنے سے شرماتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ ”جان لو دنیا کھیل کود ہے“ لہٰذا تمہارا حال اُس بچے کا سا نہ ہو جو کھیل کود میں سب کچھ کھو بیٹھا۔ واپسی کے وقت سے پہلے اپنا جائزہ لے لو۔ شکاری نے پرندے سے کہا کہ انسان غفلت میں اسی طرح دن گزار دیتا ہے۔ آدھی عمر مرغوبات کی تمنا میں اور آدھی دشمنوں کے غصے میں۔ غرض کہ آخرت کے لیے جو سامان تیار کرنا تھا وہ سب برباد ہو جاتا ہے۔ واپسی کا وقت قریب ہے، کھیل کود چھوڑ کر چلنے کی تیاری کرنی چاہیے۔ غلطیوں کی تلافی کی تدبیر توبہ اور استغفار ہے۔ توبہ کی حفاظت کرو، کہیں شیطان اُسے نہ چرا لے۔

چوروں نے تدبیر سے ایک شخص کے دُنبے کیساتھ اُسکے کپڑے بھی چُرا لیے

انسان لالچ میں پڑ کر پے در پے چور کو چوری کرنے کا موقع دیتا ہے۔ ایک شخص اپنا دُنبہ رسی سے باندھے لیے جارہا تھا چور نے پیچھے سے آکر رسی کاٹی اور دُنبہ چُرا لیا۔ اب یہ شخص دُنبے کی تلاش میں بھاگا تو چور ایک کنویں کے پاس کھڑا ہو کر رونے لگا اور دنبے والے سے کہا کہ میری پانچ سو اشرفیوں کی تھیلی کنویں میں گر گئی ہے۔ اگر کوئی اُس کو کنویں میں سے نکال دے تو میں اُسے سو اشرفیاں دے دوں گا۔ یہ شخص لالچ میں آگیا اور کپڑے اُتار کر کنویں میں اُتر گیا۔ چور اُس کے کپڑے بھی لے بھاگا۔ دنبے والے نے سوچا تھا کہ سو اشرفیاں تو دس دُنبوں کی قیمت ہے اگر دُنبہ گیا تو کیا پرواہ ہے۔ مجھے دنبے کے بدلے میں اونٹ مل رہا ہے۔ اس دنیا میں کوئی منزل طے کرنے کے لیے بڑی پختہ کاری کی ضرورت ہے۔ شیطان ہر لمحے ہمیں بھیس بدل کر دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس کی چالوں کو خدا ہی پہچان سکتا ہے۔ بس ہمیں ہمیشہ اُس کی پناہ ہی مانگتے رہنا چاہیے۔

ہم چنیں می رفت بالا تا کہ	مہترِ موراں فطن بُود آں کہ
بات اسی طرح اُوپر کو چلتی رہی حتیٰ کہ	چیونٹیوں کی سردار جو کچھ سمجھدار تھی

پرندے کا شکاری کے ساتھ رہبانیت اختیار کرنے کے بارے میں مناظرہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو روکا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

رہبانیت یہ ہے کہ انسان تمام دنیوی علائق منقطع کر کے جنگلوں میں عبادت گزاری کرے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع فرمایا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ لوگوں کی بدخلقی پر صبر کرو اور ابر کی طرح لوگوں کو نفع پہنچاؤ۔ اسلام ہمیں جماعت اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے۔ بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ لوگوں سے مِل جُل کر زندگی گزارنا سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حدیث ہے کہ "جماعت رحمت ہے اور الگ رہنا عذاب ہے" پرندے نے شکاری سے کہا: جماعت بہتر ہوتی ہے۔ شکاری بولا: بسا اوقات گوشۂ تنہائی جماعت سے افضل ہوتا ہے۔ اگر بُرے ساتھ ہوں تو تنہائی افضل ہوتی ہے۔ بے عقل انسان ایک عقل مند انسان کی نظر میں مٹی کا ڈھیلا ہے۔ بے عقل انسان کو گدھے کی طرح صرف چرنے اور کھانے کی فکر ہے۔ اُس کی صحبت بے ہُنر بنا دے گی۔ بے عقل کا مقصود چونکہ غیرِ حق ہے، جو فانی ہے اور خدا کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ یہ تمام ممکنات سایہ کی مانند ہیں۔ ممکنات اور کائنات سے گزر کر ذاتِ باری سے تعلق قائم کرنا چاہیے۔ غیر اللہ فانی ہے اس کی صحبت بُری ہے۔

منزل میرے مقصد کی کعبہ ہے نہ بُت خانہ
اِن دونوں سے آگے چل لے ہمتِ مردانہ　　(بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

دنیا کی چیزوں سے محبت مُردوں سے محبت کرنا ہے۔ اِس لیے بُرے ساتھیوں سے تعلق قطع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ غلط ساتھی انسان کے لیے نقصان کا سبب بنتے ہیں۔ پرندے نے کہا کہ بُرے ساتھیوں کے ساتھ رہنے سے ہی نفس کے ساتھ جہاد ممکن ہو سکے گا۔ اگر دشمن نہ ہو تو جہاد کی فضیلت کیسے حاصل ہو۔ بہادر ہمیشہ وہی راہ اختیار کرتا ہے۔ جس میں اُس کو دوستوں کی مدد کرنے اور راہزنوں سے جنگ کا موقع مل سکے۔ دشمنوں کی موجودگی میں اُس کی بہادری کی رگ اُبھرتی ہے۔ اسلام میں کافروں سے جہاد کرنا نیکی اور مصلحت ہے اور غاروں میں بیٹھ کر عبادت کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین تھا۔ ہر مذہب میں موقع کی مناسبت سے احکام دیئے گئے ہیں۔
شکاری نے کہا بے شک جہاد کو گوشہ نشینی پر فوقیت ہے لیکن اُس شخص کے لیے جس میں جہاد کی طاقت ہے۔ جہاد میں قوت اور مخلص ساتھی کی ضرورت ہے۔ عقل مندی یہی ہے کہ انسان انجام پر نظر رکھ کر کام شروع کرے۔ جہاد میں مخلص یار کی ضرورت ہے اور اس زمانے میں ایسے دوست کہاں ہیں۔ پرندے نے کہا کہ اگر دل میں صداقت ہو تو دنیا

گفت کز صورت مبینید ایں ہُنر اُس نے کہا اِس ہُنر کو جسم کا نہ سمجھ	کہ بخواب و مرگ گردد بے خبر کیونکہ وہ تو خواب اور موت پر بے خبر ہو جاتا ہے

میں یاروں کی کمی نہیں ہے۔ تُو خود دوسروں کا دوست بن پھر دیکھ کس قدر دوست ملتے ہیں اور زندگی کی راہ میں یار کی بہت ضرورت ہے۔ یار بن جا اور یاروں کے ساتھ رہ۔ اُن کے بغیر تُو بے مدد رہ جائے گا۔ شیطان کو بھیڑیا سمجھ جو ہمیشہ اُس بکری پر حملہ کرتا ہے جو ریوڑ سے جدا رہے۔ جو شخص سُنت اور جماعت کو چھوڑ کر تنہائی اختیار کرتا ہے وہ اُس بکری کی طرح ہے جو جنگل میں ریوڑ سے جدا ہو جائے۔ سُنت راستہ اور جماعت اُس کی ساتھی ہے، اُس کے بغیر انسان مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ سفر میں اپنا ساتھی اُسے بناؤ جو خدا کا طلب گار ہو اور ہمدرد ہو۔ ایسا ساتھی نہ ہو کہ موقع پا کر تیرا سامان ہی غائب کر دے۔ وہ تیرے ساتھ اپنے نفع کے لیے چلے۔ وہ بزدل بھی نہ ہو کہ مشکل پیش آئے تو راہِ حق چھوڑنے کا مشورہ دینے لگے۔ بُرا دوست سانپ ہوتا ہے۔

خطر بسیار دارد راہِ حق ہوشیار شو صائب
کہ مُوسیٰ بے عصا در وادیٔ ایمن نمی آئید

"راہِ حق میں اے صائب بہت سے خطرات ہیں۔ ہوشیار ہو جا کیونکہ وادیٔ ایمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بغیر اپنے عصا کے نہیں جاتے"۔

دین کے راستے کو اللہ نے اِس لیے پُر خطر بنایا ہے تاکہ چلنے والوں کی آزمائش ہو سکے۔ اس راستے کا ڈر اچھے بُرے کو اِس طرح الگ کر دیتا ہے جس طرح چھلنی بھوسے اور آٹے کو جدا کر دیتی ہے۔ صحیح راستہ وہی ہے جس پر دوسرے سالکوں کے قدموں کے نشان ہوں۔ دوست وہی ہے جس کی عقل تمہارا سہارا ہو۔ یاد رکھو! نشاط جماعت کے ساتھ رہنے میں ہی ہے۔ بُرا دوست سانپ کی مثل ہے، اُس سے بچو۔ انسان کو گدھے سے ہی سبق حاصل کر لینا چاہیے جو دوسرے گدھوں کے ساتھ ہونے سے تیز رفتار بن جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے بھی جماعت بنانے کی خاطر معجزے دکھائے اور تنہا روی اختیار نہ کی۔ ایک دیوار سے گھر نہیں بنتا ہے، زیادہ دیواروں سے بنتا ہے تاکہ اُس میں غلے کے انبار ہوں۔ اللہ نے ہر جنس کا جوڑ بنایا تاکہ اُس سے نتائج پیدا ہوں۔

پرند اور شکاری میں اِس مسئلے پر بہت سے سوال و جواب ہوئے لیکن پرندے نے جال میں دیکھا تو بے قابو ہو گیا اور شکاری سے پوچھا کہ یہ گیہوں کس کے ہیں؟ شکاری نے کہا کہ لاوارث بچوں کے ہیں جو لوگوں نے مجھے امانت دار سمجھ کر امانت رکھے ہیں۔ پرندے نے کہا کہ میں بھوک سے مجبور ہو گیا ہوں اور ایسی حالت میں تو مُردار کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ کچھ کھا لوں؟ شکاری نے کہا کہ تُو خود اپنے بارے میں فتویٰ دے کہ تُو مجبور ہے یا نہیں۔

صُورت آمد چوں لباس و چوں عصا	جز بعقل و جاں نجنبد نقشہا
جسم تو لباس اور لاٹھی کی طرح ہے	نقوش تو بس عقل اور جان ہی بنا سکتی ہے

اگر مجبوری بھی ہے تو حرام سے بچنا بہتر ہے۔ پرندہ دانہ کھانے پر مجبور ہوگیا۔ دانہ چکھتے ہی وہ جال میں پھنس گیا۔ اُس نے سُوْرَةُ یٰسٓ اور سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ پڑھی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اِسی طرح جب عذابِ الٰہی آ پکڑتا ہے تو پھر توبہ مفید نہیں ہوتی۔ توبہ اور آہ وزاری عذاب اور موت کے نرغے سے پہلے مفید ہے۔ انسان کا نفس جب گناہ پر مجبور کرے تب خدا کی طرف رجوع مفید ہے۔ جب شیطان رہزن بنے اُس وقت توبہ کرلو، اس سے پہلے کہ قافلہ تباہ ہوجائے۔

اُس چوکیدار کا قصہ جس نے خاموشی اختیار کی حتیٰ کہ چور تاجروں کا سارا سامان لے گئے، اُس کے بعد ہائے ہائے اور حفاظت شروع کی

ایک قافلہ میں ایک چوکیدار تھا تاکہ تاجروں کے مال کی حفاظت کرے۔ رات کو چوکیدار سو گیا اور سامان چور لے گئے۔ جب دن نکلا تو چوکیدار نے ہائے ہائے کا شور مچادیا۔ اُس نے چوروں سے مال کی حفاظت نہ کی اس لیے خود چور ہوا۔ کہنے لگا وہ نقاب پہن کر آئے تھے اور میرے سامنے سے سامان اُٹھا کر لے گئے۔ میں اکیلا تھا اور وہ بہت سارے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اے ریت کے ٹیلے! تُو نے شور کیوں نہ مچایا؟ کہنے لگا کہ اُنہوں نے چھری دکھائی کہ بولے تو قتل کردیں گے، اس لیے میں خاموش رہا۔ اُس وقت میں دم نہ مار سکتا تھا۔ اب فریاد کررہا ہوں۔ اب جس قدر چاہو میں شور مچادوں گا۔

جس طرح قافلے کے لُٹ جانے کے بعد چوکیدار کا شور وغل بے کار تھا اسی طرح پوری عمر گزر جانے کے بعد اَعُوذُ اور فاتحہ پڑھنا بے فائدہ ہے۔ لیکن آخری عمر میں بھی غفلت سے توبہ بہتر ہے۔ آخری عمر میں ہی آہ وزاری کرلو اور دربارِ خداوندی میں عرض کرو کہ اے قادرِ مطلق! تیرے لیے وقت بے وقت کوئی چیز نہیں ہے۔ انسان کے لیے وقت آتا ہے اور گزر جاتا ہے لیکن خدا کے لیے کوئی چیز فوت نہیں ہوتی۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا ہے "جو تم سے فوت ہوجائے اُس پر غم نہ کرو" کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز کہاں غائب ہوتی ہے۔

پرندے کا جال میں اپنی گرفتاری کے فعل کو زاہد کے مکر اور دھوکے سے تعبیر کرنا اور زاھد کا پرندے کو جواب

پھنسنے کے بعد پرندے نے کہا کہ جو زاہدوں کے مکر میں پھنس جائے اُس کی یہی سزا ہے جو مجھے ملی ہے۔ زاہد نے کہا کہ اپنی سزا کو اپنے فعل سے وابستہ کر۔ تُو نے یتیموں کا مال کھایا' یہ اُس کی سزا ہے۔ پرندے نے اپنے فعل کی سزا سمجھ کر اس دردناک طریقہ سے رونا شروع کیا کہ شکاری اور جال بھی لرز گئے۔ یاد رکھو! انسان کے دل میں متضاد خیالات آتے

بے خبر بُود اُو کہ آں عقل و فواد	بے ز تقلیبِ خدا باشد جماد
وہ بے خبر تھی کہ عقل اور دل	خُدا کے حرکت دیئے بغیر بے جان ہیں

رہتے ہیں کبھی گناہ کی طرف میلان ہوتا ہے اور کبھی اُس سے نفرت ہوتی ہے۔ اب اُس پرندے یعنی گنہگار انسان نے یہ دُعا شروع کر دی، اے خدا! میرے سر پر دستِ کرم رکھ دے، تیرے دستِ کرم کے نیچے میرے سر کو راحت ہے۔ تیرا دستِ کرم مجھے نعمت بخشتا ہے اور شکر کی توفیق دیتا ہے۔ اے خدا! میرے سر پر سے اپنا ہاتھ نہ ہٹا۔ میں بے قرار ہوں اور تیرے غم میں میری نیند اُڑ گئی ہے۔ میں اگرچہ نالائق ہوں لیکن ایک نالائق پر کرم کرنے سے تیرا کچھ نہیں بگڑتا۔ تُو نے مجھے اپنے کرم سے پیدا فرما دیا اور اپنی قدرت سے اِس مٹی کو حواس عطا کر دیئے۔ یعنی پانچ ظاہری اور پانچ باطنی حواس۔ نُطفہ ایک بے جان چیز ہے لیکن تُو نے اُس میں حواس پیدا کر دیئے۔ اگر میری توبہ میں توفیقِ الٰہی شامل نہ ہو تو اُس توبہ کا بقا مشکل ہے اور ایسی توبہ کا تو مذاق ہی اُڑتا ہے۔

اے خدا! تیری ہی قضاو قدر کی وجہ سے میرے حواس اور دل تباہ ہیں۔ جب تک تُو میرے اعمال کو منظم نہیں کرے گا میرا کام ناقص رہے گا۔ بغیر تیری توفیق کے کام کا نظام درست ہونا تو درکنار زندگی ہی ممکن نہیں ہے۔ خدا کی خدائی کے بغیر بندے کا وجود ممکن نہیں ہے۔ تُو مجھے دیوانگی کا عاشق بنا دے کیونکہ عقل مندی سے میرا پیٹ بھر چکا ہے۔ اگر میں حالتِ سُکر میں ہوں تو تیرا اسارا راز کہہ دوں لیکن صَحو میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ انسان میں کیفیتیں راز کے ضبط کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ صَحو میں ہونا راز بیان کرنے سے مانع ہے۔ اے دوستو! قضاو قدر کی اور ہماری مثال یہ ہے کہ ہم لنگڑے ہرن ہیں اور ہمارے اوپر شکاری شیر ہے۔ لنگڑے ہرن کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنے آپ کو شیر کے حوالے کر دے۔ وہ خود کھانے پینے اور سننے سے بے نیاز ہے اور ہمیں بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے تا کہ ہمیں اُس کی ذات کا مُشاہدہ ہو سکے۔ رُوح چونکہ لامکان کی غذا کی عادی ہے اُس کی نگاہیں وہاں ہی لگی ہوئی ہیں۔ بلی کو جب کسی سوراخ سے غذا حاصل ہو جاتی ہے تو وہ وہاں ہی انتظار میں بیٹھی رہتی ہے۔ اُس نے جہاں سے پہلے کوئی شکار پکڑا ہو وہ وہاں کے ہی چکر کاٹتی رہتی ہے۔ جن کو عالمِ بالا سے غذا حاصل ہو جائے اُن کی توجہ عالمِ بالا ہی کی طرف رہتی ہے۔

دنیا داروں کی مثال اُن بچوں کی سی ہے جو کھیل کود میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اُن میں سے اگر کبھی کسی کو ہوش آتا بھی ہے تو شیطان پھر تھپک کر سُلا دیتا ہے اور غافل بنا دیتا ہے۔ جیسے دائی بچہ کو تھپک کر سُلاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سو یارہ میں کسی کو موقع نہیں دوں گا کہ تیرے آرام میں خلل ڈالے۔ یاد رکھو! غفلت کی نیند کے اسباب کو خود ختم کرنے کی کوشش کرو اور اِس طرح بیدار رہو جیسے پیاسا پانی کی آواز سن کر بیدار رہتا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح پانی کی آواز جو آسمان سے نازل ہوتا ہے پیاسوں کی غفلت کو دُور کرتی ہے میں بھی غافلوں کو اسی طرح بیدار کر رہا ہوں۔ سالک

یک زماں اَزوَے عنایت بر کَند	عقلِ زیرک اَبلہیہا می کُنند
تھوڑی دیر کے لئے اگر خدا مہربانیاں بند کر دے	تو عقل بے وقوف بن جاتی ہے

کو غفلت ترک کر کے مُشاہدہ کے لیے مضطرب ہو جانا چاہیے۔ ورنہ یہ طلبِ حقیقی نہ ہوگی۔ طلبِ حقیقی کے سلسلے میں ایک حکایت سُن لے۔

ایک عاشق کا معشوق کے وعدے پر انتظار کرتے کرتے سو جانا معشوق کا آنا اور اُس کی جیب میں اخروٹ بھر کر چلے جانا

ایک عاشق سالوں سے اپنے معشوق کے وصل کی فکر میں تھا۔ ایک دن معشوق نے اُس سے کہا کہ آج رات فلاں حجرے میں آ جا۔ میں نے تیرے لیے لوبیا پکایا ہے۔ آدھی رات تک میرا انتظار کر تو میں خود ہی آ جاؤں گا۔ مرد خوش ہوا اور شکرانے میں خیرات کی۔ گرم جوشی سے حجرے میں بیٹھ گیا لیکن اُس کو نیند نے پکڑ لیا۔ عاشق کو نیند کیسے آ گئی؟ بہر حال دوست آدھی رات کے بعد آیا اُس نے عاشق کی آستین پھاڑ دی، چند اخروٹ اُس کی جیب میں ڈال دیے کہ تُو بچہ ہے اِن سے کھیل۔ جب صبح کو عاشق بیدار ہوا اپنی آستین پھٹی ہوئی دیکھی اور جیب میں اخروٹ دیکھے تو بولا کہ معشوق تُو سچا تھا اور محرومی تو خود میری وجہ سے ہوئی۔ مولانا ﷫ اپنی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم خوابِ غفلت سے محفوظ ہیں۔ چوکیدار کی طرح بالا خانے پر بیٹھ کر نقارہ بجاتے ہیں کہ ہم نے غفلت کو اور اُس کے اسباب کو فنا کو دیا ہے۔ اے ہم پر ملامت کرنے والے! ایسا نہ کر اس سے تجھے دردِ سر پیدا ہو جائے گا۔ میں آزما چکا ہوں جسے وہ ہجر کہتا ہے وہ ہجر ہی نہیں ہے کیونکہ اُس میں میرے لیے لذّت ہے۔ راہِ عشق میں دیوانگی و شورش کے سوا ہر چیز معشوق سے بیگانگی ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیرِ اُو تمنائے

"یار سے فراق یا وصل کے چکر میں نہ پڑ بلکہ اُس کی رضا کا طالب رہ کہ اُس کے سامنے کسی غیر چیز کا طالب ہونا افسوسناک بات ہے"۔

میں صرف اپنے محبوب کی زلف کی زنجیر کا قیدی بن سکتا ہوں اُس کے علاوہ سب زنجیریں توڑ دوں گا۔ عاشق آبرو سے بے پرواہ ہوتا ہے۔ عشق کے ساتھ رسوائی اور ذلت ہی جمع ہو سکتی ہے۔ اب ایسا وقت آ گیا ہے کہ مجھے جسمانی صفات سے عریاں ہو کر سراسر جان بن جانا چاہیے۔ فکر اور شرم ہمیشہ وصل سے مانع ہوتی ہیں۔ اُن کا پردہ چاک کر دینا چاہیے۔ عشق کا عجیب جادو ہے کہ اُس نے نیند کو آنکھوں سے روک دیا ہے۔ عشق اُس وقت خوش ہوتا ہے جب عاشق کا

صبر و قرار فنا ہو جائے۔ جب تک میں عشق کی آگ میں جل کر فنا نہ ہو جاؤں گا۔ محبوب خاموش نہ ہو گا۔ میرا دل ہی اُس کا خاندان اور مکان ہے۔ اگر وہ اُس کو پھونکنا چاہتا ہے تو پھونک دے۔ اُس کو پوچھنے والا کون ہے؟ میرا دل جلنے سے جو سوزش اُس میں پیدا ہو گی وہی میرا مقصود ہے۔ شمع سوزش ہی سے تو روشنی دیتی ہے۔

اگر انسان عشق سے خالی ہے تو اُسے عاشقوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُن کو دیکھ! وہ وصل کی خاطر پروانہ وار قربان ہو رہے ہیں۔ دیکھ! عاشقوں کی کشتی کس طرح دریا میں ڈوب رہی ہے جیسے وہ دریا کوئی اژدھا ہو جو سب کچھ نگل رہا ہو۔ عشق ایک ایسا اژدھا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن دل کو نگل جاتا ہے اور پہاڑ جیسی عقل کو مغلوب کر دیتا ہے۔ عقل جب عشق سے واقف ہو جاتی ہے تو اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے اور کہتی ہے یہ سب چیزیں محبوب پر قربان ہیں جو بے نظیر ہے لہٰذا اِن چیزوں کی واپسی کی کبھی خواہش نہیں ہو گی۔ مکاری پر انسان عاشق کے اَحوال سے قصداً آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ان اَحوال کو نہیں دیکھتا۔ وہ محروم ہے۔ اگر وہ عشق کے میدان میں آ جائے تو اُس کو سب اَحوال نظر آنے لگیں جن کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ "میں نہیں دیکھتا" پھر وہ کہے گا کہ میں دیکھتا ہوں۔ تُو عقل کی مستی سے گزر کر عشق کی مستی تقسیم کرنے والا بن جا۔

عقل کے مَست تو بہت ہیں۔ مارے مارے پھرتے ہیں اور ہر ایک اپنی مختلف رائے رکھتا ہے۔ اللہ کے مستوں سے اگر دو عالم بھر جائیں تو یہ اُن کی ذلت کا سبب نہ ہو گا کیونکہ وہ سب مل کر ایک ہیں۔ کثرت ذلت کا سبب نہیں ہے۔ ذلیل تو وہ ہوتا ہے جو تن پر مَست ہو۔ چاند کی چاندنی سے سارا عالَم بھی پُر ہو جائے تو اُس میں کوئی کھوٹ نہیں آتا۔ اِسی طرح سورج کی روشنی سے سارا عالَم منور ہوتا ہے تو اُس کی روشنی بے قدر نہیں ہوتی۔ مَستی اور سُکر دونوں فضیلت والی حالتیں ہیں لیکن تمہیں اعلیٰ مقام صَحو حاصل کرنا چاہیے۔ سُکر کا مقام ابرار کا ہے لیکن صَحو کا مقام مقبولینِ بارگاہ کا ہے۔ جو سالِک مقامِ صَحو میں ہوتا ہے وہ بھی حق تعالیٰ سے فیض حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو پہنچاتا ہے۔ سُکر کی حالت حیرت کی ہوتی ہے جس میں سالِک ہر معاملہ میں لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اُس ذات کا متلاشی ہے جسے جانتا ہے۔

ایک مخمُور ترک امیر کا گویّے سے صُبح کے وقت شراب طلب کرنا اور حدیث کی تفسیر اور سُورۃ التوبہ کی آیت کا بیان

ایک مخمور ترک امیر کا گویئے سے صبح کے وقت شراب طلب کرنا اور حدیث کی تفسیر کہ "اللہ کے پاس ایک شراب ہے جو اُس کے دوستوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور جب اُس کو پیتے ہیں تو مَست ہو جاتے ہیں، اور جب مَست ہو جاتے ہیں پاکیزہ بن

جاتے ہیں۔ ’’سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ ‘‘ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’بے شک وہ پئیں گے‘‘ یہ شراب جو تُو پیتا ہے حرام ہے‘ ہم جائز شراب کے سوا نہیں پیتے ہیں۔ کوشش کر کہ تُو ہستی سے ہست ہو جائے اور خدا کی شراب سے مست ہو جائے۔

ایک تُرک سردار صبح نیند سے بیدار ہوا تو اُس پر خمار کی سی کیفیت طاری تھی۔ اُس نے گوّیے کو طلب کیا۔ رُوحانی گوّیا یعنی شیخ جب توجہ کرتا ہے تو سُکر کی حالت میں مبتلا سالِک کی حالت مزید سُکر والی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ تُرک سردار اپنے نشے کو زیادہ کرنے کے لیے گوّیے کا طلب گار ہوا۔ سالِک کو سُکر کی حالت شیخ کی طرف کھینچتی ہے۔ شیخ اور گوّیے کے الفاظ کو ایک ہی معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ الفاظ کے ہم معنیٰ ہونے کا فرق دراصل حالت پر منحصر ہے۔ ایک بادشاہ کے دو وزیر حسن نامی تھے لیکن اُن دونوں میں بہت فرق تھا۔ لفظی مشابہت تھی لیکن حالت کے لحاظ سے بالکل مختلف تھے۔ لفظی اشتراک اکثر لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ مومن اور کافر میں جسم یکساں ہیں۔ لفظ کا اطلاق کسی کی اندرونی حالت پر منحصر ہے۔ مومن کا جسم ایمان سے لبریز اور کافر کا کفر سے بھرا ہوا ہوگا۔

یاد رکھو! نگاہ ہمیشہ باطن پر رکھو، اگر ایسا کرو گے تو شاہ ہو ورنہ گمراہ ہو۔ الفاظ کو جسم اور اُس کے معانی کو رُوح سمجھو۔ جسمانی آنکھ صرف جسم کو دیکھتی ہے لیکن رُوحانی آنکھ کی نظر رُوح پر ہی پڑتی ہے۔ یہی حال مثنوی کا ہے‘ جو اِس کی کہانیوں کی طرف دیکھے گا تو صرف لفظوں کو دیکھے گا اور بدعقیدہ ہو جائے گا اور جو حکایتوں کے مقاصد پر غور کرے گا وہ اُن سے خوب فائدہ اُٹھائے گا۔ قرآن میں قرآن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب کوئی عارف لفظ ’’شراب‘‘ کا استعمال کرتا ہے تو اُس سے یہ حقیر ظاہری شراب مراد نہیں ہے بلکہ شرابِ معرفت مراد ہے۔ جو شخص محض دنیاوی شراب کو جانتا ہے وہ شراب سے شرابِ محبت کا مفہوم کب سمجھ سکتا ہے۔ شراب اور گانا دونوں اِس بارے میں یکساں ہیں کہ اُن میں ہر ایک دوسرے تک پہنچا دیتا ہے۔ مخمور انسان گوّیے سے غذا حاصل کرتا ہے اور گویا اُس کو شراب خانہ تک لے جاتا ہے۔ میدانِ عشق کی ابتداء گانا ہے اور انتہا شراب ہے کیونکہ دل گوّیے کے قابو میں ہو جاتا ہے۔

انسان کے دماغ میں جو خیال ہوتا ہے وہ لفظوں کو اُس طرف لے جاتا ہے۔ اگر دماغ میں تھوڑی سی صحیح بات بھی ہوتی ہے تو وہ اِن الفاظ کے بعد غلطی سے بدل جاتی ہے۔ اگر سر میں صَفرا ہے اور سَودا کے غلبے سے سَودا بن گیا ہے تو سَودا اور صَفرا دونوں بے ہوشی کا سبب بن جائیں گے اور پھر سبب اور مُسبّب ایک ہی تاثیر کریں گے۔ جب تُرک نے گانے، خوشی اور خُمار کی تکلیف محسوس کی تو اُس نے گوّیوں کو بیدار کر دیا۔ انسان قرب کے باوجود اپنے چہرے کو خود نہیں دیکھ سکتا۔ انتہائی قرب انسان کو ہمیشہ اِشتباہ میں ڈال دیتا ہے۔ اے اللہ! میں تجھے ’’یا ربّ‘‘ اِس لیے کہتا ہوں کہ میرے رقیب یہ نہ

لیک یک صد بُوَد ایمان لغیب لیکن سَو میں سے ایک کو ایمان بالغیب ہوتا ہے	نیک دان و بگذر از تزویر و ریب خُوب سمجھ لے اور مکر اور شک سے گزر جا

سمجھ لیں کہ تُو میرے بے حد قریب ہے۔ "یا" تو دُور والوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے میرے لیے یہ لفظ بے معنی ہے۔

ایک نابینا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنا اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استفسار اور اُن کا جواب

ایک نابینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آیا اور بولا: اے ساقی! فریاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کے مالک ہیں اور میں مانگنے والا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو پردہ میں ہوگئیں۔ جو شخص زیادہ حسین ہو اُس میں رشک کا مادہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ رشک ناز کی پیداوار ہے اور ناز حسینوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ جب بیوی بوڑھی ہوجائے تو اُس میں نہ ناز رہتا ہے اور نہ رشک۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حُسن میں بڑھ چڑھ کر تھے اور نورِ خداوندی اُن کا مددگار تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ناز بھی بڑھا ہوا تھا اور رشک بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حُسن و جمال کی بنیاد پر یہ کہنے کا حق ہے کہ میں نے اپنے حُسن کے دعوے کی گیند دُحل پر پھینک دی ہے لہٰذا اب کسی حسین کو حُسن کی نمائش کا حق نہیں۔ اب سب حسین اپنے حُسن کو میرے حُسن میں گم کردیں ورنہ رُسوا ہوجائیں گے۔ میں کبھی بظاہر رُوپوش ہوجاتا ہوں (بشریت) تاکہ دوسرے حسین اپنے حُسن کا مظاہرہ کرسکیں۔ سورج اگرچہ دنیا سے رُوپوش نہیں ہوتا، کچھ سمتوں سے غائب ہوجاتا ہے تاکہ چمگادڑیں کچھ اُڑ لیں۔ مور اپنے پَروں کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور ناچتا ہے اور پاؤں چونکہ بھدے ہیں اُن کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہے۔ انسان کو بھی چاہیے کہ جب اُس میں تکبر کی کیفیت پیدا ہو تو اپنی برائیوں پر نظر کرے، جس طرح ایاز نے تکبر کا سر کچلنے کا سامان کیا ہوا تھا۔ سورج پھر صبح نمودار ہوجاتا ہے تاکہ تارے متکبر بن کر دوزخی نہ بن جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزمائش کے لیے پوچھا: تمہیں اندھے سے چُھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھوں کے اشاروں سے بتایا کہ وہ نہیں دیکھتا لیکن میں تو دیکھتی ہوں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُنکی آواز کوئی غیر مرد سنے۔ پھر عرض کی: غیر مرد پر میری نگاہ پڑنا آپ کی غیرت کے منافی ہے۔ عقل کو رُوح کے حُسن پر غیرت ہے اِسی لیے وہ رُوح کی حقیقت کو ظاہر نہیں کرتی، محض تشبیہات سے اُسے سمجھاتی ہے۔ رُوح سے مراد دراصل ذاتِ حق ہے۔ اے عقل! تُو ایسی چیز کو کیوں چھپاتی ہے جس کا نور خود ہی اُس کے لیے حجاب ہے۔ سورج بغیر نقاب کے پھرتا ہے لیکن کثرتِ نور کی وجہ سے کوئی اُس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتا اور جس چیز کو سورج بھی نہیں دیکھ سکتا تُو اُس کو کیوں چُھپاتی ہے؟ کوئی دیکھ سکے یا نہ دیکھ سکے رشک کا تقاضہ ہے کہ عاشق، محبوب کو خود اپنے آپ سے بھی چھپانے کی کوشش

بندگی دَر غیب آمد خوب و گش
غیب کی صُورت میں عبادت خُوب اور بہتر ہے

حفظِ غیب آمد دَر استعباد خوش
عبادت کرنے میں غیب کی حفاظت اچھی ہے

کرتا ہے۔

چونکہ رشک کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اس لیے میری آنکھ اور کان کو بھی میرے محبوب سے حجاب میں ہونا چاہیے۔ اُسے میرے محبوب کو نہیں دیکھنا چاہیے اور اُسے اُس کی بات نہیں سننی چاہیے۔ اے عقل! اگر تجھ میں ایسا رشک ہے تو پھر اُس کی بات بھی نہ کر۔ عقل کہتی ہے کہ اگر میں بالکل خاموش رہوں تو وہ خاموشی خود پردہ چاک کر دے گی۔ اگر کسی معاملے میں زیادہ خاموشی اختیار کی جائے تو لوگ اُس کو معلوم کرنے کے اور دَرپے ہو جاتے ہیں۔ جس بات سے کسی کو روکا جائے تو وہ اُس کے متعلق اور زیادہ حَرِیص ہو جاتا ہے۔ سمندر میں جب جوش آتا ہے تو جھاگ نمودار ہو جاتے ہیں اور یہ جھاگ اُس کے جوش کی پہچان کا ذریعہ بن جاتا ہے اور وہ جھاگ ہی اُس کو پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ محبوب کی تھوڑی سی تعریف کر دینا گویا اُس کو چھپا دینا ہے۔ اگر باتوں میں نہ لگایا جاتا تو میں اُس کو دیکھنے کے دَرپے ہو جاتا۔ بلبل جو پھول پر نعرے لگاتی ہے اُس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ تماشائی اُس کے نعروں میں محو ہو جائیں اور پھول کو نہ دیکھ پائیں۔ سورج کی جس قدر وضاحت کی جائے وہ اُسی قدر مخفی ہوتا چلا جائے گا۔

ایک قوال کا تُرک سردار کی مجلس میں غزل شروع کرنا اور سردار کا غصہ و جھنجلاہٹ

گُلی یا سوسنی یا سرو یا ماہی نمی دانم
وزیں آشفتۂ بیدل چہ می خواہی نمی دانم

قوال نے جب غزل سُنائی اور معشوق کی سلبی صفات کا اظہار کیا کہ تُو ہر وقت میرے ساتھ ہے پھر بھی مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں اور تو کہاں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں کبھی تُو مجھے بے حد پیار کرتا ہے اور کبھی کیوں قتل کرتا ہے۔ اُس قوال نے ''میں نہیں جانتا'' کی تکرار جاری رکھی تو تُرک کو غصہ آ گیا اور وہ گُرز لے کر قوال کی طرف دوڑا۔ ایک سپاہی نے دوڑ کر اُس کو پکڑ لیا اور پوچھا: قوال کو کیوں کر مارنا چاہتے ہو؟ ترک نے غصّے میں جواب دیا کہ اس کی ''میں نہیں جانتا'' نے مجھے بہت کوفت پہنچائی ہے۔ میں ابھی اِس کا سر پھوڑ دوں گا اور غصّے سے قوال کو کہنے لگا: اے دیوث! اگر تُو نہیں جانتا ہے تو جو کچھ جانتا ہے وہ کہہ اور اپنا انعام لے۔ ''نہیں جانتا'' کی رٹ نہ لگا۔ تیری حالت تو یہ ہے کہ اگر میں پوچھوں کہ تُو کہاں کا رہنے والا ہے اور تُو کہنا شروع کر دے کہ نہ میں بلخ کا رہنے والا ہوں نہ ہرات کا نہ روم وغیرہ کا اور نہ کرتا چلا جائے تو غلط ہے۔ تُو سیدھی طرح بتا دے کہ میں فلاں جگہ کا رہنے والا ہوں۔ قوال نے جواب دیا کہ جب مقصود

پس بغیبت نیم ذرہ حفظِ کار غیب میں کام کی تھوڑی بھی نگہداشت	بہ کہ اندر حاضری زاں صد ہزار موجودگی کی لاکھ کارگزاری سے بہتر ہے

تصور سے بالاتر ہو تو اُس کے اِثبات کا پہلو پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لامحالہ اُس کے غیر کی نفی کا سلسلہ شروع کرنا ہوگا جو دراز ہو جائے گا۔ اور اسی طرح وہ مقصود بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ میں نے باجے کو نفی پر بجانا شروع کیا تا کہ جب سب کی نفی ہو جائے تو مقصود سمجھ میں آجائے اسی لیے سُکر کو صحو کی سیڑھی کہا جاسکتا ہے۔ اِس مضمون کو حدیث اور حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر سے سمجھایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا "مر جاؤ قبل اس کے کہ مرو" حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بمیر اے دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواہی
کہ ادریس از چنیں مُردن بہشتی گشت پیش از ما

"اے دوست! مرنے سے پہلے مر جا، اگر تُو زندگی چاہتا ہے، کیونکہ ادریس علیہ السلام ہم سے پہلے ایسے مرنے سے بہشتی بن گئے ہیں۔"

یاد رکھو! مجاہدات کے بعد جب تک فنا کا درجہ حاصل نہ ہوگا مُشاہدہ نہ ہو سکے گا۔ مُشاہدہ کی سیڑھی فنا ہے اگر سیڑھی میں ایک ڈنڈا بھی کم ہے تو مُشاہدے تک پہنچا نہیں جاسکتا۔ پوری سیڑھی طے نہ ہوگی تو کیسے معلوم ہوگا کہ وہاں کیا ہے۔ اگر کنویں میں سو گز کی رسی جاتی ہو اور رسی میں ایک گز کی کمی رہ جائے تو پانی ڈول میں نہ آئے گا۔ کشتی اُس وقت تک نہ ڈوبے گی جب تک اُس میں وہ آخری وزن بھی نہ رکھ دیا جائے جو ڈوبنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ آخری بوجھ رات کے اُس آخری ستارے کی طرح ہے جو چمک کر رہنمائی کرتا ہے اور یہی گمراہی کی کشتی کو غرق کر دیتا ہے۔ ہستی فنا کے بعد آسمان کا سورج بن جاتی ہے۔ جب تک تُو مر نہیں جاتا تیرے مجاہدے دراز ہوتے چلے جائیں گے۔ صبح کے وقت اپنی جان کھپا اور شمع پر اپنی جان وار دے۔ سورج تب ہی نکلتا ہے جب سب ستارے غروب ہو جائیں۔

مُشاہدہ تب ہی حاصل ہوگا جب غیر اللہ سے تعلق بالکل ختم کر لیا جائے۔ مجاہدے کا گُرز مار اور اپنی خودی کا بُت پاش پاش کر دے۔ جب تک جسمانی اَوصاف موجود ہیں تُو اسرار کو نہیں سن سکے گا۔ اُس قوال نے تُرک سے کہا کہ جس عیب کی بنا پر تُو مجھے گرز مار رہا ہے۔ وہ تو خود تیرے اندر موجود ہے گویا تُو گرز مجھے نہیں اپنے آپ کو مار رہا ہے اور میری یہ خودی کہ میں سمجھا کہ تُو مجھے گرز مار رہا ہے تیری ہی خودی کا عکس ہے۔ تُو نے میرے اندر دراصل اپنی صورت دیکھی ہے اور مجھے قتل کرنا دراصل تیرا اپنے آپ کو قتل کرنا ہے۔ تیری اور میری مثال اُس شیر جیسی ہے جس نے پانی میں اپنا عکس دیکھا اور اُس پر حملہ کر دیا۔ کسی چیز کی ضد کی نفی سے اُس چیز کا اثبات ہوتا ہے۔ دنیا کے دور میں ذاتِ حق کی معرفت غیر اللہ کی

گفت پیغمبر کہ دائم بہرِ پند
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصیحت کے لئے ہمیشہ

دو فرشتہ خوش مُنادی می کنند
دو فرشتے عمدہ منادی کرتے ہیں

نفی سے ہی ہو سکتی ہے۔ اِس لیے کہ انسان علائقِ دنیوی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر انسان بے حجاب مُشاہدہ چاہتا ہے تو فنا اختیار کرے اور پردے چاک کر دے۔ اِس موت سے وہ موت مراد نہیں ہے جس کے بعد انسان کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے بلکہ اَوصافِ جسمانی کی تبدیلی مراد ہے۔ جب انسان بالغ ہو جاتا ہے تو اُس کا بچپن فنا ہو جاتا ہے۔ اگر کسی سیاہ چیز پر سرخ رنگ کر دو تو اُس کی سیاہی مر جاتی ہے۔ غم جب خوشی میں بدل جاتا ہے تو غم مر جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی کسی مُردے کو زندہ دیکھنا چاہتا ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔ اگر کوئی ایسے مُردے کو دیکھنا چاہتا ہے جو زندوں کی طرح زمین پر چلتا پھرتا ہو، تو وہ خود مردہ بنے اور اُس کی رُوح کو عالَمِ بالا منتقل ہونے کی ضرورت نہ رہی ہو۔ ظاہری موت کے بعد رُوح کے منتقل ہونے کو عقلاً نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ اِس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے مقامِ فنا حاصل کر لیا ہو۔ رُوح کا عالَمِ بالا کی طرف منتقل ہو جانا بالکل اِسی طرح ہے جیسے زندہ اس دنیا میں ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اس بات کا یقین آ جائے گا کہ مرنے کے بعد زندہ کیسے ہوتے ہیں کیونکہ فنا کے بعد اُن کو بقاء حاصل ہو گئی ہے۔ اِسی طرح حضور ﷺ کے دربار میں فنا کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔ آنحضور ﷺ کو خود فنا کے بعد بقا حاصل ہو چکی تھی۔ اِس لیے حضور ﷺ گویا قیامت کا نمونہ تھے۔ قرآن میں مذکور ہے کہ یہ لوگ قیامت کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ آپ ﷺ اُن کو زبانِ حال سے فرماتے: قیامت سے قیامت کون دریافت کرتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: میں موتِ طبعی سے پہلے مر چکا ہوں۔ اِسی لیے اُس عالَم سے یہ باتیں لا کر سناتا ہوں۔

حضور ﷺ نے سوال کرنے والے سے فرمایا: تُو خود قیامت بن جا تجھے قیامت کا مُشاہدہ ہو جائے گا۔ ہر چیز کے مُشاہدے کی یہی شرط ہے کہ اُس چیز میں اس قدر انہماک ہو جائے کہ مُشاہدہ خود وہ چیز بن جائے۔ جب تک انسان روشنی کے آثار اپنے اوپر طاری نہیں کرے گا۔ روشنی کو نہیں دیکھ سکے گا۔ اِسی طرح عقل اور عشق کے آثار طاری کر لینے سے عقل اور عشق کو جان سکے گا۔ یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس قاعدے کے مطابق تو جب تک انسان خدا نہ بن جائے ذاتِ حق کا مُشاہدہ نہیں ہو سکتا اور یہ ممکن نہیں ہے۔ بے شک مُشاہدے کے لیے خدا کے ساتھ اتحاد فی الصفات ضروری ہے اور جب تک انسان تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مصداق نہ بن جائے مُشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اِس قسم کے بہت سے دلائل ہیں لیکن اُن کے سمجھنے والے کم ہیں۔ یہ تصور قائم کر لو کہ دنیا کے سب انسان نزع میں مبتلا ہیں۔ اور اُن کی باتیں گویا مرنے کے وقت کی باتیں ہیں۔ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایک غیرت اور رحمت پیدا ہوتی ہے اور اپنے اندر سے

کاے خُدایا مُمسکاں را دَر جہاں　　　تو مدہ اِلّا زیاں اندر زیاں
کہ اے خُدا! دُنیا میں بخیلوں کو　　　تُو نہ عطا فرما مگر تباہی در تباہی

بُغض اور کینہ کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ صوفیاء اِسے مراقبہء موت کہتے ہیں۔

رشتہ داروں کے بارے میں نزع کی کیفیت کا تصور کرو گے تو تمہارے دل میں سوز و گداز پیدا ہوگا۔ جو موت ہر صورت میں آنے والی ہے سمجھ لو کہ آ گئی ہے۔ جو انسانی اغراض اِس مراقبے میں مانع ہوں اُن کو دل سے نکال دو۔ اگر تم اُن اغراض کو نہ نکال سکو تو صرف عجز پر قائم نہ رہو۔ تمہارا عاجز ہونا ایک زنجیر ہے جو باندھنے والے نے باندھی ہے۔ اُس کی طرف رجوع کرو اور کہو: اے حقیقی زندگی کی طرف ہدایت کرنے والے! میں فطرت کے لحاظ سے ایک باز تھا۔ اب عاجز مچھر کیوں بن گیا ہوں؟ میں نے بُرائی میں قدم جما رکھا ہے اور تیرے قہر کی وجہ سے ٹوٹے میں مبتلا ہوں۔ میں تیری نصیحتوں سے بہرہ بن گیا تھا۔ بُت گر تھا لیکن بُت شکنی کا مدعی تھا۔ تُو اپنے فضل سے مجھ پر رحم فرما۔

اے موت سے غافل انسان! تُو یہ بتا کہ تیرے لیے اپنی دستکاری اور کاری گری کی یاد ضروری ہے یا موت کی یاد۔ موت خزاں کی طرح ہے اور تُو ایک پتہ ہے، جس نے خزاں میں ضرور جھڑنا ہے۔ موت ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے لیکن تُو نہیں سنتا۔ جب سننے کا وقت نہیں رہے گا تب تُو سُنے گا۔ نزع کے وقت تُو ہائے موت کہے گا لیکن اُس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اعلان کرتے کرتے موت کا گلا بیٹھ گیا اور اُس کا نقارہ پھٹ گیا لیکن تُو دنیا داری کی باریکیوں میں لگا رہا۔

انسان کی موت کے وقت کی آہ و زاری ایسی ہی ہے جیسا کہ شیعہ صاحبان کا شہدائے کربلا پر ہر عاشورہ کو ماتم کرنا۔

وہ غافل جو عُمر ضائع کر دیتا ہے اور موت کے وقت کی تنگی میں توبہ و استغفار شروع کرتا ہے، وہ حلب کے شیعوں کے مشابہ ہے جو ہر سال عاشورہ کے ایّام میں انطاکیہ کے دروازے پر عزاداری کرتے ہیں

عاشورہ کے دن حلب کے باشندے ایک جگہ جمع تھے اور واقعہ کربلا اور ظلم و آزمائش جو خاندانِ نبوت نے یزید اور شمر کے ہاتھوں دیکھی تھا کو یاد کر کے روتے تھے اور نوحہ و نالہ بلند کرتے تھے۔ اُس راستے سے ایک مسافر شاعر آیا اور پوچھنے لگا کہ یہ کیسا غم ہے کیا کوئی بڑا رئیس مر گیا ہے؟ مجھے اُس کے بارے میں بتاؤ کہ اُس کا مرثیہ لکھوں اور یہاں سے سامان اور لنگر حاصل کروں۔ لوگوں نے کہا: کیا تُو دیوانہ ہے؟ شیعہ نہیں ہے؟ اہلِ بیت کا دشمن ہے؟ تجھے معلوم نہیں آج عاشورہ کا دن ہے۔ آج اُس جان کا سوگ سو سال سے بہتر ہے۔ اُس پاک رُوح کا ماتم آج نوح علیہ السلام کے سینکڑوں طوفانوں سے زیادہ اہم واقعہ ہے۔ شاعر نے کہا کہ جو تُو کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہے لیکن یزید کا دور گزرے ہوئے تو ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ اور یہاں اتنے عرصے کے بعد یہ خبر پہنچی۔ یہ واقعہ تو اس قدر

کاے خُدایا مُمسکاں را دَر جہاں — تو مَدہ اِلّا زیاں اندر زیاں
کہ اے خُدا! دُنیا میں بخیلوں کو — تُو نہ عطا فرما مگر تباہی در تباہی

دردناک تھا کہ اندھوں اور بہروں تک نے دیکھ لیا اور سُن لیا۔ کیا تم اُس وقت سو رہے تھے جو اَب ماتم میں کپڑے پھاڑ رہے ہو؟ اگر تم اِس قدر غافل ہو تو اپنے اوپر ماتم کرو۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک شاہ تھے۔ اُن کی رُوح قید خانہ سے چھوٹ گئی تو اِس پر ماتم کا کیا موقع ہے۔ اَلدُّنیَا سِجنُ المُؤمِن "یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔" وہ قید خانے سے اپنی سلطنت کی طرف لوٹ گئے۔ یہ تو اُن کے شہنشاہ بننے کا وقت ہے۔ اگر تم کو اِس سے واقفیت نہیں ہے تو اپنے اوپر ماتم کرو۔ تجھے اپنے دل اور دین پر ماتم کرنا چاہیے کیونکہ تجھے اِس دنیا کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ جو دوسرے عالم کو دیکھتا ہے تو اُس کے حصول کے لیے بہادر، جاں باز اور سیر چشم کیوں نہ ہوگا۔ جو عالمِ آخرت کو دیکھتا ہے اُس کے چہرے پر نور ہوتا ہے۔ یاد رکھو! جو سمندر کے خزانوں کو دیکھ لیتا ہے وہ کسی بھی سخاوت سے دریغ نہیں کرتا۔

اُس لالچی کی مثال جو اللہ کی رزّاقی اور رحمت کے خزانوں کو دیکھنے والا نہیں، اُس چیونٹی کی سی ہے جو ایک ڈھیر پر ہے اور ایک دانے پر کوشاں اُسکو جلدی جلدی کھینچ رہی ہے ڈھیر کی وسعت کو نہیں دیکھتی

چیونٹی جو ایک دانے کے لیے اپنی جان ہلکان کر رہی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے ڈھیروں سے اندھی ہے اور اپنے اندھے پن سے ناچیز کو چیز سمجھ رہی ہے۔ اُس نے ڈھیر میں سے صرف یہی ایک دانہ دیکھا ہے۔ انسان جسم کے اعتبار سے تو ایک حقیر ذرّہ ہے لیکن رُوح کے لحاظ سے سب سے اونچا زُحل ستارہ ہے۔ سلیمان ہے۔ انسان جسم کا نام نہیں ہے۔ انسان تو دیدۂ حق بین ہے۔ انسان کی حقیقت دیدِ حق کا آلہ یعنی رُوح ہے اور بقیہ محض گوشت پوست ہے۔ جو کچھ اُس کی حق بیں آنکھ دیکھتی ہے اصل چیز وہی ہے ورنہ سب ناچیز ہے۔ وہ مٹکی جس کا تعلق سمندر سے ہو جائے وہ اپنے پانی سے پہاڑ کو غرق کر سکتی ہے۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات، حضرتِ حق کے صفات میں فنا ہو چکے تھے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا عین حضرتِ حق کا فرمانا ہے۔ قرآن میں اکثر جگہ لفظ "قُل" آیا ہے وہ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

"اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ ہی کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلے

ہوں''۔

حضور ﷺ کے دل کی وابستگی جبکہ بحرِ حقیقت سے تھی تو آپ ﷺ کا فرمایا ہوا اُسی سمندر کا موتی ہے۔ اگر پوری اطاعت کے بعد انسانوں کے افعال اللہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو اس میں کیا تعجب ہے کہ کسی عارف کو فنافی الذات کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ کسی مٹکی سے سمندر کا پانی نکل رہا ہو اور تیری نگاہ محض پانی کی گزرگاہ کو دیکھ رہی ہو۔ حالانکہ وہ تو سمندر سے آ رہا ہے۔ مٹکی اور سمندر کو دو سمجھنا بھینگا پن ہے۔ دراصل دونوں میں اتحاد ہے۔ صرف مٹکے کو نہ دیکھ، جو کچھ مٹکے میں ہے اُسے دیکھ۔ اُس میں ایک سمندر پنہاں ہے۔ انسانِ کامل کے اندر بھی فیوضِ الٰہی ہیں جو لامحدود ہیں، جو پاک اور شیریں ہیں۔ جو شخص اُن فیوض سے محروم ہے وہ خدائی قہر کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ انسان کو اُن فیوض کا مظہر بنانے میں یہ حکمت ہے کہ اِس سے رازِ وحدت ظاہر ہو اور کوئی بلند اقبال اُس کی جستجو میں لگے۔ اِس مظہر کو دیکھ کر کوئی بانصیب، مزید مجاہدے اور کوشش میں لگے گا اور اُس کو مُشاہدۂ حق حاصل ہو جائے گا۔

اہلِ دل کی مثال یوں سمجھو کہ اُن میں ایک نہر جاری ہے اور اُس نہر کو ذاتِ حق سے اتحاد حاصل ہو چکا ہے۔ یہی اہلِ دل وہ ہیں جن سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ لفظ اتحاد کا بھی غلط استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اتحاد تو دو چیزوں میں ہوتا ہے۔ اُن کا ذاتِ حق سے ایسا وصال ہے کہ دوئی ختم ہو چکی ہے۔ اب اُن کی بات خدا کی بات ہے۔ جب یہ وحدت حاصل ہو جاتی ہے تو منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہ نعرہ اَنَا الْحَق لگا دیتا ہے اور موت کی سولی نہ سہی بدنامی کی سولی پر چڑھ جاتا ہے۔ یہ تعلق بِاللهِ بَعْدَ الْفَنَاءِ سے ہی معلوم ہوگا۔ اُس مقام کے بارے میں بحث نہ کرو اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ حشر اور بَعْثَ بَعْدَ الْمَوْتِ تب ہی ہوگا جبکہ پہلے موت واقع ہو جائے گی کیونکہ بعث تو مرنے کے بعد زندہ ہونے کو کہتے ہیں۔ اِس بعث کے لیے موت ضروری ہے۔ جو موت سے ڈرتے ہیں اُن کی راہ غلط ہے۔

تعلق مع اللہ کا علم جب ہی حاصل ہوگا جب تعلق غیر اللہ کا علم چھوڑ دو گے۔ اللہ سے صلح اور محبت جبھی پیدا ہوگی جب غیر اللہ سے صلح، محبت ختم ہو جائے گی۔ ہم حال کہاں سے تلاش کریں؟ حال کو چھوڑنے سے۔ قال کہاں سے تلاش کریں؟ ترکِ قال سے۔ وجود کو کہاں ڈھونڈیں؟ وجود کو چھوڑنے سے۔ قدرت کو کہاں تلاش کریں؟ قدرت کو ترک کرنے سے۔ اے بہترین مددگار! اگر تُو مدد نہ کرے تو ہماری فانی اشیاء کو دیکھنے والی آنکھیں باقی کو دیکھنے والی نہیں بن سکتیں۔ ہماری جسمانی آنکھ عدم سے وجود میں آئی ہے اِس لیے اُس کو صرف معدوم ہی سے مناسبت ہے۔ اور وہ وجودِ مطلق کو بھی معدوم ہی دیکھتی ہے۔ اگر یہ آنکھ حقیقت بین بن جائے تو وہ اِس بظاہر منتظم دنیا کو محشر بنا ہوا دیکھے۔ ناقص،

گفت پیغمبر کہ در بازار ہا	دُو فرشتہ می کند از دل دُعا
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بازار میں برقت	دو فرشتے اپنے دل سے دُعا کرتے ہیں

مکمل کو بھی ناقص ہی سمجھتا ہے۔ دوزخیوں کے لیے جنت کا شہد بھی کڑوا ہوگا۔ جب تک خریدار نہ ہو سوداگر کا ہاتھ سودا دینے کے لیے حرکت نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی اللہ کی جنت کا طالب نہیں ہے تو اللہ اُسے جنت عطا نہیں فرماتا۔ بازار میں تماشائی محض تفریح کے لیے سودوں کے بھاؤ پوچھتا رہتا ہے۔

ایک خریدار کے بازار میں آنے کا قصد کچھ خریداری کرنا ہوتا ہے۔ لیکن تماشائی صرف دل لگی اور مذاق کے لیے بازار میں آتا ہے۔ اُس کے پاس خریدنے کے لیے دمڑی بھی نہیں ہے۔ وہ اشیاء کو صرف تفریح کے لیے چھو رہا ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے تو وہ اور اُس کا سایہ یکساں ہیں۔ یاد رکھو! دنیاوی کاروبار کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن آخرت کے کاروبار کے لیے عشق اور آہ و زاری ضروری ہے۔ جو شخص بغیر سرمائے کے بازار میں نکلتا ہے وہ عمر برباد کرتا ہے۔ اے شخص! اصل خریدار بن پھر اللہ کا ہاتھ تجھے دینے کے لیے حرکت میں آئے گا اور اس کی کان سے تُو لعل و جواہر (آنسو) حاصل کرے گا۔ کوئی سُنے یا نہ سُنے تبلیغ کرنے والے کو اپنا فرض ادا کرنا ہے۔

ایک شخص کا آدھی رات کو سحری کا نقارہ بجانا، پڑوسی کا اُسے کہنا سحری کا وقت نہیں ہے اور اِس گھر میں بھی کوئی موجود نہیں اور بجانے والے کا جواب

ایک شخص نے ایک دروازہ پر آدھی رات کو سحری کا نقارہ بجا دیا۔ کوئی بولا: اِس گھر میں تو کوئی رہتا نہیں ہے۔ نقارہ بجانے والے نے کہا: تُو نے کہہ دیا، اب میری سُن لے۔ تیرے لیے یہ آدھی رات ہے لیکن میرے لیے مستی کی صبح ہے کیونکہ اِس وقت تہجد پڑھ کر مستی پیدا کی جاسکتی ہے۔ جو تیری نظر میں شکست ہے میری نظر میں فتح ہے۔ جسے تُو سیاہ سمجھتا ہے میں اسے نور سمجھتا ہوں۔ یہ رات اور دن کی تبدیلی ایسی ہی ہے جیسے دریائے نیل سبطیوں کے لیے پانی تھا لیکن قبطیوں کے لیے خون تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا موم تھا منکروں کے لیے سخت ترین چیز۔ حضرت داؤد علیہ السلام جس وقت اپنی خوش الحانی سے زبور پڑھتے تھے پہاڑ بھی پڑھنے لگتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کے سنگریزوں نے اُن کی رسالت کی گواہی دی اور تسبیح پڑھی تھی۔ اُسطوانۂ حنانہ عام لوگوں کی نظر میں لکڑی کا ایک ستون تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں رویا۔ تمام جمادات اور نباتات عوام کے اعتبار سے مردہ ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کے اعتبار سے سمجھدار اور زندہ ہیں۔

اِس بات کا جواب کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ یہ ہے کہ خدا کے لیے جو کام کیا جائے، اُس کے لیے جستجو نہیں ہوتی کہ وہاں کوئی انسان ہے یا نہیں۔ خدا کے عاشق حج کرتے جاتے ہیں، کعبہ کا طواف کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں۔ کیا

وے خُدا تو مُمسکاں را دہ تلف	کاے خُدا تو مُنفقاں را دہ خَلف
اور اے خُدا! تُو کنجوسوں کو تباہ کر دے	اے خُدا! تُو خرچ کرنیوالوں کو اچھا انعام دے

کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ گھر تو خالی ہے۔ جس کے دل میں ایمان ہو وہ کعبہ کو بھرا ہوا ہی سمجھتا ہے۔ بہت سے ایسے مکانات ہیں جو انسانوں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن وہ انسان حقیقت میں انسان نہیں ہیں۔ اہلِ دل اُن مکانات کو خالی سمجھتے ہیں۔

انسان جس محبوبِ حقیقی کا طالب ہے اُس کو کعبہ یعنی قلبِ مومن میں تلاش کر لے۔ جن انسانوں کو اللہ نے فخر اور بلندی عطا فرمائی ہے وہ اللہ کے گھر سے خالی نہیں ہیں، ان کا دل اللہ کا گھر ہے۔ عارفِ کامل کا دل ہر وقت فیض رسانی کرتا رہتا ہے۔ اُس گھر کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور سب انسان اُس کے محتاج ہیں۔ حاجی لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ پکارتے ہیں لیکن اُن کو کوئی نہیں کہتا کہ تجھے کون پکار رہا ہے؟ جو توفیق حاجی کو خدا نے دی ہے وہی خدا کی طرف سے پکار ہے، جس کے جواب میں حاجی لَبَّیْكَ کہتا ہے۔ میں اپنے بدن کے تانبے کو اونچے نیچے سُروں سے اُس مکان کے کیمیا پر مل رہا ہوں اور نقارہ اس لیے بجا رہا ہوں کہ رحمت کا سمندر جوش میں آ کر مجھ پر موتی برسانے لگے۔ میں تو معمولی کام کر رہا ہوں۔ لوگ تو جہاد میں اللہ کے نام پر جان سے کھیل جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام نے اللہ کے نام پر کیسی کیسی سختیاں جھیلی ہیں۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ابوذر رضی اللہ عنہ کا زہد اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا دین پر جماؤ اختیار کرتے ہیں۔ جس طرح اُن لوگوں نے اللہ کی راہ میں کام کیے ہیں میں بھی اللہ کے لیے سحر کا نقارہ بجاتا ہوں۔ اگر کوئی شخص اپنا کوئی خریدار چاہتا ہے تو خدا سے بڑا خریدار کون ہوگا۔ اللہ تیرے ناقص اعمال خریدتا ہے اور اُس کے عوض نور عطا کرتا ہے۔ انسان کا فانی جسم خرید کر اُس کے بدلے میں ابدی سلطنت عطا فرماتا ہے۔ انسان جب اُس کے دربار میں روتا ہے تو آنسوؤں کے چند قطروں کے عوض وہ حوضِ کوثر عطا کر دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآن میں صفت "آہ کرنے والا" لکھی ہے۔ اللہ کے بازار میں پہنچ کر اپنا پرانا فروخت کر دے اور اُس کے بدلے میں نئی سلطنت حاصل کر لے۔ اگر تجھے اِس کاروبار میں شک ہے تو انبیاء علیہم السلام کو دیکھ لے اُنہوں نے کس قدر نفع کمایا ہے کہ پہاڑ بھی اُن کی دولت کو نہیں اُٹھا سکتا۔

آقا کے ظلم و ستم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مُنہ سے بلا ارادہ اَحَدٌ اَحَدٌ کہنا جیسے کسی مُصیبت زدہ سے بلا اِرادہ رونا پُھوٹتا ہے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے پُر تھے حضرت اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزرنا اور اُنکو نصیحت کرنا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا اُن کو کانٹوں پر گھسیٹ رہا تھا اور طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا کہ تُو میرے مذہب کا انکار کیوں کرتا ہے۔ وہ رضی اللہ عنہ اپنے جسم کو

قربان کر رہے تھے اور اُن کا اَحد اَحد کہنا آہ و زاری کے طور پر نہ تھا بلکہ اپنے دین پر فخر کے لیے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا تو اُنہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سُنی۔ اُن کو محسوس ہوا کہ وہ مسلمان ہیں اور اُن کو اِس بے دردی سے پیٹا جا رہا ہے تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں کہا کہ اپنے ایمان کو چھپا کر رکھ۔ اللہ تعالیٰ تیرے پوشیدہ ایمان کو جانتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کا وعدہ کر لیا۔ دوسرے دن پھر وہ وہاں سے گزرے تو اُن کو پہلی حالت میں پایا۔ ایمان کے عشق نے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کی شرط کو اور توبہ کو توڑ دیا۔ وہ توبہ کرتے تھے لیکن وہ پھر ٹوٹ جاتی تھی۔ تو وہ توبہ سے بیزار ہو گئے اور اپنے جسم کو ایمان کے سپرد کر کے پھر مصیبتوں میں ڈال دیا اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم میری توبہ کے دُشمن ہو اور چونکہ تمہاری محبت میری رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے وہاں توبہ کی گنجائش کہاں ہے۔

اب میں توبہ سے توبہ کرتا ہوں اور جس ایمان کی بدولت مجھے جنت کی زندگی حاصل ہوئی ہے اُس کے اظہار سے کیسے توبہ کروں۔ اب میں عشق میں مجبور ہو چکا ہوں۔ میں عشق کی تیز ہوا کے سامنے ایک تنکا ہوں۔ معلوم نہیں وہ مجھے کہاں لے جا کر پھینکے گی۔ میں خواہ چاند ہوں یا بلال، اب عشق کے سورج کا پیرو ہوں۔ چاند کو تو سورج کے پیچھے رہنا ہے۔ خواہ اِس میں اُس کا گھٹاؤ ہو یا بڑھاؤ۔ تقدیر کے مقابل کوئی بات طے کرنا اپنی موچھوں کا مذاق اُڑانا ہے۔ قضاءِ خداوندی اور انسان کی مثال تیز آندھی اور گھاس کے تنکے کی ہے۔ بلی کو تھیلے میں بند کر دیں تو وہ بے چین ہو جاتی ہے اور اُچھل کود کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ آزاد ہو جائے۔ عشق، عاشق کو مسلسل چکر میں رکھتا ہے۔ پن چکی کا پاٹ ہمیشہ گھومتا رہتا ہے۔ جس طرح چکی کا پاٹ نہر کے وجود کی علامت ہے اِسی طرح انسان کا تذبذب اور بیقراری قضاءِ خداوندی کی دلیل ہے۔ اگر تجھے قضاء نظر نہیں آتی تو اُس کے آثار کو دیکھ لے۔ اے دل! اگر قضاء کی وجہ سے اتنی عظیم الشان چیزیں بے قرار ہیں تو تیرے جیسی چھوٹی سی چیز کیسے بے قرار نہ ہو گی۔ قضاء کے مقابل تُو جو بھی سہارا ڈھونڈے گا قضاء اُس کو فنا کر دے گی۔

اگر انسان اللہ کے اُس فعل کو نہیں دیکھ سکتا جو وہ عالَم کے اجزاء میں کر رہا ہے تو اُس کے فعل کے اُس اثر کو دیکھ لے جو اجزائے عالَم پر ہے۔ سمندر کے اوپر کے جھاگ اور تنکوں میں جو حرکت ہے سب سمجھتے ہیں کہ سمندر کے جوش کی وجہ سے ہے۔ چاند اور سورج جو آسمان کی چکی کے دو بیلوں کی طرح ہیں اُس کے فرماں بردار ہیں اور حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ ستاروں کے مختلف بُرجوں میں مختلف تاثیرات اُسی کے تصرف کا نتیجہ ہیں۔ اگر تمہاری نگاہ آفاق کی

آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست
کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے

آب اندر زیرِ کشتی پُشتی ست
کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے

علامتوں کو نہیں دیکھ سکتی تو اُس کے تصرفات کو دیکھ جو تمہارے اَنْفُسْ میں ہیں۔ یہ تمہارے حواس رات کو کہاں ہوتے ہیں؟ اور دن میں کہاں ہوتے ہیں؟ اور اُن پر کیا کیا کیفیات طاری ہوتی ہیں اِن سب پر غور کرلو۔ زمانے کے تغیرات کو دیکھو کہ اتنی بڑی کائنات کس طرح تغیر پذیر ہے۔ انسان کا دل کائنات کے مقابلے میں بہت چھوٹی سی چیز ہے تو پھر وہ قدرت کے احکام سے بے قرار کیوں نہ ہوگا۔ جانور اپنے مالک کا پوری طرح مطیع ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو اپنے مولا کا مطیع ہو جانا چاہیے۔

ذَنَب ایک ستارے کا نام ہے جس سے سورج پر گرہن واقع ہو جاتا ہے۔ یہ اُس کی نحوست ہوتی ہے۔ اِسی طرح ذَنْب یعنی گناہ کا قرب بھی انسان کی رُوسیاہی کا سبب بن جاتا ہے۔ انسانی عقل سورج سے بڑی نہیں ہے۔ جب وہ غلط روی کی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے تو انسان کی عقل اگر غلط روی اختیار کرے گی تو رُوسیاہ ہو جائے گی۔ اگر مکمل گناہ ہوں گے تو رُوسیاہی بھی مکمل ہوگی۔ اگر گناہ ادھورے ہوں گے تو رُوسیاہی بھی ادھوری ہوگی۔ قرآن میں ہے کہ ''اور اُن کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہیں ہوگا'' اللہ ہماری ڈھکی چھپی نیکی بدی کو دیکھنے اور سننے والا ہے۔

اب قدرت کی بحث ختم کرتے ہیں کیونکہ عاشقوں میں عشق کے غلبے کی وجہ سے عید کی سی خوشی ہے اور معشوق عاشقوں سے بہت اچھے اخلاق سے پیش آ رہے ہیں۔ عاشقوں کا نصیبہ ناز کر رہا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پھر عشق کے جوش کی وجہ سے توبہ کو توڑنے پر مجبور ہیں۔ اب وہ مَست ہو گئے ہیں اور ہمیشہ اس مَستی کے طالب ہیں۔ اب بلال رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ دونوں یار ہو گئے ہیں اور اُن کے زخم اُن کے لیے پھول بن گئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اگرچہ جسم کو یہ کافر زخمی کر رہا ہے لیکن مجھے میرے محبوب نے مَست کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عروجِ رُوحانی سے نزول فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی۔

حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق عرض کرنا اور اُن کو مُنکروں سے خریدنے کے بارے میں مشورہ کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ بغیر کسی جرم کے سزا کاٹ رہے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شاہی باز تھے اِس لیے چغدوں کو اُن پر غصہ آتا تھا کہ یہ شاہی کلائی اور محلات کا ذکر کر کے ہمیں کیوں پریشان کرتا ہے۔ ہمارے اعلیٰ مساکن کو ویرانہ سمجھتا ہے۔ یہ تیری مکاری دراصل سرداری حاصل کرنے کے لیے ہے۔ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو برہنہ کر کے چاروں ہاتھ پاؤں کو کیلوں سے باندھ کر خاردار لکڑی سے مارتے تھے۔ لیکن وہ

اس سزا سے ذرّہ بھر بھی نہیں گھبراتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کی توبہ سے بھی توبہ کر چکے ہیں۔

سچ ہے عاشق ہو اور پھر اپنے محبوب کے ذکر سے توبہ کرے یہ ناممکن بات ہے۔ عشق کے سامنے توبہ کرنا کمزوری کی علامت ہے۔ توبہ بندے کا فعل ہے اور عشق خدا کی صفت ہے۔ خدا کی صفت کا بندے کی صفت سے کیا مقابلہ۔ اگر غیر خدا سے عشق ہو تو ملمع شدہ انگوٹھی کی طرح ہوتا ہے۔ ملمع اُتر گیا تو عشق بھی غائب ہو جاتا ہے۔ مجازی عشق میں جب معشوق سے خدائی عکس جدا ہو جاتا ہے تو عشق بھی نہیں رہتا۔ مجازی معشوق پر سے اللہ تعالیٰ کے حُسن کا عکس ہٹ جانے سے نہ اُس میں زندگی باقی رہتی ہے نہ حُسن۔ وہ محض مٹی اور پانی رہ جاتا ہے۔ جو عقل مند ہیں وہ اصل پر عاشق ہوتے ہیں کیونکہ وہ باقی رہنے والی چیز ہے اور اُس کے عشق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اے معشوقِ حقیقی! تیری صفات کے حقیقی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور تیری اس صفت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''خلق اور امر اُسی کے لیے ہیں'' عالمِ اَمر مادے سے خالی ہے اور عالمِ خلق جسمانی عالم ہے۔ اصل تو عالمِ اَمر ہے۔ عالمِ خلق تو اُس کا سایہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ سُن کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں اُس کو اُن کافروں سے خرید لوں گا۔ کیونکہ خدا کا قیدی دشمنوں میں پھنسا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عداوت کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قیمت طلب کریں گے۔ اُسے خرید لو اور مجھے بھی اس خریداری میں شریک کر لو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کافر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں۔ اُن سے بلال رضی اللہ عنہ کو آسانی سے اِس طرح خرید لوں گا جس طرح بچے سے موتی خرید لیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اُن کفار سے شیطان دنیا کے بدلے عقل اور ایمان خرید لیتا ہے۔ وہ اُن کافروں کو مُردار دنیا اس قدر پُر رونق کر کے دکھا دیتا ہے کہ اُن سے آخرت کے چمن خرید لیتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو اچھی تجارت کرنی سکھائی لیکن شیطان اپنے اثرات سے میاں بیوی میں نفرت پیدا کر دیتا ہے اور طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح شیطان نے اپنے جادو سے اُن کو اندھا کر دیا اور اُن کفار نے بلال رضی اللہ عنہ کو چند ٹکوں میں بیچ ڈالا۔ گدھے کے سامنے موتی اور کوڑی یکساں ہوتے ہیں۔ چونکہ حیوان، لعل اور موتی کی قیمت نہیں سمجھتے اِسی لیے کانوں میں موتی کے آویزے نہیں پہنتے۔ اللہ نے فرمایا: ہم نے انسان کو اَحْسَنُ التَّقْوِیْم پیدا کیا۔ ایسا اُس کی رُوح کی وجہ سے ہے۔ رُوحِ کامل، عرش سے افضل ہوتی ہے اور انسان اِس دنیا میں اُس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ رُوحِ کامل جس کی حقیقت کا بیان ناممکن ہے اگر میں اُس کی قدر و قیمت بیان کروں تو میں بھی اور تم بھی جل جاؤ

چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام	جہل و غفلت زاید آنرا داں حرام
جب تو دیکھے کہ لقمے سے ہمیشہ حسد اور مکر	جہل اور غفلت پیدا ہوتی ہے تو اُس کو حرام سمجھ

گے اور کچھ حاصل بھی نہیں ہو گا۔ اس لیے اس سلسلے میں خاموشی بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُمیہ کے گھر میں داخل ہو گئے اور کہا کہ تُو اس اللہ کے ولی کو کیوں مارتا ہے اگر انسان اپنے مذہب پر سچا ہو تو دوسرے مذہب والے سچے دل والے کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔ وہ اُس پر ظلم کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اُس کو اُس کے اعتقاد پر مجبور سمجھے گا۔ اگر تُو کسی سچے دین دار پر ظلم کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ تُو اپنے دین کا پکا نہیں ہے۔ چونکہ تیری فطرت کج ہے اس لیے دوسروں کو بھی کج فطرت سمجھتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حیران کُن باتیں کیں جو پُر حکمت تھیں کیونکہ اُن باتوں کا اصل چشمہ حق تعالیٰ تھا۔ کوئی تعجب نہ کر کیونکہ وہ تو پہاڑوں کے پتھروں میں سے بھی چشمے جاری کر دیتا ہے۔ تیری آنکھ کو بھی اللہ نے اپنا نور عطا کرنے کا حجاب بنا رکھا ہے۔ جیسے پتھر چشمے کے لیے حجاب تھا ورنہ آنکھ کے اجزاء میں نور کہاں ہے۔ انسان کا کان بھی قدرت کا ایک پردہ ہے ورنہ اُس کے اجزاء میں سننے کی طاقت کہاں ہے۔

یاد رکھو ہر معاملے میں اصل متصرف اللہ ہی ہے۔ اُمیہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تجھے اُس پر رحم آتا ہے تو خرید لے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاملہ طے ہو جائے تو خدا کا شکر ادا کروں گا۔ میرے پاس سفید رنگ کا ایک حسین غلام ہے لیکن اُس کا دل کفر کی وجہ سے کالا ہے۔ مجھے اُس کے بدلے میں کالے بلال رضی اللہ عنہ کو دے دے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام اس قدر خوب صورت تھا کہ اُمیہ کا دل اُس کو دیکھ کر بے قابو ہو گیا۔ ظاہر پرستوں کی یہی حالت ہے کہ صرف صورت پر قربان ہو جاتے ہیں۔ اُس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عوض غلام کے علاوہ کچھ چاندی بھی طلب کی جو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دے دی۔ درحقیقت اُمیہ نے موتی دے کر پتھر لے لیا۔ وہ سوچتا تھا کہ میں نے نفع کما لیا۔ وہ ہنسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نقصان اُٹھایا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہنسنے اور طنز کی وجہ پوچھی تو وہ اور زیادہ ہنسا اور کہا: اگر آپ کو اس غلام میں اس قدر دلچسپی نہ ہوتی تو میں اُس کے دام زیادہ نہ بڑھاتا۔ میں جو قیمت لے چکا ہوں اُس کے دسویں حصے پر بھی راضی ہو جاتا۔ کیونکہ یہ کالا غلام میرے نزدیک دمڑی کا بھی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تُو پیر نابالغ ہے۔ تُو نے اخروٹ کے بدلے میں موتی دے ڈالا۔ میرے نزدیک اُس کی قیمت ہر دو عالم ہیں کیونکہ میری نظر اُس کے باطن پر ہے۔ اُس کا کالا ہونا رشک کی وجہ سے ہے تاکہ احمق اس کو نہ پہچان سکیں۔ تجھے چونکہ یہ سستا ہاتھ لگا تھا تُو نے سستا بیچ دیا' یہ نہ دیکھا کہ اس ڈبیا میں موتی ہے۔ تُو بھی اس معاملے میں سیاہ رُو بنا ہے پھر بھی خوش ہو رہا ہے۔ جب حقیقت کھلے گی تو تُو بہت افسوس کرے گا۔ تیری خوش قسمتی اس غلام کی

ہیچ گندم کاری و جو بر دہد کبھی ایسا ہوا ہے کہ تُو نے گیہوں بوئے اور جو پیدا ہو گئے	دیدۂ اسپے کہ کرّہ خر دہد تُو نے دیکھا ہے کہ گھوڑی نے گدھے کا بچہ جنا ہو؟

صورت میں تیرے پاس آئی لیکن تُو نے اُس کو نہ پہچانا۔ بُت پرستوں کی یہی سزا ہے کہ اُن کو اس سفید کافر غلام کی صورت میں لکڑی کا گھوڑا ملے جس پر خوبصورت جھول پڑا ہو۔ اسی طرح کافر کی قبر پر خوب نقش ونگار ہوتے ہیں لیکن اندر آگ اور دھواں ہوتا ہے۔ ظالموں کا ظاہر خوبصورت مگر باطن میں مظلوموں کا خون ہوتا ہے۔ منافق کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ وہ بظاہر اسلامی فرائض ادا کرتا ہے لیکن باطن ایمان سے خالی ہوتا ہے، جھوٹے وعدے کی طرح جو ابتداء میں بہت خوش کُن ہوتا ہے اور انتہا میں مایوس کُن۔

خریداری کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر پڑی تو خوشی کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو خوشی سے رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سینے سے لگالیا اور جو فیوض سینے سے لگانے پر اُن کو ملے اُن کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ ایسے جیسے کسی مفلس کا پاؤں اچانک بھرپور خزانے پر آجائے یا کوئی ادھ موئی مچھلی سمندر میں پہنچ جائے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ایسی مؤثر باتیں بتائیں کہ رات کو بتادی جائیں تو وہ دن بن جائے۔

اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت سے بغیر کچھ کہے قلوب پر جو اثر ہوتا ہے وہ محض ذوقی ہے الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ بغیر کلام کے تاثیر کچھ اس طرح ہوتی ہے جیسے سورج کی دھوپ سے پھلوں میں خود بخود شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔ صاف پانی پھولوں میں تازگی پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے تصرفات بغیر کسی آلہ کے ہوتے ہیں لیکن سُرعتِ تاثیر میں جادو گروں کے افسوں سے بھی بڑھ کر۔ اسباب کا وجود اور اُن سے اثرات کا تعلق بھی حکمِ خداوندی کے تابع ہے جو بغیر لب و حرف کے خود بخود صادر ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اِس فعل کو عوام نہیں سمجھتے اِس لیے کہ اُن کی عقل اللہ کی ذات کے معاملے میں انبیاء علیہم السلام کی مُقلِد ہے۔ اس لیے اُن کی تقلید سے کام لینا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اظہارِ ناراضگی کہ میں نے کہا تھا: بلال کی خرید میں میری شراکت کرنا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معذرت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو صرف اپنے روپے سے خریدا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کرنے کے لیے خریدا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آزاد کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ میں کبھی آزادی نہیں چاہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میرے لیے آزادی ہے۔ میں جوانی میں خواب دیکھا کرتا تھا کہ سورج مجھے سلام کرتا ہے اور اُس نے مجھے زمین سے آسمان پر کھینچ لیا

لقمہ تخمست و برش اندیشہا
لقمہ بیج ہے اور اُس کا پھل خیالات ہیں

لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا
لقمہ سمندر ہے اور اُس کے موتی خیالات ہیں

ہے اور میں بلندی پر اُس کے ساتھ ہوں۔ اُس وقت میں سمجھتا تھا کہ یہ دماغ کا خلل ہے لیکن جب آپ ﷺ کا شرف صحبت حاصل ہوا تو مجھ پر اپنی حقیقت کھلی اور آپ ﷺ کی ذات نے میرے لیے آئینے کا کام کیا اور وہ بات جسے میں محال سمجھتا تھا اُس سے دوچار ہو گیا۔ آپ ﷺ کے دیدار کے بعد مجھ پر معاملہ کھلا کہ سورج تو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور یہ دنیا کا سورج آپ ﷺ کے سامنے ہیچ ہے بلکہ اِس دنیا کی ہر چیز آپ ﷺ کے سامنے بے حقیقت ہے۔ میری تمنا تھی کہ میں نور دیکھوں۔ لیکن جب آپ ﷺ کا دیدار ہوا تو نورالنور کو دیکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن کی شہرت پر اُن کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ آپ ﷺ کے دیدار سے یوسفستان کا دیدار حاصل ہو گیا، بہت سی جنتوں کا دیدار حاصل ہوا۔ میں الفاظ میں آپ ﷺ کی تعریف کر رہا ہوں لیکن میری یہ تعریف آپ ﷺ کے فضائل کے مقابلے میں ناقص ہے۔ یہ تعریف اسی طرح کی ہے جیسی چرواہا اللہ تعالیٰ کی کر رہا تھا۔ اُس نے اللہ کے عشق میں کہا تھا کہ تمہاری جوئیں نکالوں گا۔ تجھے دودھ پلاؤں گا، تیرے چپل سی دوں گا۔ اُس کی یہ تعریف اللہ کی شان کے لائق نہیں تھی لیکن اللہ نے اُسے قبول فرما لیا۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی میری ناقص تعریف کو قبول فرمالیں تو آپ ﷺ کے کرم سے دُور نہیں ہے کیونکہ ہماری ناقص عقلیں آپ ﷺ کے کمالات اور اَوصاف تک نہیں پہنچ سکتیں۔ عالمِ ملکوت سے ہر گمراہ کے لیے رہنمائی کا سامان ہوتا رہتا ہے۔ اس عالم میں بہت سے عجائبات ہیں۔ انسانوں کی رہنمائی کے لیے وحی کا نزول بھی وہیں سے ہوتا ہے۔ اب جب آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اُس عالم سے یہاں آ گئی ہے تو قوم کے لیے بشارت ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی ''آہ'' تمام گمراہیوں کو ختم کر دے گی۔ حضور ﷺ کی آمد سب کے لیے اچھی بشارت ہے خصوصاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لیے۔

حضور ﷺ نے بلال کو اذان دینے کی فرمائش کی۔ ہمارے بشیر ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے قید خانے اور گندگی سے نکل جائیں۔ حضور ﷺ چپ کیسے رہ سکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کے جسم کا ہر رونگٹا دعوت کا اعلان کر رہا ہے۔ باوجود اِس اعلان کے دشمن اِس قدر بہرا بنا ہوا ہے کہ اِس قدر ڈھول پٹ رہے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ آواز کہاں ہے؟ نبی ﷺ اُس کے چہرے پر پھول مار رہے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ مجھے کس چیز سے تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اُس کی مثال ایسے ہی ہے کہ حور کسی اندھے کا ہاتھ پکڑ کر کھینچے اور اندھا حیران ہو کر کہے کہ وہ کیوں ستا رہی ہے۔ اُس اندھے کو یہ معلوم نہیں کہ جس حور کے وہ خواب دیکھتا رہا ہے وہ یہی ہے۔ احکام کا مکلف بنانا اگرچہ نفس کو ناگوار ہے۔ تکالیف کا آنا بھی محبوبیت کی دلیل ہے کیونکہ آزمائش ہمیشہ محبوبوں ہی کی ہوتی ہے۔

زاید از لقمہ حلال اندر دہاں
مُنہ میں حلال لقمے سے پیدا ہوتی ہے

میل خدمت عزم رفتن آں جہاں
عبادت کی رغبت اور آخرت سے تعلق

حضرتِ ہلال رضی اللہ عنہ کا قِصّہ جو خُدا کے مخلص بندے تھے اور عجز کی وجہ سے غلامی کے پردے میں چھپے ہُوئے تھے اُن کا مالک مُسلمان لیکن عقل کا اندھا تھا

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بن حارث، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پہلے کسی سردار کے غلام تھے جو آپ رضی اللہ عنہ کی قدر نہ جانتا تھا۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو غلامی میں چھپائے ہوئے تھے۔ اندھا اتنا تو جانتا ہے کہ اُس کی ماں ہے لیکن یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ کیسی ہے؟ اگر وہ جاننے پر ہی ماں کی تعظیم کرے تو ممکن ہے نجات پا جائے۔ کیونکہ جب اللہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کے دل کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ دل کی زندگی کا راستہ حاصل کر کیونکہ جسم کی زندگی تو صرف حیوانی صفت ہے۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مجاہدوں میں بڑھے ہوئے تھے۔ اے انسان! اُن کی حالت تیری طرح نہیں تھی کہ تُو ہر دم پستی کی طرف جانے کی کوشش میں ہے۔ انسان کا اپنے رُتبہ سے پیچھے ہٹنے پر قِصّہ سُن لو۔

ایک صاحب کے یہاں کوئی مہمان پہنچا۔ اُن صاحب نے اُن کی عمر دریافت کی۔ وہ بولا اٹھارہ، سترہ یا سولہ یا دس۔ میزبان بولا: میاں اس سے تو بہتر ہے کہ کہہ دے کہ میں ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ کسی شخص نے ایک گھوڑا، سواری کے لیے مانگا۔ گھوڑے کے مالک نے کہا: یہ گھوڑا لے لے۔ وہ بولا یہ گھوڑا نہیں چاہیے۔ مالک نے پوچھا کیوں نہیں چاہیے؟ وہ بولا: یہ گھوڑا آگے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف چلتا ہے۔ مالک نے کہا: تو پھر اُس کی دُم اپنی منزل کی طرف کردو۔ یہ پیچھے کی طرف چلے گا تو تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ اے دوست! تیرا نفس بھی اُس گھوڑے کی طرح ہے۔ یہ ضدی گھوڑا ہے۔ اِس کی شہوت کا رُخ دنیا کی طرف ہے۔ اِس کا رُخ موڑ کر عُقبیٰ کی طرف کردے۔ یہ منزل پر پہنچ جائے گا۔ جب تُو شہوت کا رُخ دنیاوی لذتوں کی طرف سے موڑ دے گا تو پھر وہ شہوت عقل کے راستے سے اُبھرے گی۔ درخت کی جب ایک شاخ کاٹ دی جاتی ہے تو اُس کی قوت دوسری شاخوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ جب تُو اپنے نفس کی دُم عالمِ آخرت کی طرف کردے گا تو خود بخود محفوظ مقام پر پہنچ جائے گا۔

وہ لوگ مبارک باد کے مستحق ہیں جن کے نفوس مراتب طے کرتے جا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے سلسلے میں فرمایا تھا: جب تک دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر نہ پہنچ جائیں گے میں چلنے سے باز نہیں آؤں گا۔ اِس طرح سالہا سال چلتا رہوں گا۔ اُن کے جسم کی سیر کا یہ عالم تھا تو رُوح کی سیر تو کسی اعلیٰ ترین مقام تک ہوگی۔ شہسواروں نے اپنے گھوڑے دوڑا دیئے جبکہ احمق معمولی جگہوں پر ڈیرے ڈالے پڑے رہے۔ ایک قافلہ ایک

زاید از لُقمہ حلال اے مہ حضور | دَر دلِ پاک تو و دَر دیدہ نُور
اے سردار! حلال لُقمہ سے حضُوری پیدا ہوتی ہے | تیرے پاک دل اور آنکھوں میں نُور پیدا ہوتا ہے

گاؤں میں آیا۔ ایک دروازہ کھلا دیکھا کسی نے کہا کہ سردی بہت زیادہ ہے کچھ دن یہیں سامان ڈال دیں۔ گاؤں کے اندر سے آواز آئی کہ سامان مکان کے باہر ڈال کر اندر آرام کی جگہ آسکتے ہو۔ ظاہر ہے جن لوگوں کو مال سے محبت ہوگی وہ اُسے چھوڑ کر آرام کی جگہ میں نہیں جاسکیں گے۔ یاد رکھو! مقامِ قرب بھی ایک بلند مجلس ہے۔ اُس میں بھی سامان باہر پھینک کر پہنچا جاسکتا ہے۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ دل کے اُستاد تھے اور رُوح روشن رکھتے تھے۔ وہ سردار کے اصطبل میں سائیس تھے لیکن در حقیقت بادشاہ تھے۔ اُنہوں نے اپنے نفس کی اصلاح کی ہوئی تھی اس لیے اُن کا رتبہ بہت سے انسانوں سے بڑھا ہوا تھا۔ جس طرح شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم ہی کو دیکھا اسی طرح سردار کی نگاہ بھی اُن کے جسم تک ہی گئی۔ وہ اُن کے ظاہری حواسوں کو دیکھتا تھا لیکن اُن کی اصل یعنی رُوح کو نہیں دیکھتا تھا۔ دین کا نور تو انسان کے اندر چُھپا ہوا ہے اسی لیے ظاہر بینوں نے نبیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا اور باطن پر نظر نہ کی۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے انسانوں کی تین قسمیں ہیں مثلاً ایک بلند مینارہ پر شہباز ہے یعنی ایک پرندہ ہے۔ اُس پرندے کے منہ میں ایک بال ہے جو اُس پرندے کے لیے مدارِ حیات ہے۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں جن کی نظر صرف منارے پر پڑتی ہے۔ کچھ منارے کے ساتھ پرندے کو بھی دیکھتے ہیں اور کچھ منارے، پرندے کے علاوہ بال کو بھی دیکھتے ہیں۔

انسان کا جسم ایک منارہ کی طرح ہے۔ علم اور عبادت پرندے کی طرح اور نورِ باطن بال کی طرح ہے جو پرندے کے منہ میں ہے۔ ادنیٰ انسان صرف جسم کی طرف توجہ دیتا ہے، اوسط، جسم اور علم و عبادت کی طرف بھی دھیان دیتا ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کی نظر نورِ باطن پر ہے۔ اُس کا علم و عمل عارضی نہیں ہوتا بلکہ مِن جانب اللہ پکا ہوتا ہے۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کا بیمار ہونا، اُن کے آقا کا لاعلم رہنا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کی مزاج پُرسی کے لیے آنا

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوحانی کمال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر تشریف لا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی سردار کو اطلاع ہوئی تو وہ خوشی سے بے قابو ہو گیا۔ وہ بالاخانے سے نیچے اُتر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کی اور سلام کیا۔ کہنے لگا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تشریف لے چلیں تا کہ وہ کہہ سکے کہ میں نے آج اُس ذات کو دیکھا ہے جس پر مدارِ کائنات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تیرے گھر کے لیے یا تجھے ملنے نہیں آیا ہوں۔ اُس نے کہا پھر وہ خوش نصیب کون ہے تا کہ میں

کمتریں کارش ہر روز ست آں
اللہ کا معمولی کام بھی ہر روز یہ ہوتا ہے

کو سہ لشکر را کند ایں سو رواں
کہ وہ تین لشکر اِس طرف روانہ کرتا ہے

اُس کے پیروں کی خاک بن جاؤں جس پر آپ ﷺ کی اتنی مہربانی ہے۔ جب اُس نے اپنی نخوت کو دُور کیا تو حضور ﷺ نے اپنی اُس سے ناراضگی ترک فرمادی اور فرمایا: وہ اپنی رُوحانی بلندی کی وجہ سے عرش کے چاند ہیں اور عاجزی کی وجہ سے فرش ہیں۔ یہ نہ کہہ کہ وہ تیرا غلام ہے وہ تو ایک خزانہ ہے۔ سردار نے کہا کہ اُس کی بیماری کا مجھے علم نہیں ہے، ہاں چند دن سے اصطبل کے اندر ہی ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سردار کے اصطبل کے اندر جانا اور ہلال رضی اللہ عنہ کو نوازنا

حضور ﷺ، ہلال رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے اصطبل میں گئے۔ وہاں اندھیرا اور گندگی تھی لیکن آپ کے انوار سب پر غالب آ گئے۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خوشبو کو اس طرح محسوس کرلیا جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ ایمان لانے کے لیے معجزے مؤثرِ قریب نہیں ہیں بلکہ ایمان لانے والا اگر نبی کا ہم جنس ہے تو وہ نبی کی صفات کو جذب کر لیتا ہے۔ اس لیے ایمان کا صحیح سبب ہم جنسیت کی بُو ہے۔ نبی کے معجزوں سے تو صرف دشمن عاجز آتا ہے لیکن اُس کا ایمان لانا لازمی نہیں، اُس کے دل میں مغلوب ہو کر دوستی تو پیدا نہیں ہوتی۔

حضور ﷺ کی خوشبو پا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ جاگ گئے۔ اُن کو اصطبل میں بندھے جانوروں کے پاؤں میں سے حضور ﷺ کے دامن کی جھلک نظر آئی تو کھسکتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور قدم بوسی کے لیے پاؤں پر منہ رکھ دیا۔ حضور ﷺ نے اُن کے منہ کے پاس سے اپنا پاؤں ہٹا کر محبت میں اپنا منہ اُن کے منہ پر رکھ دیا اور اُن کے سر وچشم کا بوسہ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تُو عرشی ہے اور اس دنیا میں مسافر ہے، تیری طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس وقت ایسا خوش ہوں جیسا کہ وہ شخص جس کی نیندرات میں اُچٹ گئی ہو اور وہ سورج کے طلوع کا منتظر ہو اور اچانک اُس کے منہ پر دھوپ پھیل جائے یا وہ پیاسا کہ پیاس کی شدت سے کیچڑ چوس رہا ہو کہ اچانک پانی کا سیلاب آجائے کہ وہ اُس میں تیرنے لگے۔

اس کا بیان کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے اور فرمایا: اگر اُن کا یقین بڑھ جاتا تو یقیناً ہوا پر چلتے

حضور ﷺ نے سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اُن کا یقین بڑھ جاتا تو وہ ہوا پر چلتے۔ جیسا کہ میں معراج کی رات اُس پر سوار ہوا۔ یہ حدیث احیاء العلوم کی شرح زبیدی میں منقول ہے۔ محدث عراقی نے

بہر آں تا در رحم روید نبات	لشکرے زِ اصلاب سوئے اُمہات
تاکہ وہ رحم میں اُگے	ایک لشکر (باپوں کی) پُشت سے ماؤں کی جانب

فرمایا ہے کہ اصل حدیث یوں ہے کہ حواریین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ پانی پر کس طرح چلتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ایمان اور یقین کے ذریعے۔ انہوں نے عرض کیا: ایمان اور یقین تو ہمیں بھی حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر تم بھی پانی پر چلو۔ جب وہ چلنے تو ڈوبنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا جب موج آئی تو ہم ڈرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم موج سے ڈرے موج کے ربّ سے کیوں نہ ڈرے، پھر اُن کو پانی میں سے نکالا۔ یقین سے یہاں توکل علی اللہ کا مرتبہ مراد ہے۔ ایمانی کیفیت مراد نہیں۔

حوادثِ یومیہ میں اگر انسان ایک پہلو پر ایسا یقین جما لیتا ہے کہ دوسرے پہلو کا احتمال بھی اُس کے ذہن میں نہ ہو تو عادت اللہ یہ ہے کہ اُس کے یقین کے مطابق وقوع عمل میں آ جاتا ہے لیکن یہ چیز نہ کمالِ نبوت سے متعلق ہے، نہ کمالِ ولائت سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج، بُراق پر سوار تھے اور بُراق ہوا پر سوار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملائکہ اور حق تعالیٰ کی صحبت میسر آئی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں تو پہلے ایک کتے کی طرح تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی وجہ سے اپنے آپ کو شیر دیکھ رہا ہوں۔ میں عارضِ بشریہ میں تھا لیکن اب حیات گاہ میں پہنچ گیا ہوں۔ مادی اَوصاف سے پاک ہو چکا ہوں۔ میں راہِ سلوک کی ابتدائی حالت میں تھا۔ اُس حالت میں مقصودِ حقیقی کی طلب مناسب نہیں لیکن مقصود تک پہنچنے پر ہی تو بشری صفات کی نفی ہوگی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی ناپاک کو کہے کہ بغیر پاکی کے حوض سے پانی لینے کے لیے نہ جا۔ اگر میں حوض تک نہ جاؤں گا تو پاک ہونے کے لیے پانی کہاں سے لاؤں گا؟ اس لیے کہ حوض کے باہر تو خاک ہے پانی نہیں ہے اور پاکی کے لیے پانی ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُو اَوصافِ بشری کو مقصود بالذات نہ بنا۔ نجاست تو اُن اَوصاف کو مقصود بنانا ہے۔ پانی یہی ہے اور اُس کا یہ کرم ہے کہ وہ ناپاکوں کو قبول کر لیتا ہے اور پاک کر دیتا ہے۔ (نگاہِ نبی بھی پانی ہی ہے) سورج کے لیے اُس کا نور پردہ ہے جس کی وجہ سے رات اور چمگادڑ نور سے محروم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے کچھ تو وہ لوگ محروم ہیں جو صلاحیت ہونے کے باوجود اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور کچھ وہ ہیں جو صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ چمگادڑ میں صلاحیت تو ہے لیکن توجہ نہیں کرتی۔ رات میں نور کو دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ شیخ اور مرید میں اتحاد ہو جائے تو وہ گھٹاؤ، دوئی اور فساد سے دُور ہیں۔ مرید میں کمی ہوتی ہے، صحبتِ شیخ اور ریاضت سے آہستہ آہستہ پوری ہوتی جاتی ہے اور وہ مکمل ہو جاتا ہے۔ سلوک کی راہ میں جلد بازی مناسب نہیں۔ اُس بالا خانے پر سیڑھی کے درجات طے کر کے ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ ضیح

لشکرے زِ اَرحام سُوئے خاکداں
ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے دُنیا کی طرف

تا ز نر و مادہ پُر گردد جہاں
تاکہ دُنیا نر اور مادہ سے بھری رہے

دیگ دھیمی آنچ پر ہی تیار ہوتی ہے۔ آہستہ روی اللہ کی صفت ہے اسی لیے اُس نے قدرت ہونے کے باوجود آسمان کو چھ روز میں پیدا فرمایا۔

قرآن میں ہے کہ "اللہ نے زمین و آسمان چھ دن میں پیدا کیے"۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ "اللہ کے یہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہے"۔ اللہ بچہ بھی فوراً پیدا کر سکتا ہے لیکن سُنّتِ الٰہی ہے کہ نو ماہ میں ہی پیدا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی چالیس دن میں ہوئی۔ سالک کو یہ نہیں چاہیے کہ جلد بازی کرے اور قبل از وقت شیخ بن بیٹھے۔ مجاہدات کرنے سے قبل شیخ بن جانا ایسا ہی ہے جیسے کدو کی بیل دوسروں کے سہارے چڑھتی ہے اور جلد مرجاتی ہے۔ دوسروں کے سہارے کی ہوئی ترقی پائیدار نہیں ہوتی۔ اُس کا رنگ جلدی اُتر جاتا ہے۔ ایک مثال سُن لے۔

بوڑھیا، جو اپنے بھدے چہرے پر پوڈر ملتی تھی اور وہ بھلا معلوم نہیں ہوتا تھا

ایک نوے سالہ بوڑھی تھی جس کا چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ کوئی شوہر کرے۔ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے بال سفید تھے۔ دانت ٹوٹ چکے تھے۔ قد کبڑا ہو گیا تھا۔ شوہر تو چاہتی تھی لیکن اس کی حالت [illegible]، کوئی اُس سے نکاح کرنے پر راضی نہ تھا۔ اُس بڑھیا کی مثال اس شخص کی سی تھی جسے میدانِ جنگ میں جا[illegible] لیکن نہ اُس کے پاؤں ہوں نہ اُس کے پاس گھوڑا ہو۔ یا کسی کو باجا بجانے کا شوق ہو لیکن اُس کے ہونٹ نہ [illegible] سری ہو۔ ایسی بے موقع حرص خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ بڑھاپے میں کتے کے بھی بال جھڑ جاتے ہیں لیکن انسان کی حرص کا یہ حال ہے کہ اطلس زیبِ تن کرتا ہے۔ جو عمر گناہوں میں بسر ہو وہ دوزخ کا سرمایہ ہے۔ ایسے بدبخت کو جب درازی عمر کی دُعا ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مزید عذاب کی دُعا ہے۔ اگر اُسے آخرت کا کچھ خیال ہوتا تو اُسے بددعا سمجھتا اور دُعا دینے والے سے کہتا کہ درازِ عمر تجھے نصیب ہو۔

ایک فقیر کی ایک گیلانی کو دُعا: اللہ تجھے سلامتی سے گھر بار کو واپس پہنچا دے

ایک گیلانی سردار جو اپنے وطن سے بیزار تھا اُسے ایک فقیر نے روٹی دینے کے بدلے میں دُعا دی کہ خدا تجھے سلامتی سے وطن واپس پہنچا دے۔ جس طرح اُس فقیر کی دُعا کو سردار نے اچھا نہ سمجھا اس طرح بزرگوں کی بات کو پست فطرت لوگ پست معنیٰ میں لے لیتے ہیں۔ نتیجہ میں وہ بزرگ اُن سامعین کے لیے پست کلام بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک مقرر کو ہمیشہ اپنے سامعین کی عقول کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ درزی کپڑے سلوانے والے پست قد کے مطابق کپڑے سیتا ہے۔

لشکرے از خاکداں سوئے اجل — تا بہ بیند ہر کسے حسنِ عمل
ایک لشکر دُنیا سے موت کی جانب — تاکہ ہر شخص اپنے اچھے عمل کو دیکھے

اُس بُوڑھیا کا بیان

بوڑھیا کی طرح جب یہ حال ہو کہ اُس کا سرمایہ حیات ختم ہو جائے اور اُس نے کوئی نیک عمل بھی نہ کیا ہو جس سے اُس کا مرتبہ بلند ہو وہ نہ خوشی دے سکتا ہے نہ قبول کر سکتا ہے۔ نہ کوئی کمال ہے نہ ناز ہے نہ نیاز ہے۔ تو وہ نہ یہ نہ پیاز کی طرح بدبودار ہے۔ اُس نے نہ راہِ سلوک اختیار کیا اور نہ ہی سوز و آہ سے واقف ہوا۔

ایک فقیر کا قصہ کہ ایک گھرانے سے جب بھی کچھ مانگتا جواب میں وہ کہتے: "نہیں ہے"

پہلے قصہ میں بوڑھے حریص میں کوئی چیز بھی نہ تھی۔ اِس قصے میں سائل نے گھر والے سے سوال کیا اور روٹی مانگی۔ گھر والا بولا: یہاں کہاں، یہ کوئی نانبائی کی دُکان ہے؟ وہ بولا: ایک بوٹی ہی دے دو۔ جواب ملا: یہ کوئی قصائی کی دُکان ہے۔ وہ بولا: آٹے کی ایک مٹھی دے دو۔ اُنہوں نے کہا: یہ کوئی چکی ہے؟ اُس نے کسی برتن میں پینے کو پانی مانگا۔ وہ بولے: یہاں کوئی نہر ہے؟ غرض جو کچھ بھی اُس نے مانگا مالک مکان نے نفی کر دی۔ فقیر جھٹ سے گھر میں کودا اور بولا کہ پھر تو یہاں پاخانہ کر دینا چاہیے، اگر تمہارا یہ گھر ہر کمال سے خالی ہے۔

تُو باز بھی نہیں کہ شاہ کے ہاتھ پر بیٹھے۔ حُسنِ ظاہری بھی نہیں ہے۔ تُو وہ طوطی بھی نہیں کہ میٹھا کھلانے سے بولے اور لوگ تیری میٹھی گفتگو سنیں۔ بُلبل بھی نہیں ہے کہ عاشق کی طرح چمن میں ہجر کا نوحہ کرے۔ ہُدہُد بھی نہیں کہ پیام بَری کرے۔ پرندوں کی طرح موسموں کے لحاظ سے وطن بدل لے۔ تو پھر تُو کس کام کا ہے کہ تجھے کوئی خریدے۔ جب تجھ میں کوئی کمال نہیں ہے تو اپنی بناوٹی باتوں کو چھوڑ اور اللہ کی طرف رجوع کر کیونکہ وہاں مقبولیت کے لیے کمال کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں تو تیرا صرف رجوع کرنا ہی مقبولیت کے لیے کافی ہے۔ وہ ذات کھوٹے کو بھی خرید لیتی ہے کیونکہ اُس کا منشا منافع کمانا نہیں ہے۔ وہاں نفع اور معاملہ صرف اِس بات پر ہے کہ وہ کریم ہے۔

بُڑھیا کے قِصّے کی طرف رجُوع

بُوڑھیا کے پڑوس میں ایک شادی تھی۔ اُس کو بھی دعوت تھی۔ تیاری میں لگ گئی۔ ابرو کو تارکول سے سیاہ کیا۔ منہ رُخسار اور ٹھوڑی کو سجانے کے لیے آئینے کے سامنے بیٹھ گئی۔ منہ پر بہت سا پوڈر ملا اور قرآن کو خوبصورت بنانے والے عُشر کے نشانات کو پھاڑ کر چہرے پر سجانے کے لیے چپکاتی تھی کہ سلوٹیں چُھپ جائیں۔ چادر اوڑھتی تو عُشر گر جاتے۔ جب پوری کوشش کے باوجود عُشر چہرے پر نہ جمے تو شیطان کو بُرا بھلا کہنے لگی۔ شیطان مُجسّم ہو کر اُس کے سامنے آ گیا اور بولا: اے خبیث

در شریعت ہم عطا ہم زجر ہست
شرع نے جزا اور سزا کا حکم دیا ہے دونوں ٹھیک ہیں

شاہ را صدر و فرس را در گہ است
شاہ کے لیے صدر نشینی اور گھوڑے کے لیے اصطبل

بُڑھیا! چپ رہ اپنی بدنمائی کو چھپانے کے لیے تُو نے قرآن تک کو معاف نہیں کیا کہ تیرا چہرہ سیب کی طرح رنگین ہو جائے۔

اے بناوٹی زاہد! تُو کب تک بزرگوں کے اقوال چُرا کر لوگوں کی واہ واہ حاصل کرے گا۔ تیرا یہ فرضی رنگ حقیقی نہیں ہے۔ جب موت کی چادر اوڑھے گا یہ نام و نمود کے چپکائے ہوئے عُشر جھڑ جائیں گے۔ چل چلاؤ کے وقت تیری بناوٹی نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ قیل و قال کا جادو دم توڑ دے گا۔ خاموشی کا عالم ہوگا، پھر اُس شخص پر افسوس ہے جو محبت میں نہ رویا ہوگا۔

اللہ سے صحبت کا طریقہ یہ ہے کہ مجاہدوں سے دل کو مانجھ لو۔ پھر اُس میں اَسرار پیدا ہوں گے اور تیرا دل تیرے لیے دفتر اور کتاب کا کام کرے گا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے سایہ سے زلیخا جوان ہو سکتی ہے تو جب تیرے سینے میں انوارِ الٰہی پیدا ہوں گے جو اَب مثل اُس بُڑھیا کے ہے تو تُو بھی جوان بن جائے گا۔ جس طرح سردی سورج کے اثر سے گرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے اِسی طرح تیرے اندر بھی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ حضرت مریم علیہا السلام کی تاثیر سے خشک کھجور پھل دینے لگی تھی۔ اِسی طرح اللہ کی رحمت تجھ میں بھی نئی زندگی پیدا فرما دے گی۔

وہ بیمار، جس میں طبیب نے صحت کی اُمید نہ دیکھی

ایک بیمار طبیب کے پاس پہنچا اور بولا: میری نبض دیکھ لے تا کہ تمہیں میرے دل کی حالت سے آگاہی ہو جائے کیونکہ ہاتھ کی رگ دل سے ملی ہوئی ہے۔ نبض دیکھنے سے دل کی حالت معلوم ہو سکتی ہے۔ جو چیز مخفی ہو اُس سے متصل چیز سے اُس کی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ ہوا دکھائی نہیں دیتی، غبار اور پتے اُس سے متصل ہیں تو ہوا کے ہونے اور رُخ کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ دل کے عشق کا حال آنکھیں بتا دیتی ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ بھی مخفی ہے اُس کی صفات کا حال رسول اور اُس کے معجزوں سے معلوم ہو جاتا ہے۔ رسول اور اولیاء رحمہم اللہ کے معجزے اور کرامات دل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چونکہ اُن کے باطن میں قیامت چھپی ہوئی ہوتی ہے اور قیامت مُردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ اس لیے اُن کا باطن مردہ قلوب کو زندگی بخش دیتا ہے۔ اس اثر سے اُن کا ہمسایہ جسم مست ہو جاتا ہے۔ اُن کا ہم نشین اللہ کا ہم نشین بن جاتا ہے۔ یعنی اُن میں اللہ کی ہم نشینی کا اثر جو تعلق مع اللہ ہے، پیدا ہو جاتا ہے۔

معجزے کی تاثیر دل پر خاص مواد کی تاثیر کے واسطے سے پڑتی ہے۔ معجزے کا اثر عصا پر پڑا اور وہاں وہ اژدھا بن گیا۔ سمندر پر پڑا وہ خشک ہو گیا یا شق القمر کی تاثیر نے دلوں پر اثر کیا جس سے معجزے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے یعنی دل

ظُلم چہ بُوَد وضع در ناموقعش	عَدل چہ بُوَد وضع اندر موضعش
اور ظلم کیا ہے؟ چیز کا نامناسب استعمال کرنا	عدل کیا ہے؟ کسی چیز کا ٹھیک جگہ پر رکھنا

میں اور حضرتِ حق میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ معجزوں کا اصل مقصد رُوح کے مواد کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ بے جان چیزوں پر معجزوں کے اثرات عارضی ہوتے ہیں لیکن اُن کا مقصد دل کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ تو اگر جان کے واسطے کے بغیر یہ چیز حاصل ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آٹا گوندھے اور روٹی پکائے بغیر پیٹ بھر جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کو بغیر مادی واسطوں کے نعمتیں حاصل ہوئیں لیکن دراصل اُس تاثیر کے لیے طلب ہونا ضروری ہے۔ معجزے کو دریا سمجھ اور خشکی کو پرندہ جو دریا میں نہیں جی سکتا ہے اور رُوح آبی پرندے کی طرح ہے کہ دریا میں ہر طرح محفوظ رہتا ہے۔

معجزے کا اثر ناقص پر اس طرح ہوتا ہے کہ اُسے عاجز کر دیتا ہے۔ نامحرم معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن کامل کو قوت اور عمل کی قدرت عطا کر دیتا ہے۔ نامحرم اور ہمدم کے علاوہ انسانوں کی ایک اور قسم بھی ہے جو بَین بَین ہے۔ اُس کے لیے مناسب ہے کہ وہ ظاہری امور پر استدلال کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اثرات حواس پر ظاہر ہو جاتے ہیں جو مؤثر کی خبر دیتے ہیں، کیفیات اسی چیز کا نام ہے۔ دوا کا اثر اور جادو کا اثر دونوں نظروں سے مخفی ہیں لیکن اُن کے اثرات دیکھ کر اُن کا احساس کیا جا سکتا ہے۔ جب ہر مخفی چیز اپنے اثرات سے پہچان لی جاتی ہے تو خدا کے آثار سے اُسے کیوں نہیں پہچانا جا سکتا۔ دنیا میں جس قدر اسباب اور اُن کے اثرات ہیں سب اللہ تعالیٰ کے آثار ہیں۔ دنیا کی اشیاء سے اُن کے آثار کی بنیاد پر محبت ہوتی ہے۔ تو پھر اُن آثار کے پیدا کرنے والے سے محبت کیوں نہیں ہے۔ اگر کسی کے بارے میں اچھا خیال قائم ہو جاتا ہے تو خواہ وہ غیر واقعی ہو اُس سے محبت ہو جاتی ہے۔ تو اللہ جو کہ شاہِ شرق و غرب ہے اُس سے دوستی کیوں نہیں ہے۔

اُس بیمار کے قصے کی طرف واپسی

طبیب نے مریض کی نبض دیکھی اور جان گیا کہ تندرستی ناممکن ہے۔ اُس نے مریض سے کہا کہ اب صبر اور پرہیز نہ کرو۔ اس سے طبیعت اور کمزور ہو جائے گی۔ مرض کا غلبہ ہو جائے گا۔ قرآن نے ایسے ہی رُوحانی مریضوں کے لیے کہا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ "تم جو چاہو کرو"۔ مریض نے طبیب کا یہ قول سُن کر اُسے رخصت کیا اور خود دریا کی سیر کو چل دیا جو اُس کی دلی خواہش تھی۔ اُس نے اِس خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اُسے باطنی طہارت تو حاصل تھی اب ظاہری طہارت (وضو) کرنے لگا تا کہ دو طہارتیں حاصل ہو جائیں۔ دریا کنارے اُس نے ایک صوفی کو بیٹھے دیکھا۔ مریض کی طبیعت میں آئی کہ اِس صوفی کی گدی کو ایک طمانچہ لگاؤں۔ اُس نے اُس کی گدی پر طمانچہ مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تو

ظلم چہ بُوَد؟ آب دادن خار را	عدل چہ بُوَد؟ آب دہ اشجار را
اور ظلم کیا ہے؟ کانٹوں کی آبپاشی کرنا	عدل کیا ہے؟ درختوں کو پانی دینا

دل میں سوچا کہ اگر اپنی یہ خواہش پوری نہیں کروں گا تو طبیب کے کہنے کے مطابق بیماری میں اضافہ ہوگا اور یہ ہلاکت ہے اور قرآن میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس پر اُس نے زوردار طمانچہ صوفی کو مار دیا۔ اُس سے تڑاق کی آواز پیدا ہوئی۔ صوفی بولا: اے دیوث! یہ کیا کرتا ہے؟ صوفی نے چاہا کہ اُسے دو چار مکے مار دے لیکن اُس کو تھکا ہوا اور بیمار دیکھا اور سوچا کہ اگر میں نے اُسے مارا تو یہ مر جائے گا۔

جس طرح طبیب کی بات سے غلط فہمی میں اُس بدنی مریض نے صوفی کے طمانچہ مارا اسی طرح عوام میں سے رُوحانی مریض شیطان کے ورغلانے سے مخلوقِ خدا کو ستانے پر آمادہ رہتے ہیں۔ وہی شیطان جو تیرا اغوا کرتا ہے، تیرا مذاق اُڑاتا ہے۔ اُسی نے تیرے باوا آدم علیہ السلام کا بھی اغوا کیا تھا۔ اُس شیطان کے لیے وہی طمانچہ سزا بنا، اس لیے کہ اُس نے توبہ نہ کی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا سے اپنے لیے خطا کا جواز پیدا نہ کر۔ تجھ میں اُن جیسی خوبیاں کہاں ہیں۔ حضرت حق اُن کا دستگیر تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی مثال تو اُس پہاڑ کی سی ہے کہ جس میں سانپ ہوں تو تریاق بھی ہو۔ عوام میں وہ صلاحیتیں کہاں ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام میں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو توکل کا مرتبہ حاصل تھا وہ تجھ میں کہاں ہے۔ اُسی توکل کی بنا پر اُن کی تلوار حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گلا نہ کاٹ سکی۔ توکل ہی کی وجہ سے دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ ڈبو سکا۔

حضرت شیخ شجاع سعید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو منارے سے گرا دیا اور محفوظ رہے۔ جبکہ تیرا وہ نصیبہ کہاں۔ تُو اپنے آپ کو گرا کر برباد مت کر۔ یہی ہوا جو اُن شیخ کے کپڑوں میں بھر گئی جس کی وجہ سے وہ بچ گئے، قومِ عاد کے لاکھوں کی تباہی کا باعث بنی۔ وہ صوفی گو غصہ کی آگ سے بھر گیا لیکن اُس نے انجام کو دیکھ لیا۔ بامراد وہی شخص ہوتا ہے جو انجام پر نظر رکھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ انجام بین تھے۔ اُن پر آخرت کی سب چیزیں منکشف ہو گئیں۔ اگر نجات چاہتے ہو تو ہمیشہ انجام پر نگاہ رکھو۔ دنیا میں ہر شخص معدُوم چیزوں کی طلب میں ہے۔ فقیر روپے کا طالب ہے۔ کاشتکار پیداوار کا طالب ہے۔ باغبان پودوں کا طالب ہے۔ طالب علم اُس علم کا طالب ہے جو معدُوم ہے۔ عبادت گزار اُس بُردباری کا طالب ہے جو معدُوم ہے۔ ان سب نے موجود کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اور معدُوم کی طلب میں کوشاں ہیں۔ اللہ کی صفت ایجاد کرنا ہے وہ معدُوم کو موجود کرتا ہے۔ اُس کی صنعت کا تعلق معدُوم سے ہے، اس لیے اُس کے بندوں میں بھی یہی صفت ہے۔

ہر کاریگر معدُوم کو موجود کرتا ہے۔ سقہ اُس برتن میں پانی ڈالتا ہے جس میں پانی نہ ہو۔ بڑھئی وہاں دروازہ لگاتا

عدل وضع نعمتے در موضعش　　　نے بہر بیخے کہ باشد آب کش

عدل یہ ہے جہاں ضرورت ہو وہاں نیکی کرنا　　　اور بے موقع کام کرنا ظلم ہے

ہے جہاں نہ ہو۔ جب کسی مقصد کا شکار کرنا ہو تو ہمیشہ عدم پر حملہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی موت یعنی عدم سے بھاگتے ہیں۔ جب ہر شخص نے مَعْدُوم سے اپنی اُمید وابستہ کر رکھی ہے تو پھر اپنی مرغوب چیز عدم سے مخالفت کیوں ہے؟ انسان کو تو اِن حالات میں فنا اور نیستی سے رغبت ہونی چاہیے۔ انسان کا دل موجود پر مطمئن نہیں ہوتا' مزید کا کوشاں رہتا ہے جو مَعْدُوم ہے۔ انسان اس دنیا کے کنویں کو اپنی جائے پناہ سمجھتا ہے لیکن موت اُس کو اسی کنویں میں ڈال دیتی ہے۔ عجب بات ہے اسبابِ ہلاکت کو اسبابِ نجات سمجھا جاتا ہے۔

ہندو غلام اور سُلطان محمُود غزنوی

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایک جنگ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ ایک غلام آیا۔ بادشاہ اُسے بہت چاہتا تھا۔ اُسے اس نے سردار بنا دیا اور فرزند کا لقب دیا۔ وہ اُسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا۔ ہندو غلام جب تخت پر بیٹھا تو زار و قطار رونے لگا۔ سلطان نے پوچھا کیا تجھے یہ عزت افزائی ناگوار لگی۔ حالانکہ میں نے تجھے بے حد عزت و احترام دیا۔ وہ بولا: بچپن میں میری ماں مجھے ڈرایا کرتی تھی کہ میں تجھے محمود کے حوالے کر دوں گی۔ میرا باپ میری ماں سے کہتا اس قدر سخت بدُعا کیوں دیتی ہے۔ کوئی نرم بد دعا دیا کر۔ میں دونوں کی باتوں سے حیران ہوتا تھا اور غمگین ہو جاتا تھا۔ دعاؤں سے سوچا کرتا محمود کس قدر ظالم ہے کہ تباہی و بربادی میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ میں آپ کے نام سے کانپتا تھا لیکن آپ کے اکرام اور عظمت عطا کرنے سے غافل تھا۔ آج میرے ماں باپ ہوں تو دیکھیں کہ اُن کے خیالات کس قدر غلط تھے۔

فقر اور عدم سے انسان کا ڈرنا ایسا ہی غیر واقعی ہے جیسا کہ ہندو غلام کا سلطان محمود سے ڈرنا۔ اگر تو اُس رحیم رَبّ کے رحم کو سمجھ لے تو ہر وقت یہی دُعا کرے کہ میری عاقبت محمود ہو یعنی قابلِ تعریف ہو یا ہمیں بھی سلطان محمود میسر آجائے۔ جس طرح لڑکے کی ماں غلط طور پر ڈراتی تھی اسی طرح انسان کی طبیعت انسان کو فقر سے غلط طور پر ڈراتی ہے۔ جب تجھے فقر حاصل ہو جائے گا تو پھر تو اس طرح روئے گا جس طرح اپنی پہلی معلومات پر وہ ہندو غلام روتا تھا۔ انسان کا جسم انسان کی اُسی طرح پرورش کرتا ہے جس طرح ماں بچے کی پرورش کرتی ہے لیکن یہ جسم انسان کا سو دشمنوں سے زیادہ دشمن ہے۔ اگر جسم پریشان ہوتا ہے یعنی بیمار ہو جاتا ہے تو انسان دوا کی تلاش میں پریشان پھرتا ہے لیکن اگر تن درست ہو تو شیطنیت پیدا کرتا ہے۔ جس طرح لوہے کی زرہ انسان کو کسی طرح بھی آرام نہیں دیتی اسی طرح جسم بھی انسان کو کسی حالت میں آرام سے نہیں رہنے دیتا۔

عدل وضعِ نعمتے دَر موضعش
عدل یہ ہے جہاں ضرورت ہو وہاں نیکی کرنا

نے بہر بیخے کہ باشد آب کش
اور بے موقع کام کرنا ظلم ہے

جسم اگرچہ بُرا ساتھی ہے لیکن اُس کے مصائب پر صبر کرو تو پھر اُس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔ کالی رات میں چاند کا صبر اُسے اور روشن کرتا ہے۔ پھول کا کانٹے کے ساتھ صبر اُس میں مہک اور حُسن پیدا کرتا ہے۔ دودھ، لید اور خون کے درمیان صبر کرتا ہے تو بچے کو زندگی بخشنے والا بن جاتا ہے۔ تمام انبیاء ﷺ کے اُخروی مراتب صبر کرنے ہی سے بلند ہوئے۔ دنیاوی منافع بھی صبر ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ جو شخص غمگین ہو سمجھ لو کہ اُس نے تعلق مع اللہ سے بے وفائی اور دغا دینے والی چیز سے تعلق پیدا کیا تھا۔ اگر یہ فانی اس بے وفا سے تعلق نہ پیدا کرتا تو آج غمگین نہ ہوتا۔ وہ خدا سے تعلق رکھتا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کہہ دیتا کہ مجھے غائب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں ہے۔ یاد رکھو! قافلہ روانہ ہو جاتا ہے اور آگ کی راکھ تنہا پڑی رہ جاتی ہے۔ انسان اپنی بے صبری سے خدا کے غیر کا ساتھی بنتا ہے تو جب اُس سے جدائی ہوتی ہے تو غمگین ہو جاتا ہے۔ اللہ نے تجھ میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ تُو تعلق مع اللہ پیدا کر سکتا ہے، یہ بہت قیمتی چیز ہے اور یقینی ہے۔ کسی خیانت کرنے والے کے پاس اِس کو امانت مت رکھ۔ اگر تُو اس صلاحیت کو غیر اللہ کے لیے صرف کرے گا تو فائدہ نہ ہوگا اور گویا وہ امانت ضائع ہو جائے گی۔ امانت کا ضائع ہونا غائب ہو جانے سے اور انکار سے ہوتا ہے۔

جو عادتیں پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انبیاء ﷺ کو بہترین عادتیں اور اخلاق عطا فرمائے انسان کو اُس سے تعلق پیدا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ اگر تُو ایک بکری کا بچہ دے گا تو وہ تجھے بکریوں کا ریوڑ عطا کر دے گا۔ اگر اپنی صفات اور صحبت کو تُو نے غیر اللہ میں صرف کیا تو ایسا ہی ہے جیسے بکری کا بچہ بھیڑیے کے پاس امانت رکھ دیا۔ نادان کی صحبت کبھی اختیار نہ کرو۔ اللہ اور دین سے جاہل، منافق ہوتا ہے اور اُس کے دو چہرے اسی طرح ہوتے ہیں جیسے مخنث کے، وہ مرد ہوتا ہے نہ عورت۔ اہلِ بصیرت اُن لوگوں کے دوغلے پن کو سمجھ جائیں گے۔ خدا اُن کو اُن کی ایسی علامتیں دکھا دیتا ہے جن سے وہ نفاق کو پہچان لیتے ہیں۔ قرآن میں ولید بن مغیرہ کے بارے میں فرمان ہے: "ہم اُس کی ناک پر داغ لگا دیں گے"۔ جاہل کی میٹھی باتیں کام کی نہیں ہوتیں۔ اُس کی دوستی کی مثال ماں کی محبت ہے جو بچے کے لیے اکثر مُضر ہوتی ہے۔ باپ بچے کو مکتب بھیجتا ہے تو ماں محبت میں اُس سے لڑتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر یہ بچہ تیری کسی دوسری بیوی سے ہوتا تو تُو اُس پر اتنا ظلم نہ کرتا۔ باپ جواب دیتا ہے کہ عورتوں کی یہی بے عقلی ہے کہ اگر یہ بچہ کسی دوسری عورت سے ہوتا تو وہ بھی یہی الفاظ منہ سے نکالتی۔

انسان کے نفس کو ماں اور عقل کو باپ سمجھ۔ نفس کے فریب سے نجات اللہ کی تائید کے بغیر مشکل ہے۔ اے مالک!

ظلم چہ بُوَد؟ وضع دَر ناموضعے	کہ نباشد جُز بلا را مَنبعے
اللہ کی نعمتوں کو رُوحِ انسانی پر خرچ نہ کرنا ظلم ہے	اِس سے تکلیف ہی پیدا ہو گی

ہماری طلب تیری توفیق سے ہی ہے اور نیکی بھی تیری توفیق سے ہے۔ قرآن میں ہے کہ "تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے" تمام انسانی افعال اللہ کی ایجاد پر موقوف ہیں۔ اے اللہ! ہم نے باتیں تیرے حوالے کر دی ہیں اور اس سے مقصد یہ ہے کہ تُو ہمارے اندر اطاعت اور عبادت کی طاقت بڑھا دے۔ یہ حوالے کرنا جبریوں کے عقیدے کے مطابق نہیں جو انسان کو کاہل اور سُست بنا دیتا ہے۔ ایک جبر تو اہلِ سنت کا عقیدہ ہے وہ باعثِ نجات ہے اور ایک جبریوں کا عقیدہ جو گمراہی ہے۔ اہلِ سُنّت اپنی پوری کوشش اور عمل کرنے کے بعد نتائج اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ دریائے نیل کا پانی سبطیوں کے لیے پانی اور قبطیوں کے لیے خون بن گیا۔ شہباز کے باز و اُس کو شاہ کی طرف لے جاتے ہیں اور کوے کے مُردار کی طرف۔

عدم کے بارے میں تیری مثال اُس ہندو بچے کی طرح ہے جو سلطان محمود کے نام سے لرزتا تھا اور وہی اُس کے لیے سب سے زیادہ شفیق ثابت ہوا۔ تیرا وجود دراصل وہ عدم اور مَعدُوم ہے اور یہ خیالات بھی فانی ہیں اور تُو بھی فانی ہے۔ تیرا اس وجود پر عاشق ہونا گویا مَعدُوم پر عاشق ہونا ہے۔ جب تیرا وجود فنا ہو جائے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو کِن نامعقول باتوں میں پھنسا ہوا تھا۔

فرمانِ نبوی ﷺ "جانے والوں کو موت کا غم نہیں اُنکو فوت کی حسرت ہے" قرآن میں ہے کہ مرنے کے بعد کفار مرنے پر افسوس نہیں کریں گے بلکہ اعمالِ صالحہ جن کو وہ مَعدُوم سمجھتے تھے اُن کے نہ کرنے پر افسوس کریں گے۔ دنیا سے جو مر کر جائے گا اُس کو مرنے کا افسوس نہیں ہوگا۔ بلکہ اس بات پر افسوس ہو گا کہ مَعدُوم کے لیے کوشش کیوں کی، نیک عمل کیوں نہ کیا۔ موت تو ایک پُل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔ موت کے بعد معلوم ہو گا کہ تمام دنیاوی خیالات لاحاصل تھے۔ زندگی تو عالمِ آخرت میں ہے۔ دنیاوی چیزیں بے رُوح تصاویر ہیں۔ یہ چیزیں جھاگ کی طرح ہیں جو کہ خود بے حقیقت چیز ہے اور اُس کی حرکت اور بقا دریا کی مرہونِ منت ہے۔ جھاگ خشکی پر چڑھ جائے تو بے حس و حرکت ہے۔ حُباب اور جھاگ چونکہ زبانِ قال نہیں رکھتے اس لیے زبانِ حال سے جواب دیں گے کہ ہماری اصل تو دریا ہے جو پوچھنا ہے اُس سے پوچھ لے۔ یہ عالمِ امکان بغیر بحرِ وحدت کے کب موج کی طرح حرکت کر سکتا ہے۔ وہ تو خاک ہے، بغیر ارادۂ خداوندی کی ہوا کے وجود اور بلندی کب حاصل کر سکتا ہے۔ عالَمِ اِمکان کو دیکھ کر نظرِ توحیدی پیدا کر۔ یہ نظرِ توحیدی تیرے بہت کام آئے گی۔ تیرا باقی تانا بانا گوشت پوست سب بیکار ہے۔ نہ دنیا میں کار آمد نہ آخرت

چوں مُسبّح کردۂ ہر چیز را	ذاتِ بے تمیز و با تمیز را
چونکہ تُو (اللہ) نے ہر چیز کو تسبیح خواں بنایا ہے	ہر چیز کی تسبیح کا طریقہ جُداگانہ ہے

میں۔ تیرے اندر اصلی نظر توحیدی اور روح کا فعل ہے۔

اس لیے جسم کو مجاہدوں کے ذریعے اُس نظر کو حاصل کرنے کے لیے پگھلا دے۔ ایک نظر دو گز راستہ دیکھتی ہے اور ایک وہ ہے جس نے دو جہان اور شاہ کا چہرہ دیکھا۔ نظر بڑھانے کا سُرمہ تلاش کر، اللہ غیب کا بندوبست کرنے والا ہے۔ تاثر سے مؤثر کی طرف نظر کرنے کے دو درجے ہیں۔ ایک بدن سے رُوح پر نظر کرنا دوسرا رُوح سے مؤثرِ حقیقی کی طرف نظر رکھنا۔ ہمارا مقصود دوسرا درجہ ہے پہلا نہیں۔ ان دونوں نظروں میں بہت فرق ہے۔ ہر کاری گر معدوم کو اپنی کاری گری سے وجود میں لاتا ہے۔ قدرت کی کاری گری بھی معدُوم کو موجود کرتی ہے جو بالکل بے نشان اور خالی ہے۔ ''اَللّٰهُ الصَّمَدُ'' وہ بے نیاز ہے جو چاہے کرے۔ جہاں نیستی زیادہ ہوتی ہے وہاں وہ اپنی کاری گری کا زیادہ ظہور کرتا ہے۔ نیستی اس عالم کا اعلیٰ مقام ہے اور چونکہ صرف درویشوں کو حاصل ہے۔ لہٰذا وہ سب سبقت لے گئے خصوصاً وہ جنہوں نے جسم کو لٹا دیا اور ساتھ ہی مال کو بھی۔ جسم کو گھلانے والا ہمیشہ قانع اور صابر ہوتا ہے۔ کبھی سائل نہیں بنتا۔ مال کا درد ہو یا جان کا' اُس کا شکوہ نہ کر کیونکہ وہ تجھے نیستی کے اعلیٰ مقام تک پہنچانا چاہتا ہے۔

اس راہ میں غور و فکر کو بیدار کرنے کا طریقہ ذکر اللہ ہے۔ ذکر، فکر کو بیدار کرتا ہے اور وہی کام کرتا ہے جو ٹھٹھرے ہوئے کے لیے سورج کرتا ہے۔ محض ذکر و عبادت سے قرب میسر نہیں آتا جب تک اللہ کی جانب سے جذب و کشش نہ ہو لیکن انسان کو ذکر اور عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔ محنت کو چھوڑنا اپنا ناز دکھانا ہے۔ جو عاشق جانباز کے لیے کسی طرح مناسب نہیں۔ بندے کا کام تو بندگی ہے' اس کے مقبول یا مردُود ہونے کے چکر سے اُسے کیا کام۔ خدا کے کام بے چون و چراں کرنے چاہئیں۔ اگر تُو برابر مجاہدے میں لگا رہے گا تو جذب اُڑ کر تیرے پاس آجائے گا، پھر اس قدر مجاہدہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جذب صبح کی طرح ہے اور مجاہدے شمع کی طرح۔ صبح کو شمع کی ضرورت نہیں رہتی۔ بندہ کثرتِ نوافل کے ذریعے تقرب حاصل کر لیتا ہے تو پھر اُس کے افعال ذاتِ حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں اور اُس کو ہر ذرّہ کائنات میں حق کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔

صُوفی اور قاضی کے قصّے کی طرف دوبارہ واپسی

صوفی نے سوچا کہ اگر میں اس بیمار کے کچھ مار دوں گا تو یہ مر جائے گا اور قصاص میں مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ اِس لیے قضاءِ خداوندی سے جو بات پیش آئے اُس پر سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ پھر وہ قاضی کے پاس گیا تاکہ اُسے کچھ تنبیہ ہو اور یہ دوسرے صوفیوں کو نہ مارے۔ یہ بیمار جو خود مُردے کی طرح ہے اس کے بدلے میں

ہر یکے تسبیح بر نوعِ دگر
ہر چیز کی تسبیح کا طریقہ جُداگانہ ہے

گوید و از حالِ آں ایں بے خبر
اور سب ایک دوسرے کے حال سے بے خبر ہیں

سر کٹوانا مناسب نہیں ہے۔ قاضی کا کام یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے اور کسی کو کسی کا حق نہ مارنے دے۔ شیطان حقوق غصب کرنے والے کو جو حیلہ سکھاتا ہے قاضی کا فیصلہ اُس کو ختم کر دیتا ہے۔ مدعی اور مدعی علیہ کی جنگ فیصلے سے ختم ہو جاتی ہے۔ جو فریق شیطنیت پر آمادہ ہوتا ہے فیصلہ اُس کی شیطنیت ختم کر دیتا ہے۔

قاضی قیامت کے دن کے عدل کا ایک نمونہ ہے۔ قطرے سے دریا کے پانی کا مزہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اگر تُو قطرے میں سمندر کے جلوے دیکھنا چاہتا ہے تو اکلِ حلال کی عادت ڈال۔ جیسے شفق سورج کے ہونے کی خبر دیتی ہے۔ اِس طرح قرآن میں ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ "میں قسم کھاتا ہوں شفق کی"۔ شفق حضور ﷺ کے جسمِ مبارک کو کہا گیا ہے جو کہ رُوحِ احمدی کا مظہر ہے۔ چیونٹی ایک دانے کے گم ہونے پر لرزتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے خرمن کو نہیں دیکھا۔ انسان بھی اگر ممکنات کے ذریعے واجب کو پہچان لے تو کبھی کسی ممکن کے فوت ہو جانے کے غم سے نہ لرزے۔ اگر انسان مظالم سے پاک ہو جائے تو اُس کا دل آسمان سے بھی زیادہ منور ہو جائے۔

صوفی طمانچہ مارنے والے کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے گیا۔ قاضی معمولی شخصیت نہیں ہوتا، وہ خدا کا قائم مقام ہوتا ہے۔ وہ جو سزا دیتا ہے اِس میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی لہٰذا اگر اُس کی غلطی سے کوئی مجرم مرا تو اُس کی دیت قاضی کے عاقلہ یعنی اللہ پر ہوگی جیسے نادار لوگوں کی دیت بیت المال سے ادا کی جاتی ہے۔ باپ بیٹے کو خدمت نہ کرنے پر مارتا ہے لہٰذا باپ پر بیٹے کا خون بہا واجب ہے۔ اُستاد کی شاگرد کو مارنے میں کوئی ذاتی غرض نہیں اس لیے خوں بہا سے بری ہے۔ اگر مارنے میں اپنی غرض نہ ہو تو خون معاف ہے لہٰذا خودی کو مار دے۔ جب تُو خودی کو قتل کر دے گا اور فانی ہو جائے گا تو تیرا فعل اپنا فعل نہیں رہے گا۔

مثنوی صرف توحید کی دُکان ہے توحید کے مضامین کے علاوہ جو کچھ مذکور ہے وہ بُت ہے۔ عوام جب غیر توحیدی مضامین سنتے ہیں تو متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ توحیدی مضامین بھی سننے کا اُن کو موقع مل جاتا ہے۔

قاضی اور صُوفی کے قصّہ کی تقریر

قاضی نے صوفی سے کہا کہ یہ بیمار تو بس خیالی انسان رہ گیا ہے اس سے بدلہ کہاں لیا جا سکتا ہے۔ تاوان تو زندہ اور مالدار سے لیا جاتا ہے لاش سے تو نہیں۔ وہ درویش جو خودی کی حالت سے گزر کر سکر کی حالت میں ہوتے ہیں وہ بھی سینکڑوں حیثیتوں سے مردہ ہیں۔ حقیقی مردہ تو ایک مرض کے نتیجے میں مردہ بنتا ہے۔

آدمی مُنکر ز تسبیحِ جماد
جمادات کی تسبیح سے آدمی مُنکر ہے

واں جماد اندر عبادت اوستاد
حالانکہ وہ جماد عبادت میں ماہر ہیں

کشتگان خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است　　(احمد جام رحمۃ اللہ علیہ)

''جو لوگ اللہ کے عشق سے شہید ہو جاتے ہیں اُنہیں ہر لحظہ ایک نئی جان عطا کر دی جاتی ہے''۔

چونکہ اللہ اُن کو قتل کرتا ہے اِس لیے وہ محبت اور قرب کے خزانے خون بہا کے طور پر عطا کر دیتا ہے۔ حضرت جرجیس علیہ السلام کو شاہِ وقت نے ساٹھ بار قتل کیا اور وہ ہر بار زندہ ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے بھالے کا زخم اِس قدر پیارا ہوتا ہے کہ دوسرے زخم کی تمنا میں روتے ہیں۔ قاضی نے کہا کہ میں تو زندہ پر حکم جاری کر سکتا ہوں، مُردوں پر نہیں۔ اس مُردے پر غصہ نہ کر، اِس سے جھگڑنا بے وقوفی ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو فانی کر کے باقی باللہ ہو جاتے ہیں اُن کا ہر فعل، اللہ کا فعل ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا غصہ اللہ کا غصہ ہوتا ہے۔ اللہ کا قتل کرنا اور پھر پھونک مار کر زندہ کرنا بڑی خوبی کی بات ہے۔ باقی باللہ میں جو اللہ کا فتح ہے وہ ایک ذوقی چیز ہے اُس کی شرح نہیں ہو سکتی۔ تُو اِس دنیا کے کنویں میں سے نکل کر اعلیٰ مقام حاصل کر لے تجھے خود پتہ چل جائے گا۔ صوفی نے قاضی سے کہا کہ پھر تو آپ کا مطلب ہے کہ اِس نے جو طمانچہ مجھے مارا ہے نہ اُس کا جسمانی بدلہ ہے نہ مالی۔ اب اگر آپ اس کو اِس طرح چھوڑ دیں گے تو پھر صوفیوں کی خیر نہیں۔ ہر آوارہ صوفیوں کو مار لیا کرے گا۔

قاضی نے صوفی سے کہا کہ صوفی تُو بہت مجاہدے کرتا ہے ایک طمانچہ تمہارے لیے کیا ہے۔ یہ جھگڑا تو بغیر کسی عوضانے کے ختم ہو جانا چاہیے پھر بھی میں تجھے کچھ دلا دیتا ہوں۔ اُس نے بیمار سے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے۔ بیمار نے کہا کہ میرے پاس چھ درہم ہیں۔ قاضی نے اُسے کہا کہ تین درہم تُو خود خرچ کر لے اور تین صوفی کو دے دے۔ قاضی اپنا فیصلہ صوفی کی طرف رُخ کر کے سُنا رہا تھا تو بیمار کی نظر قاضی کی گدی پر پڑی۔ اُسے طمانچہ مارنے کے لیے وہ گدی صوفی کی گدی سے بھی بہتر معلوم ہوئی۔ اُسے ایک طمانچہ مارنے کی سزا بہت سستی لگی۔ وہ قاضی کی طرف متوجہ ہوا جیسے قاضی سے کوئی راز کی بات کہے گا اور قاضی کے نزدیک ہو کر اُس کی گدی پر بھی طمانچہ مار دیا۔ وہ بولا: اب تم دونوں مدعی ہو، تین تین درہم دونوں بانٹ لو۔ میرا سب مال چلا جائے گا تو نہ کوئی جھگڑا رہے گا اور نہ مجھ میں مالدار ہونے کا عیب ہوگا۔

بیمار فقیر کے طمانچے سے قاضی کا مکدر ہو جانا اور صُوفی کا قاضی کو ملامت کرنا

قاضی طمانچہ کھا کر بدمزہ ہوا تو صوفی نے قاضی سے کہا کہ بے شک آپ کا کیا ہوا فیصلہ منصفانہ تھا۔ اِس لیے آپ کو بھی اِسے قبول کر لینا چاہیے۔ تیرے فیصلے نے خود تیرے لیے

چوں مَن از تسبیح ناطق غافلم
جب میں بولنے والے کی تسبیح ہی سے غافل ہوں

چوں بداند سُبحۂ صامت دلم
تو میرا دل بے زبانوں کی تسبیح کو کیسے سمجھے گا

طمانچے کا موقع پیدا کر دیا۔ یہ تو ایک فیصلے کی پاداش تھی نہ معلوم دوسرے فیصلے تیرے اوپر کیا ظلم ڈھائیں گے۔ تُو نے فیصلہ اِس کے ہاتھ میں دے دیا اور اُس کا نتیجہ بھگتا۔ ظالم کا تو ہاتھ کاٹنا چاہیے۔ تمہاری مثال تو اس بُوھیا کی ہے۔ جس نے بھیڑیے کے بچے کو بکری کا دودھ پلا کر پالا اور آخر میں وہ بھیڑیا اُس کی بکری ہی کو کھا گیا۔ قاضی نے جواب دیا کہ قضائے خداوندی جو بھی نازل کرے خواہ طمانچہ ہو یا کوئی اور سزا اُس پر بھی راضی ہونا ہمارا فرض ہے۔ صحیح بات گو اچھی ہوتی ہے لیکن اکثر کڑوی لگتی ہے۔ آنکھ کے رونے سے دل میں شادابی پیدا ہو جاتی ہے جس طرح اَبر سے باغ میں شادابی آ جاتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ "چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں" موم آنسو کی طرح گرتا ہے تو شمع زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ ماں باپ کی سختی بچے کی حفاظت کرتی ہے۔

اسی طرح یادِ الٰہی میں رونے میں جو مزا ہے وہ ہنسنے میں نہیں ہے۔ جہنم کا خوف اگر رُلائے تو جنت کی یاد سے زیادہ بہتر ہے۔ گریہ کا انجام یقیناً ہنسنا ہے۔ غموں میں لذت اسی طرح چھپی ہوتی ہے جس طرح آبِ حیات تاریکی میں۔ اپنی آنکھوں کے ساتھ شیخ کی آنکھوں کو جوڑ لے تب نشانِ منزل کا پتہ چل جائے گا۔ شیخ کے بغیر اُس منزل کی طرف سفر ممکن نہیں ہے۔ شیخ راستہ کا مددگار ہے بلکہ وہ خود راستہ ہے۔ بزرگوں کی مجلس میں خود نمائی مناسب نہیں، خاموشی بہتر ہے۔ "صحبت پیراز ذکر و فکر بہتر است"۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا لو گے۔ ستاروں سے ہدایت جبھی حاصل ہوگی کہ خاموشی سے اُن کی طرف نظر لگاؤ۔ بولنا نظر میں خلل انداز ہوتا ہے۔ انسان بولتا ہو تو صحیح باتوں کے ساتھ ہی غلط باتیں بھی منہ سے نکل جاتی ہیں۔ انسان اپنی گفتگو بھلی بات سے شروع کرتا ہے لیکن طوالت اُس کو بُری باتوں کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ صرف معصوم انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ اُن کی زبان سے کوئی غلط بات نہیں نکلتی۔ اپنے آپ کو حال سے بولنے والا بنا لے اور گفتگو سے مغلوب نہ ہو۔

صُوفی کا قاضی سے سوال کرنا

قاضی نے کہا تھا کہ تمام مقدرات پر راضی رہنا چاہیے تو صوفی نے سوال کیا کہ ذاتِ خداوندی جبکہ واحد ہے تو اُس سے متضاد چیزیں جیسے جفا و وفا، سُخط و رضا، منع و عطا کا صدور کس طرح ہوتا ہے؟ سب کا خالق ایک ہے تو پھر ایک مفید اور دوسری مضر کیوں ہیں؟ سب خدا نے پیدا کی ہیں تو ایک عقلمند اور ایک مست کیوں ہیں؟ جب ایک دریا کی نہروں کا پانی ایک سا ہوتا ہے تو مخلوق کوئی شیریں اور کوئی کڑوی کیوں ہے؟ جب سب اللہ کا نور ہے تو پھر صبحِ صادق اور صبحِ کاذب کیوں ہے؟ یہ راست بینی اور کج بینی کیوں ہے؟ سب ایک ٹکسال سے نکلے ہیں تو کچھ سکے کھرے اور کچھ کھوٹے کیوں ہیں؟ اگر خدا نے دین کے راستے

جملہ ذرّاتِ عالم در نہاں	باتو می گویند روزان و شباں
عالم کے سارے ذرّات پوشیدہ طور پر	تم سے صبح و شام کہتے رہتے ہیں

کو اپنا راستہ بتایا ہے تو پھر راہنما اور رہزن کیوں ہیں؟ ایک ہی پیٹ اور نطفے سے پیدا ہونے والوں میں ایک عالم اور ایک جاہل کیسے پیدا ہو گئے؟ مجھے خدا کی وحدت اور غیر متغیر اور غیر متضاد ہونے کا تو یقین ہے تو پھر اُس سے اس قدر متغیر اور متضاد چیزیں کیسے صادر ہوتی ہیں۔

قاضی نے کہا: اے صوفی! حیران نہ ہو، ایک مثال سُن لے اور حقیقت کو سمجھ لے۔ معشوق کا قرار اور سکون عاشق کی بے قراری کا مبداء ہے۔ معشوق پہاڑ کی طرح اپنے ناز پر جما ہوا ہے اور عاشق پتوں کی طرح لرزتے ہیں۔ معشوق کا مسکرانا عاشقوں کے رونے کا مبداء ہے تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مبداء اور اُس کے آثار میں یکسانیت ضروری نہیں ہے۔ مبداء جو ذاتِ واحد ہے اور اُس کے آثار جو ممکنات ہیں اُن میں تضاد نہیں ہے اور نہ کوئی اُس کی ذات اور افعال میں اُس کا مثل ہے۔ چونکہ ذاتِ باری اور ممکنات میں تضاد نہیں ہے اسی لیے ممکنات نے وجود کا لباس پہنا ہے۔ ایک ضد دوسری ضد کو موجود نہیں کر سکتا بلکہ اُس سے دور بھاگتا ہے۔ دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ ایک ہست اپنے مثل کو وجود عطا نہیں کر سکتی کیونکہ دونوں یکساں ہوں گی تو ایک کو خالق اور دوسرے کو مخلوق کہنا باطل ہوگا۔ جہان میں جو بھی ضِد اور ندّ یعنی مثل دکھائی دیتا ہے بحرِ وحدت پر بے ضِد و ندّ ہے اور جھاگ کی طرح نمودار ہے۔ ذاتِ وحدت کے تمام افعال ایسے ہیں کہ اُن کی کیفیت کی گہرائی تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ تو پھر ذات کی کُنہ تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے۔ رُوح اُس کی معمولی مخلوق ہے۔ اُس کی حقیقت اور کُنہ تک رسائی ممکن نہیں ہے تو ذات کسی طرح بھی کیفیات کی قید میں مقید نہیں ہو سکتی۔ اُس کی حقیقت کے بارے میں عقلِ کامل بھی ناواقف ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا ہوں۔ تُو ویسا ہی ہے جیسا کہ تُو نے خود اپنے نفس کی تعریف کی ہے۔'' جب عقلِ کامل کا یہ حال ہے تو عام عقلیں اُس حقیقت کا کیا اِدراک کر سکتی ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ ذاتِ باری کی حقیقت کے اِدراک کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس میں قابلِ اِدراک اور ناقابلِ اِدراک یکساں ہیں۔ عقل نے جسم سے (جو کہ ناقابلِ اِدراک ہے) ذاتِ باری کی کُنہ معلوم کرنی چاہی تو جسم نے جواب دیا کہ جب تجھے ہی معلوم نہیں تو تیرا مجھ سے سوال کرنا نامناسب ہے کیونکہ میں تجھ سے ادنیٰ ہوں۔ عقل کہتی ہے کہ یہ وہ مقام ہے کہ یہاں اعلیٰ، ادنیٰ سے اِستفادہ کرتا ہے۔ سورج ذرّے کی خدمت کرتا ہے، شیر ہرن سے عاجز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شریک کر لینا۔ آنحضور ﷺ کی دُعا کے لیے کوئی یہ کہے کہ استفادے کے لیے نہ تھی بلکہ بعض اوقات حضور ﷺ اپنے مقام سے تنزل اختیار

ما سمیعیم و بصیریم و خوشیم
ہم سُننے والے ہیں اور دیکھنے والے ہیں اور خوش ہیں

با شما نامحرماں ما خامشیم
تم نامحرموں کے سامنے ہم خاموش ہیں

کرتے تھے اور تعلیمِ اُمت کے لیے اس قسم کا طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ طریقہ اُنہوں نے اُمت کو یہ تعلیم دینے کے لیے کیا کہ اعلیٰ فرد ادنیٰ فرد سے اِستفادہ کیا کرے اور یہ بات مُسلّم ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ سے اِستفادہ نہیں کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ ایسا صرف اس لیے فرماتے تھے کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ خزانے ویرانوں میں ہوتے ہیں اور حضرتِ حق تعالیٰ کی رحمتوں کے خزانے بسا اوقات اُن لوگوں کے پاس ہوتے ہیں جو بظاہر معمولی انسان نظر آتے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تُو چہ دانی کہ در ایں گرد سوارے باشد

"دنیا میں مسکین اور عاجز لوگوں کو حقارت سے نہ دیکھ۔ تو کیا جانے کہ شاید اُس گرد میں کوئی شہ سوار چھپا ہو"۔

مساکین اور بظاہر حقیر انسانوں کے ساتھ بدگمانی اُلٹا فعل ہے جس سے انسان غلط راہ اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ عقل مند انسان کی نظر میں اُس کا جُو جُو جاسوس اور مخبر بنا ہوا ہے جو اُس کی رہنمائی کرتا ہے اور گمراہوں کے لیے یہ فعل اُلٹا نشان ہی نہیں بلکہ اُن کی نگاہوں سے حقیقت بالکل چھپ گئی ہے اسی لیے ستر بلکہ کئی فرقے بن گئے ہیں۔ اللہ کی جانب سے ہر سزا کے ساتھ ایک جزا بھی ہے جو عطا کی صورت میں ہے۔ تُو نے وہ طمانچہ تو دیکھ لیا لیکن اُس کی وجہ سے تمہارے باطن کی جو صفائی ہوئی ہے وہ بھی تُو دیکھ لے۔ ہر بُرائی کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں اچھائی بھی ہوتی ہے۔ اللہ کی ذات سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ صرف سزا دے اور اُس کے ساتھ عطا نہ ہو۔ اگر اللہ کسی سے دنیا کی کوئی چیز چھین لیتا ہے تو اُس کی حیثیت مچھر کے پر سے زیادہ نہیں ہے لیکن اُس کے بدلے میں لاتعداد نعمتیں عطا کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے جو تکالیف برداشت کیں وہ اُن کی سرفرازی کا سبب بنیں لیکن سزا کے ساتھ عطا کی شرط یہ ہے کہ حضور مع الحق ہو یعنی اللہ کی جانب رضا اور محبت کے ساتھ قلب کے ذریعے رجوع ہو۔ اگر حضورِ قلب نہ ہوگا تو خلعت واپس ہو جائے گی کیونکہ گھر میں کوئی نہ تھا جس کے سپرد کی جاتی۔

پھر صُوفی کا اُس قاضی سے سوال کرنا

صوفی نے کہا کہ یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ دو متضاد چیزوں کا ایک مبداء سے ظہور ہو سکتا ہے لیکن یہ بات باقی ہے کہ متضاد چیزوں کے صدور میں کیا حکمت ہے۔ اگر رحمت ہی رحمت ہوتی اور زحمت نہ ہوتی تو کیا مضائقہ تھا۔ اگر صرف رحمت ہوتی تو سب خوش رہتے کسی کی طبیعت میں تکدر نہ پیدا ہوتا۔ ہمیشہ حضوری کی حالت اور ذوق و شوق کی فزا

مُردِ محسن لیک احسانش نمُرد
احسان کرنیوالا مر جاتا ہے لیکن احسان نہیں مرتا

نزدِ یزداں دین و احساں نیست خرد
اللہ کے نزدیک دین اور کسی پہ کئے احسان کی بہت قیمت ہے

سے رُوح سکون حاصل کرتی۔

صُوفی کے سوال کا جواب دینا، تُرک اور چور کا قِصّہ

قاضی نے جواب میں تُرک اور کپڑا چور درزی کا قِصّہ سنا دیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر محض عیش وعشرت ہوتا تو اُس میں بہت سی دینی مضرتیں پیدا ہو جاتیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قدر سننے والے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی قدر اُس کو واعظ کے بیان سے دانائی کا حصہ ملتا ہے۔ سننے والے شوقین ہوتے ہیں تو واعظ بھی دل جمعی سے کہتا ہے۔ اگر کسی واعظ کی خوش بیانی دیکھو تو سمجھ لو کہ سننے والے کی کشش ہے۔ بچہ ذہین ہوتا ہے تو اُستاد اُسے محنت سے پڑھاتا ہے۔ اگر سننے والے شائق نہیں ہوتے تو سارنگی نواز کا دل بجھ جاتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں وحی سننے کی استعداد نہ ہوتی تو جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نہ آتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی صنعت کو دیکھنے والے نہ ہوتے تو نہ آسمان پیدا ہوتا نہ زمین پیداوار دیتی۔ حضور ﷺ کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اگر ''آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا'' کا مطلب یہی ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کامل صاحب نظر ہیں اس لیے آسمان پیدا کیے گئے۔ جو لوگ صرف عورت اور خورد ونوش ہی کے شوقین ہوں اُن کو اللہ تعالیٰ کی کاری گری میں غور کرنے کی توفیق کہاں ہے۔

ایک تُرک کا دعویٰ کہ درزی میرا کپڑا نہیں چُرا سکتا

تُرک نے دعویٰ کیا کہ میرا کپڑا درزی نہیں چرا سکتا۔ وہ درزیوں کی چوری کے قصے سُن کر برہم ہو گیا۔ رازوں کے فاش ہونے کا ایک سبب زبان ہے اور ایک راز کہنے والے کا گلا ہے۔ راز فاش کرنے کا سبب عداوت اور دشمنی ہوتی ہے اور راز فاش ہونے سے رسوائی ہوتی ہے۔ قِصّہ بیان کرنے والے نے کہا: سب سے زیادہ اُس چالاک درزی کو پورشش کہتے ہیں۔ تُرک بولا: اپنی اتنی چالاکیوں کے باوجود وہ میرا ایک دھاگہ بھی نہیں چُرا سکے گا۔ لوگوں نے کہا کہ تجھ سے زیادہ ہوشیار لوگوں کو وہ دھوکا دے چکا ہے۔ تُو اپنی عقل پر گھمنڈ نہ کر۔ اُس کی مکاریوں میں تُو گم ہو جائے گا۔ لوگوں کی ان باتوں سے تُرک اور گرم ہو گیا اور اُس نے شرط لگائی کہ اگر وہ میرا کپڑا لے گیا تو وہ اپنا عربی گھوڑا ہار جائے گا۔ اور اگر وہ نہ چرا سکا تو تم سے ایک گھوڑا لوں گا۔

اُس رات کو تُرک غصہ سے سو نہ سکا اور ساری رات داؤ پیچ اور اُس کے توڑ کو سوچتا رہا۔ تُرک اطلس کا ٹکڑا لے کر درزی کی دُکان پر پہنچا تو درزی نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسے سلام کیا اور اُس کی مزاج پرسی شروع کر دی اور اتنی زیادہ مزاج پرسی کی کہ تُرک کے دل میں اُس سے محبت پیدا ہو گئی۔ تُرک نے درزی سے کہا کہ اس اطلس کی قبا سی دے۔ اور پر

نام نیک اُو ز فعلِ نیک داں
اُس کی نیک نامی اُس کے نیک عمل سے ہے

پس مروت او یقیں بنگریاں
اسلئے یقین کرلے وہ نہیں مرا کیونکہ نیکی نہیں مرتی ہے

سے چست ہو اور دامن فراخ ہو۔ درزی نے اُس کو دوسرے تُرک سرداروں کی عطا اور بخشش کے قصے سنائے اور بخیلوں کے قصے بھی سنائے۔ اُس نے تیز قینچی نکالی اور قصے سناتا رہا۔

تُرک کے ساتھ درزی نے ایسی ہنسی کی بات کی کہ تُرک ہنستے ہنستے سُست پڑ گیا۔ وہ ایک طرف کو لوٹ گیا اور اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ درزی نے موقع پا کر اطلس کا ٹکڑا کاٹا اور ران کے نیچے دبا لیا۔ لیکن اللہ تو اُس کو دیکھ رہا تھا۔ خدا کی صفت ستاری ہے۔ وہ پردہ پوشی کرتا ہے لیکن جب معاملہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو راز فاش کر دیتا ہے۔ تُرک درزی کی باتوں سے اتنا خوش ہوا کہ اپنے وعدے کو بھی بھلا دیا۔ درزی نے پھر کوئی ہنسی کا قصہ سنایا۔ جس سے تُرک چت لیٹ گیا۔ اب چونکہ تُرک بالکل غافل تھا درزی کو موقع مل گیا۔ اُس نے اطلس کا ٹکڑا ران کے نیچے سے نکال کر نیفے میں اُڑس لیا۔ تُرک نے تیسری بار پھر فرمائش کی۔ اب درزی نے ایک اور ٹکڑا چرا لیا۔ قہقہے مارنے سے تُرک کی آنکھیں بند تھیں۔ عقل بھاگ چکی تھی اور وہ قصوں پر فریفتہ تھا۔ چوتھی بار تُرک نے پھر فرمائش کی لیکن درزی کو تُرک پر رحم آ گیا اور اُس نے اپنے فن کو دوسرے لوگوں پر آزمانے کے لیے اُٹھا رکھا۔ تُرک نے درزی کا خوشامد میں بوسہ لیا۔ اے شخص! ہنسنے والے فسانے سُن کر تُو اپنے وجود سے بے خبر ہو گیا ہے۔ تُو تو خود ہنسی کا فسانہ بن گیا ہے۔ اب قبر کے کنارے جا کر اپنا انجام سوچ۔

اُس نفس کو خطاب، جو اِس جیسی بَلا میں پھنسا ہے

اے نادانی اور شک کی قبر میں اُترے ہوئے انسان! تُو کب تک اِس دنیا کے مذاق کا فریب کھائے گا۔ اِس ہنسی سے نہ تیری عقل درست رہی نہ رُوح۔ اِس دنیا کا مذاق یہ ہے کہ اگر موسمِ بہار میں باغ کو بخشش دیتا ہے تو خزاں میں درزی کی طرح چھین لیتا ہے۔ آسمان اپنے سَعد اور نَحس کے ذریعے لوگوں سے مذاق کرتا ہے۔

درزی کا تُرک سے کہنا: چُپ ہو جا، اگر ہنسی کی دُوسری بات کہوں گا تو تیری قبا تنگ ہو جائے گی

درزی بولا: اب اور ہنسی کی بات کا طالب نہ ہو کیونکہ اگر میں کوئی اور ہنسی کی بات سناؤں گا تو قبا تنگ ہو جائے گی۔ اگر تُو اِس ہنسی کا راز سمجھ جاتا کہ میں تجھے کیوں ہنسا رہا ہوں تو تُو اس ہنسی کو سینکڑوں رونوں سے بدتر سمجھتا۔ اِس لیے اے شخص! تُو بھی دل لگی کی زندگی کو چھوڑ دے کیونکہ زیادہ عمر تو گزر گئی ہے۔ اب بھی باز نہ آئے گا تو بالکل برباد ہو جائے گا۔ درزی نے ہاتھ سے اطلس رکھ دی اور ظاہر ہو گیا کہ اُس میں چوری ہو چکی ہے تو تُرک گھوڑا بھی ہار گیا۔

خلقِ ما بر صُورتِ خود کردِ حق	وصفِ ما از وصفِ اُو گیرد سبق
اللہ نے ہماری تخلیق اپنی صُورت پر کی ہے	ہمارے اوصاف اُس کے اوصاف سے سیکھتے ہیں

یاد رکھ! وہ احمق تُرک تُو ہے اور یہ دنیا غدار درزی ہے۔ تیری عمر اطلس ہے اور تیری حرص اور شہوت، ہنسی و مذاق کی باتیں ہیں۔ دن اور رات قینچی ہیں اور غفلت ہنسنا ہے۔ گھوڑا تیرا ایمان ہے اور شیطان اس طرح گھات میں ہے جس طرح شرط باندھنے والے تھے۔ تیری عمر کی اطلس کو ماہ و سال کی قینچی سے زمانہ ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور اُسے چُرا رہا ہے۔ اے صوفی! تُو یہ تمنا کرتا ہے کہ تیرے ستارے ہمیشہ سُعد رہیں گے اور ہمیشہ تجھ سے ہنسی مذاق کرتے رہیں گے۔ ستاروں کی نحوست اور سعادت کا پابند نہ بن۔ اگر ہمیشہ خوش رہے گا تو تیرا حال تُرک جیسا ہو جائے گا۔ یاد رکھ! ذاتِ باری سے عشق کر جو اُن ستاروں کو گھما رہی ہے۔ اپنی نظر گھمانے والے پر رکھ۔

زمانے کے ظلم سے فقیروں کو تسکین دینے میں اس دُنیا کی مثال

ایک شخص بازار سے گزر رہا تھا کہ راستے کو عورتوں کی زیادہ تعداد سے بند دیکھا۔ اُس نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا: یہ لڑکیاں کتنی زیادہ ہوگئی ہیں۔ ایک عورت نے کہا کہ ہماری کثرت کو نہ دیکھ کیونکہ ہماری کثرت کے باوجود لوگ بدکرداری میں مبتلا ہیں۔ غور کرنے کی یہ بات ہے کہ ہماری کثرت کے ہوتے ہوئے بھی تم لوگ بدفعلی میں مبتلا ہو جاتے ہو اور رُسوا ہوتے ہو۔ اسی طرح اے صوفی! تُو زمانے کی تلخیوں کی طرف توجہ مت کر بلکہ اس طرف دیکھ کہ اُن تلخیوں کے باوجود تو اس زمانہ پر جان کیوں فریفتہ کئے ہوئے ہے۔ جس تلخ امتحان سے تُو گھبراتا ہے اُسے رحمت سمجھ کیونکہ وہ صبر و رضا کے ظہور کا سبب ہے اور دنیاوی عیش و عشرت کو عذاب سمجھ کیونکہ وہ غفلت اور اللہ سے دُوری کا سبب بنتا ہے۔

ابراہیم نامی ایک یہودی بہرام گور کے زمانے میں تھا۔ وہ بہت بخیل اور خسیس تھا۔ مال خرچ کرنے سے گریز کرتا تھا اس لیے نجات پانے سے رہ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لگا دیا تو مُقرب بارگاہ ہو گئے۔ اُنھوں نے دنیا پر لات ماردی اور تکالیف برداشت کیں تو اُن کو آگ نہ جلا سکی۔ پہلا ابراہیم مال و دولت کی تلفی کی سوزش سے بچا لیکن جہنم کی سوزش میں جلا۔ جس طرف مطلوب کے نہ ہونے کا خیال ہو اُدھر چل پڑو تو مطلوب تک پہنچ جاؤ گے۔ طلب کے راستے میں اُلٹا فعل ہے۔ یہ ابراہیم جل گیا اور وہ ابراہیم علیہ السلام نہ جلے۔

صوفی نے کہا جب حق تعالیٰ کو ہر قدرت حاصل ہے تو پھر اُس نے عیش کے ساتھ ساتھ تلخیوں کو کیوں رکھا ہے۔ وہ آگ کو چمن بنا سکتا ہے تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ اُسے بے ضرر بنا دے۔ وہ خار سے پھول اور خزاں سے بہار بنا دیتا ہے تو رنج کو خوشی بھی بنا سکتا ہے۔ جس ذات نے مَعْدُوم کو موجود اور موجود کو باقی بنا دیا ہے، مردہ جسم کو حیات عطا کر سکتی ہے تو وہ

خلق ما بر صورتِ خود کرد حق | وصفِ ما از وصفِ اُو گیرد سبق
اللہ نے ہماری تخلیق اپنی صورت پر کی ہے | ہمارے اوصاف اُس کے اوصاف سے سیکھتے ہیں

یہ بھی کرسکتی ہے کہ زندہ کو موت ہی نہ آئے۔ اس میں کیا مضائقہ تھا کہ بغیر کوشش کے مقاصد حاصل ہو جاتے۔ وہ یہ بھی کرسکتا تھا کہ کمزوروں پر شیطان کو غالب ہی نہ آنے دے۔

قاضی نے جواب دیا کہ اگر مضرتیں اور تلخیاں بالکل نہ ہوتیں تو پھر امتحان باقی نہیں رہے گا' جس کا ثمرہ اور نتیجہ آخرت کا اجر اور رُوحانی کمال ہے۔ اگر نفس اور شیطان کی پیدا کردہ بُرائیاں اور تلخیاں نہ رہیں تو پھر اللہ کی طرف سے کسی کو صبور کسی کو علیم، کسی کو شجاع اور حکیم کہا گیا ہے، وہ نہ کہا جاتا۔ اس لیے کہ جب مصائب نہ ہوں تو نہ صبر پایا جائے گا 'نہ ہی علم اور اُس کا تحقق' نہ شجاعت اور نہ حکمت ہوگی۔ یہ خطابات بھی تو بغیر شیطان کے وجود کے ممکن نہیں، بہادر اور بزدل یکساں ہوتے۔ علم اور دانائی کا تحقق بھی جب ہی ہے کہ بے راہ روی اور گمراہی ہو۔ تُو اپنے کڑوے کسیلے مزاج کی وجہ سے یہ چاہتا ہے کہ دونوں عالَم برباد ہو جائیں۔ آخرت تو اسی لیے ہے کہ فضائل حاصل کیے جائیں۔ جب امتحان ہی ختم ہو جائے گا تو فضائل حاصل ہونے کے کیا معنیٰ ہوئے۔ نہ یہ دنیا ''مزرعۃ'' بنے گی۔ لہٰذا دونوں جہان ویران ہو جائیں گے۔ قاضی نے صوفی سے کہا کہ جو باتیں کی گئی ہیں ضروری نہیں کہ تمہارے لیے ہی ہوں۔ یہ باتیں عوام کے شبہات دُور کرنے کے لیے تھیں۔ اگر مصائب اور امتحان نہ ہوں تو غفلت پیدا ہو جائے گی۔ دنیا کے مصائب برداشت کرنا آسان ہیں کیونکہ اس زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے لیکن اگر اللہ سے دُوری ہے تو اُس کے مصائب دائمی ہیں۔

رنج پر صبر کرلینا دوست کے فراق پر صبر سے زیادہ آسان ہے

بیوی نے شوہر سے نان نفقہ کی کمی کی شکایت کی۔

اُس نے اپنے کرتے کی آستین دکھائی جو بہت میلی اور موٹے کپڑے کی تھی، کہنے لگی: یہ کپڑا میرے بدن کو کھائے جارہا ہے۔ شوہر بولا: میرے مقدور میں جو کچھ ہے میں کرتا ہوں۔ بے شک یہ لباس گھٹیا ہے' اگر تُو اس میں گذارہ نہیں کرسکتی تو پھر الگ ہو جانا مناسب ہے۔ غور کرلے یہ لباس بہتر ہے یا طلاق؟ اے تنگی کی شکایت کرنے والے! بلا اور فقر کا نہ ہونا جبکہ اللہ سے دُوری کا سبب ہے تو بلا اور صبر کی تلخی زیادہ بہتر ہے۔ عبادت کی سختی اللہ کی دُوری سے بہتر ہے اس لیے کہ یہ مشکلیں عارضی ہیں۔ جب خدا اپنا کہہ کر پکارے گا تو ساری کلفتیں دُور ہو جائیں گی۔

اِلہام کے ذریعے اللہ کی آواز کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا لیکن اہلِ نسبت ایک قلبی سکون ضرور محسوس کرلیتے ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ کی پکار سمجھ لو۔ اس کو سمجھنے کے لیے مجازی عاشقوں اور معشوقوں کے بارے میں سمجھ لو۔ معشوق، بیمار عاشق کی مزاج

پس بداں کہ صُورتِ خُوبِ نکو	با خصالِ بد نیرز د یک تسُو
پس جان لے کہ تیری یہ بھلی صُورت	بُری عادتوں کے ہوتے ہوئے کسی کام کی نہیں ہے

پُرسی کرتا ہے۔ اگر پیغام بھیجنا بھی ممکن نہیں تو دل میں متفکر ہوتا ہے۔ بہر حال معشوق عاشق کے حال سے بے خبر نہیں ہوتا۔ عشق بازوں کی داستانیں پڑھ تو یہ باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ اللہ سے دُوری سب سے بڑی بُرائی ہے۔ تمام عمر تُو نے اس بُرائی کے ازالے کی کوشش نہیں کی۔ اگر تُو دنیا کے حالات سے ہی تنبیہ حاصل کر لیتا تو اب تک اُستاد بن جاتا۔ نہ تُو نے اپنے آباؤ اجداد سے عبرت حاصل کی اور نہ زمانے کے تغیر و تبدل سے۔

ایک عارف کا ایک پادری سے سوال "تُو داڑھی سے زیادہ عُمر کا ہے یا داڑھی تجھ سے؟"

ایک عارف مرد نے بوڑھے پادری سے پوچھا کہ تمہاری عمر زیادہ ہے یا تمہاری داڑھی کی؟ وہ بولا: یہ میرے بعد پیدا ہوئی تھی۔ عارف نے کہا کہ تیری داڑھی تیرے بعد پیدا ہوئی اور کالی سے سفید ہو گئی ہے۔ لیکن تیری بُری عادتیں ویسی کی ویسی ہی رہیں۔ تُو اس سے پہلے پیدا ہوا پھر بھی تجھ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ تُو دہی کی دہی ہی رہا روغن نہ بنا۔ تُو نے گھاس کی طرح مٹی میں اپنا پاؤں جما رکھا ہے۔ اگر چہ ہوس کی ہوا تجھے ہلاتی رہتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم چالیس سال تک تیہ کے میدان ہی میں پھرتی رہی۔ تیری حالت یہ ہے کہ ہر روز بھاگتا ہے لیکن اپنے آپ کو پہلی ہی منزل پر پاتا ہے۔

یاد رکھ! جب تک تیرا عشق دنیا سے ہے تیرا مقام نہ بدلے گا۔ جب تک موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے دل میں بچھڑے کی محبت رہی وہ تیہ ہی میں چکر کاٹتی رہی۔ جس سے تجھے محبت ہونی چاہیے وہ بچھڑا نہیں ہے۔ اُس کی ہزاروں نعمتوں سے تُو روزانہ بہرہ مند ہوتا ہے۔ جو خدائی نعمتیں تجھے ملی ہیں تیرا ہر جزو بدن اُس کا گواہ ہے۔ اپنے اجزاء سے اُن نعمتوں کے بارے میں پوچھ لے۔ تُو ہر طرح کے افسانے سننے کا شوقین ہے۔ ان اجزاء سے اللہ کی نعمتوں کے افسانے بھی سُن۔ تُو جب سے وجود میں آیا ہے تیرے ان اجزاء نے بے شمار خوشیاں اور غم دیکھے ہیں۔ غم تو تجھے یاد ہیں لیکن خوشیاں نہیں۔ حالانکہ خوشیاں دیکھنے کی یہ دلیل ہے کہ ان اجزاء نے خوشی کی لذت ہی سے نشو و نما پائی ہے اور تُو بچپن سے جوان اسی لذت کی وجہ سے ہوا۔ تیرے اجزاء تو باقی ہیں لیکن وہ خوشیاں تیرے حافظے سے نکل گئی ہیں۔ نکلی تو نہیں ہیں، تیرے حواسِ خمسہ سے چُھپ گئی ہیں۔ جاڑوں اور گرمیوں کا موسم چلا جاتا ہے لیکن اُن کی یادگاریں روئی اور ٹھنڈا پانی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی پہلی نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں اور اُن کی یادگار جسم کا جزو جزو باقی رہ جاتا ہے، جماع کی لذت ختم ہو جاتی ہے اُس کی نشانی اولاد باقی رہ جاتی ہے۔ درختوں کا پھلنا پھولنا اس کی دلیل ہے کہ ان درختوں نے موسم بہار کے ساتھ عشق بازی کی ہے۔

چوں بود خلقش نکو در پاش میر	دَر بود صُورت حقیر و ناپذیر
اور اسکے اخلاق اچھے ہیں تو اُسکے قدموں میں جان دیدے	اگرچہ کسی کی صُورت دِلکش نہیں ہے

حضرتِ حق کے حکم سے ہر درخت اسی طرح حاملہ بنتا ہے جس طرح حضرت مریم علیہا السلام بنی تھیں۔ پانی میں آگ کی گرمی نظر نہیں آتی لیکن اُس کے آثار یعنی بلبلے نظر آتے ہیں اور ہوا کی گرمی کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ جس طرح ان چیزوں سے مؤثر پوشیدہ ہے اور ظاہری آثار اُس پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ وصالِ حق سے مست ہو جاتے ہیں اُن کے اجزاء میں حال وقال مخفی ہے اور اُن مستوں کے اجزاء اُن پر دلالت کرتے ہیں۔ حال وہ کیفیت ہے جو مشاہدۂ حق سے انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ قال سے مراد بھی وہ مضامین اور کلامِ نفسی ہے جو مشاہدۂ حق سے پیدا ہوتا ہے۔ جس انسان پر حال طاری ہوتا ہے تو حیرانی میں منہ کھلا رہ جاتا ہے اور آنکھ دنیا کے نقش نہیں دیکھ پاتی۔ وہ حال وقال چونکہ عنصری نہیں ہے لہٰذا عنصری آنکھیں اُن کو نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ تجلّیٔ حق کی پیداوار ہے لہٰذا بے رنگی کے پردہ میں مخفی ہے۔ اِن دونوں کو جنا ہوا کہنا محض سمجھانے کے لیے ہے ورنہ وہاں جننے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جب تک خدائی حکم نہ ہو اُس وقت تک حال اور قال کی تفصیل نہ کر۔

یہ حال وقال خود زبانِ حال سے گویا ہیں۔ تُو خود چپ رہ اُن کی بات سُن۔ حال وقال اللہ سے وصل کے گواہ ہیں۔ برف اور ٹھنڈی ہوائیں جاڑے کی یاد دلاتی ہیں۔ گرمیوں کے میوے موسم گرما کی یاد دلاتے ہیں۔ گزری ہوئی نعمتوں کے بارے میں اپنے اجزاء سے پوچھ لے یا خود یاد کر لے۔ جب تجھے مصائب گھیریں اور اُن کی وجہ سے تم پر غم وغصہ طاری ہو تو اُس غصے سے یہ دریافت کر کہ اگر تو ان نعمتوں کا منکر ہے تو پھر بتا کہ تیرے جسم نے نشوونما کیسے پائی؟ جسم پھولوں کا ڈھیر ہے اور فکر اُس کا عرق ہے۔ تعجب ہے کہ عرقِ گلاب، گلاب کا انکار کرے۔ کفر بُرائی اور شکر تعریف ہے۔ خدا کرے ناشکر گزار لوگ گھاس کے تنکے تک سے محروم ہو جائیں اور شکر گزاروں پر علوی چیزیں نثار ہو جائیں۔ ناسپاسی بندروں کی خصلت ہے اور شکر گزاری انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ ناشکر گزار دنیا میں بھی رُسوا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ محض تن پرور لوگ کتوں کی مانند ہیں اور جن لوگوں نے مجاہدات میں بدن کو ویران کیا ہے اُن کی رُوحیں نور اور عزت کا خزانہ بن گئی ہیں۔ اگر یہ چھپے ہوئے نہ ہوتے تو فلاسفر گمراہ نہ ہوتے۔ اِن خزانوں کو سمجھنے کے لیے عقلِ دین کی ضرورت ہے۔ جو محض دنیاوی عقل رکھتے ہیں اُن کی بیوقوفیاں زمانے میں نمایاں ہو گئیں۔

فقیر جو بغیر کمائی اور مشقت روزی کا طالب تھا

عقلِ دنیاوی بعض اوقات انسان سے بہت سی بے وقوفیاں سرزد کرا دیتی ہے۔ ایک مفلس دردسے اللہ کے حضور دُعا کرتا کہ اے اللہ! تُو نے مجھے پیدا کیا، اس میں میرے کسب کا دخل نہیں تھا۔ مجھے زندہ رکھا

آنچناں کُن کاں دہانہا مر تُرا	در شب و در روز ہا آرد دُعا
دُوسروں کے مُنہ تیری نیکیوں کی وجہ سے	دن رات تیرے لئے دُعائیں کرتے رہیں

اور بہت سی دیگر خوبیاں عطا کیں، اسی طرح بغیر کسب کے روزی بھی عنایت فرما۔ دُعا کے دوران اُس پر مختلف کیفیتیں گزر رہی تھیں۔ کبھی نا اُمید ہو جاتا۔ کبھی محسوس کرتا کہ دُعا قبول ہو گئی ہے۔ انسان میں مختلف کیفیتیں اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے پیدا فرماتا ہے۔ کبھی بلندی عطا فرماتا ہے، کبھی پستی۔ دنیا کے کام دونوں صفتوں سے مکمل ہوتے ہیں۔ زمین کو پست کیا، آسمان کو بلند کیا، تب ہی دورانِ فلک ہو سکا۔ یہ دو صفتیں دو الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک چیز میں دونوں کا ظہور ہے۔ بنجر پڑا رہنا زمین کی پستی ہے، سرسبز ہونا بلندی ہے۔ انسانی مزاج کی پستی اور بلندی اُس کی جسمانی اور رُوحانی بیماری اور صحت ہے۔

دنیا کے اَحوال کو یوں سمجھ لو کہ اس میں قحط بھی ہے ارزانی بھی، صلح بھی ہے جنگ بھی۔ عالم کا بقا انہیں متضاد کیفیتوں کی وجہ سے ہی ہے۔ جانوں میں اُمید و بیم؟ اسی وجہ سے ہے۔ یہ متضاد کیفیتیں اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ عالمِ آخرت کی قدر ہو کہ وہاں راحت ہی راحت ہے، مصائب نہیں ہیں۔ نمک کی کان میں جو چیز پہنچ جاتی ہے نمک ہی ہو جاتی ہے۔ قبر، عالم آخرت کی ابتداء ہے وہاں جا کر نیرنگی ختم ہو جاتی ہے۔ قبریں جسموں کے لیے نمک کی کان کی طرح ہیں اور اَرواح کا نمکسار عالمِ آخرت ہے۔ عالمِ آخرت میں نیا پرانا نہیں ہے بلکہ وہاں ہر چیز نئی ہی ہے کیونکہ نئے پن سے پرانا ہونا بے رنگی ہے۔ عالمِ آخرت کی یک رنگی اسی طرح کی ہوگی جیسے کہ حضور ﷺ کے نور سے مختلف قسم کے کفر کی تاریکیاں ایک قسم کے نور میں تبدیل ہو گئیں۔

عالمِ آخرت کی یک رنگی پوشیدہ ہے لیکن محشر کی یک رنگی سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اُخروی ملتیں اس دنیا میں چتکبرے بیل کی طرح ہیں کہ اُس میں مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اِنہی اُخروی باتوں کے بارے میں مختلف قسم کے خیالات ہیں اور مذہبی باتوں میں زبان کا تکلا مختلف رنگ کا دھاگہ کات رہا ہے۔ اِس دنیا میں حقائق پر پردہ ہے اس لیے بعض جگہ باطل غالب اور حق مغلوب ہے۔ یہ پردہ اس لیے ہے کہ اہلِ باطل بھی کچھ دن مزے اڑا لیں۔ حقائق مخفی ہیں اور ظاہر ہونے کے منتظر ہیں لیکن حق کا غلبہ ہوگا اور باطل فنا ہونے کی ہی چیز ہے۔ قیامت کا دن عید کا دن ہوگا جس میں مومن خوشی منائیں گے اور کفار ہلاک ہوں گے۔

مومنوں کی مثال دریائی پرندوں کی سی ہوگی جو سمندر کی سطح پر تیر رہے ہوں گے اور پُل صراط پر سے آرام سے گزر جائیں گے۔ نجات اور ہلاکت پورے ثبوت کے ساتھ ہوگی۔ بدباطن لوگوں کو ویسی ہی غذا ملے گی جیسی وہ دنیا میں کھاتے تھے۔ ذاتِ حق کے طالبوں کی غذا دیدارِ الٰہی ہوگا، جس کی وہ عمر بھر تمنا کرتے رہے۔ کافروں سے جہاد، جہادِ اصغر کہلاتا

از دہانے کہ نکرد ستی گناہ
اُن مونہوں سے جن سے تُونے کوئی گناہ کی بات نہیں کی

آں دہانِ غیر باشد عُذر خواہ
دُوسروں کے وہ مُنہ تیرے لیے عُذر خواہ ہوں گے

ہے اور اپنے نفس سے جہاد کو جہادِ اکبر کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ مرد تو بہت سے مکمل ہوئے لیکن عورتوں میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا مکمل ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے کھانوں میں ثرید افضل ہے۔ وہ مرد جو زنانہ صفت ہیں آخرت میں اُن کی یہ صفت واضح ہو جائے گی۔ قیامت کا دن ہوگا' وہاں پاؤں جوتا پہنے گا اور سر ٹوپی تاکہ ہر طالب کو اُس کا مطلوب مل جائے اور ہر انسان اپنے صحیح مقام پر پہنچ جائے۔ اللہ کے یہاں انصاف ہے۔ ہر طالب اُس کا مطلوب بن جاتا ہے۔ تپش کا مطلوب سورج اور پانی کا مطلوب ابر ہے۔ بعض اوقات دنیا میں بھی حق تعالیٰ کے قہر کا ظہور ہو جاتا ہے۔ ظالموں پر قہرِ خداوندی نازل ہوتا ہے۔ جن پر قہرِ خداوندی نازل ہوا اُن کا انجام دیکھ لو۔ اُن کے بکھرے ہوئے اجزاء زبانِ حال سے شرح کر رہے ہیں۔ جن پر قہرِ خداوندی ہے مرنے کے بعد صرف قبر کے ڈھیر کی مٹی اُن کا نشان رہ جاتا ہے اور وہ بھی چند دن کے بعد مٹ جاتا ہے۔

جس کو جس شخص کے ساتھ اِس دنیا میں مناسبت ہوتی ہے قدرت آخرت میں اُس کا جوڑا اُس کے ساتھ لگا دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوڑا ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوجہل کے ساتھی عتبہ اور ذوالخمار کاہن ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام اور رُوحوں کا قبلہ سدرہ ہے۔ پیٹ کے بندوں کا قبلہ دستر خوان ہے۔ باخدا انسان نورِ وصال کا طالب ہے اور فلسفی وہم و گمان کا۔ زاہد کا مقصود خدا ہے اور لالچی کا دولت۔ کوئی روٹی کا عاشق ہے اور کسی کو خدائی مست بنا دیا گیا کیونکہ اُن میں اپنی اپنی نسبت کے آثار تھے۔ جب انسان اپنی عادتوں پر خوش ہے اور وہی جزا کا سبب ہیں تو اُس کے مناسب ہی اُس کی جزا ہے۔ پھر اُس سے گریز کیوں کرتا ہے؟ جب زنانہ پن پسند ہے تو پھر دوپٹہ اوڑھنا بھی پسند ہونا چاہیے۔

اُس گنج نامہ کا قصہ کہ اُنھوں نے کہا، قُبّہ کے پہلو قبلہ رُخ تیر چلا، جس جگہ تیر گرے گا، وہیں خزانہ ہے

ایک درویش کو ہاتف نے نیند میں آواز دی کہ ردی فروش کے یہاں جا۔ وہاں سے ایک پرچہ پکڑ اور جو اُس میں لکھا ہو اُس پر عمل کر۔ اُس نے پرچہ لیا تو لکھا تھا کہ فلاں قُبّہ کے پاس جا کر قبلہ رُخ ہو کر تیر چلا' جہاں وہ تیر گرے گا وہیں خزانہ مدفون ہے، اُسے نکال لے کیونکہ تیرے سوا اُسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر ملنے میں دیر لگے تو کام میں لگے رہنا اور لَا تَقْنَطُوْا "تم مایوس نہ ہو" کو یاد رکھنا۔ جا محنت کر۔ جوان ہوش میں آیا تو خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ اگر اللہ اُس کی حفاظت نہ فرماتا تو وہ خوشی سے پھٹ جاتا۔ اُس کی خوشی کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ نے اُس کی دُعا کا جواب دیا

کاے کلیم اللہ زمن میجو پناہ	بادہانے کہ نکردی تو گناہ
اللہ نے موسیٰ سے فرمایا "میری پناہ چاہ" اے کلیم!	اُس منہ سے جس سے تُو نے گناہ نہ کیا ہو

تھا۔ جس طرح اُس کی قوتِ سامعت حجابات سے گزر کر سامع بن گئی۔ اسی طرح یہ کب ہوگا کہ اُس کی چشمِ دل، حجابات سے گزر جائے اور اُسے قلبی مُشاہدہ عطا ہو۔

جب سالِک کی قوتِ سامعہ اور باصرہ حجابات کو طے کر جاتی ہیں تو پھر اُس کو مسلسل اللہ تعالیٰ کی دید اور کلام حاصل ہونے لگتا ہے۔ اُس کے قلب پر واردات ہونے لگتی ہے اور معارفِ لدنی اُسے حاصل ہونے لگتے ہیں۔ وجودِ حقیقی، فنا کی تلوار اُس پر چلاتا ہے اور یہ فانی ہو کر باقی باللہ ہو جاتا ہے اور حضرتِ حق کی صفتِ علیمیہ سے مستفید ہونے لگتا ہے۔

خوشی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اُسے خزانہ مل جائے گا۔ ہاتف کی آواز سنتے ہی وہ پڑوسی ردی فروش کی دُکان پر گیا اور وہ پرچہ اُسے مل گیا۔ دکاندار سے سلام دُعا کر کے فوراً واپس آ گیا۔ وہ حیران تھا' تنہائی میں جا کر اُس نے اُسے دیکھا تو وہی کچھ لکھا تھا جو اُس نے خواب میں دیکھا۔ وہ کہنے لگا: اس قدر قیمتی پرچہ ردی کے کاغذوں میں کیسے پڑا رہا؟ پھر اُسے خیال آیا کہ جب اللہ کسی چیز کا محافظ ہو تو اُسے کوئی غیر مستحق کیسے لے جا سکتا ہے۔ اگر کوئی بیابان سونے سے بھرا ہو جو سب کو نظر آئے تب بھی اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی اُس میں سے دَمڑی بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ ہی پیدا کرتا ہے ورنہ سب کچھ بے کار ہے۔ اللہ اگر چاہے تو بغیر اسباب کے بھی مُسبّب کو پیدا فرما دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ گریبان میں ڈالنے سے چمکنے لگا تھا اور اُن کو یہ دکھا دیا گیا کہ جس نور کو تم آسمان سے طلب کرتے ہو وہ تمہارے گریبان میں بھی ہے۔ گریبان میں سے نور عطا کرنے میں اُن کے لیے یہ تنبیہ بھی مقصود تھی کہ بلند آسمان بھی انسان کی قدرتِ مدرکہ عقلِ کامل کا عکس یعنی تابع ہے۔ اِس لیے انسان آسمانوں سے افضل ہے۔ بعض احادیث میں ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ "سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا"۔ عقل سے مراد عقلِ کامل ہے جو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ عقلِ کامل کی افضلیت جس قدر سمعی ہے وہ تو ظاہر ہے اور اُس کا کشفی حصہ اہلِ قال کی سمجھ سے باہر ہے۔ کیونکہ اُس کی اور اہلِ قال کی سمجھ کی مثال عنقاء اور مکھی کی سی ہے۔

وہ پرچہ جو اُسے ردی فروش کی دُکان سے ملا تھا اُس میں لکھا تھا کہ شہر سے باہر ایک خزانہ مدفون ہے۔ مزار کے قُبّہ کی طرف پشت کر کے قبلہ کی جانب تیر چلا۔ جہاں تیر گرے وہاں کھود۔ وہ ایک سخت کمان لایا۔ زور سے تیر چلایا۔ زمین کو کھودتا گیا لیکن خزانے کا نشان نہ پایا۔ وہ ہر روز تیر پھینکتا اور جگہ کو کھودتا۔ یہ بات عوام میں مشہور ہوگئی، ہوتے ہوتے بادشاہ تک پہنچ گئی۔

اُس جوان کو جب پتہ چلا کہ میرے خزانے کا پتہ بادشاہ کو بھی ہوگیا ہے تو ڈر کے مارے اُس نے وہ پرچہ بادشاہ

گفت مُوسیٰ من ندارم آن دہاں	گفت مارا از دہانِ غیر خواں
مُوسیٰ نے عرض کیا، میرا مُنہ ویسا نہیں ہے	فرمایا! مجھے دُوسروں کے مُنہ سے پکار

کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب سے یہ پرچہ ملا ہے میں روزانہ تیر پھینک کر کھدائی کر رہا ہوں لیکن تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا آپ کوشش کر دیکھیں۔ ہو سکتا ہے آپ کو مل جائے۔ چھ ماہ تک بادشاہ تیر چلاتا رہا اور کنویں کھودتا رہا مگر سوائے پریشانی اور غم کے کچھ نہ ملا۔ جب بادشاہ کو خزانہ ملنے میں تاخیر ہوئی تو وہ رنجیدہ ہو گیا۔ پرچہ جوان کو واپس کر دیا کہ اگر تجھے اور کوئی کام نہیں ہے تو تیر چلاتا رہ اور زمین کھودتا رہ۔

بادشاہ کی جستجو عقلی تھی، وہ مایوس ہو گیا۔ اُس فقیر کی جستجو عشق کی بنیاد پر تھی اس لیے وہ مایوس نہ ہوا۔ عشق بے پرواہ ہوتا ہے اور کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اُسے ہمیشہ اپنا مقصد حاصل ہونے کی اُمید رہتی ہے۔ وہ اپنی ہر چیز لٹا دیتا ہے اور ننگ و ناموس کی بھی پروا نہیں کرتا اور چکی کے نچلے پاٹ کی طرح مصائب جھیلتا ہے اور مقصد سے رُوگردانی نہیں کرتا۔ اُس کا کام غرض سے خالی ہوتا ہے۔ عقل ہمیشہ فائدے کی طرف دوڑتی ہے۔ اللہ کے کام بھی غرض کے بغیر ہوتے ہیں۔ اُس نے انسان کو وجود بغیر کسی غرض کے عطا فرمایا ہے۔ عاشق بھی اپنا وجود اللہ کی جناب میں بغیر غرض کے پیش کر دیتا ہے۔

اصل جواں مردی یہی ہے کہ بغیر کسی غرض کے خود کو پیش کر دیا جائے۔ اس طرح کی جوان مردی ظاہر پرستوں میں نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ (ظاہر پرست) عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں یا دوزخ سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے۔ بے غرض لوگ صرف ذاتِ خداوندی پر قربان ہیں۔ جب بادشاہ نے پرچہ اُسے واپس کر دیا تو وہ ہر طرح سے مطمئن ہو کر اپنی دُھن میں لگ گیا۔ جس طرح کتا اپنے زخم کا علاج خود کرتا ہے اسی طرح عاشق اپنے عشق میں کسی دوسرے کا سہارا نہیں ڈھونڈتا۔ اُس کا نہ کوئی ساتھی ہوتا ہے اور نہ کوئی محرمِ راز۔ وہ کوئی عقل کی بات نہیں سوچتا۔ اس لیے عقل کو اُس کے کاموں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ طب ہر طرح کے جنون کا علاج کر سکتی ہے لیکن عشق کے جنون کا اُس کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ تو وہ بیماری ہے کہ اگر طبیب کو بھی لگ جائے تو وہ خون کے آنسوؤں سے اپنی طب کی کتابوں کو دھو ڈالے۔ تمام عقلیں اور طبیں عشق کے معاملے میں حیران ہیں۔ تمام معشوقوں کا چہرہ اُس عشق کا برقعہ ہے جس میں جمالِ عشق پوشیدہ ہے۔ صورت پرست اِن صورتوں کو مقصود سمجھ بیٹھے ہیں اور اُن کو اپنا رفیق بنانا چاہتے ہیں حالانکہ عشق کا کوئی رفیق نہیں ہوتا۔ جب عشق میں کوئی رفیق نہیں ہے تو کسی دوسرے کی جانب رفاقت کی نظر سے نہ دیکھ۔ تُو خود ہی اپنا رفیق ہے۔

اُس فقیر نے دل کی طرف توجہ کر کے دُعا شروع کر دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انسان کی کوشش ہی اُس کے کام آتی ہے۔ گنج نامہ نہ ملا تھا، تب بھی وہ دُعا کرتا تھا۔ اب تو اُس کو بشارت مل چکی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ دُعا کی توفیق بھی اللہ کی

گفت الدِّینُ النَّصِیحَۃ آں رسُول
رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے "دین خیر خواہی ہے" فرمایا

آں نصیحت در لغت ضدِ غلول
اور خیر خواہی لغت میں خیانت کی ضد ہے

طرف سے ہے اس لیے اپنی دُعا کی قبولیت سے پُر اُمید تھا۔ جب اُس کی اُمید اللہ تعالیٰ کی جانب اُس کو دعوت دیتی تھی تو اُس کی سب تھکن دور ہو جاتی تھی۔ ایسی رُوح جیسی اُسی فقیر کی تھی پالتو کبوتر ہے، اُسے بلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اے ضیاء الحق! جن شخصوں کی رُوح اُس فقیر کی رُوح کی طرح ہے اگر تم اُن کو اپنی جناب سے ہٹاؤ گے تب بھی وہ تمہاری محبت ترک نہیں کریں گے۔ بلا وجہ بھی بھگاؤ کے تو کبیدہ خاطر نہیں ہوں گے۔ اِس لیے کہ اُن رُوحوں کو آپ کی محبت سے غذا ملتی ہے لہٰذا وہ اُسی کے شیدائی ہیں۔ اگر کسی وقت رُوح تقاضائے عشق و محبت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے تو عشق پھر آگ کو بھڑکا دیتا ہے۔ عشق کا کوتوال دل میں کہتا ہے کہ چل محبوب کی طرف رجوع کر۔ اے اللہ! اپنے فیوض و برکات کے سمندر کو جوش دو اور مجھ بیمار کی اچھی طرح پُرسش کرو۔ حدیث ہے کہ "جو خدا کا ہو گیا خدا اُس کا ہو گیا" اگر کسی کو فی الحال یہ مرتبہ حاصل نہیں بھی ہوا تو التجا اور زاری کیے جاؤ کہ یہ بھی اُسی کا عطیہ ہے اور یہ اپنے درد کا تھوڑا سا اظہار ہے۔ جس طرح بانسری کے دو منہ ہوتے ہیں۔ ایک بجانے والے کے منہ میں ہوتا ہے اور دوسرا سننے والوں کی طرف۔ جو کچھ سننے والے سنتے ہیں، وہی ہوتا ہے جو نَے نواز کے منہ سے پھونکا جاتا ہے۔ میرے یہ نالے بھی اُس محبوب کا فعل ہے۔ جو صاحبِ نظر ہے وہ جانتا ہے کہ میری آہ و فغاں میری نہیں ہے بلکہ وہی محبوب مجھ سے کرا رہا ہے۔ بانسری کا جو کچھ نوحہ ہے وہ پھونکنے والے کی پھونکوں کا اثر ہے۔ بادشاہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ اگر یہ نالہ و زاری محبوب کی جانب سے نہ ہوتی تو اُس میں اِس قدر جذب نہ ہوتا اور وہ دنیا کو اِس کی وجہ سے لُطفِ شوق سے پُر نہ کرتا۔

اے ضیاء الحق! یقیناً آپ رات کو عشق کی آغوش میں تھے تب ہی آپ میں اِس قدر جوش و خروش ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں اپنے رَبّ کے پاس رات گزارتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے" یعنی رات کو وصالِ حق میسر آتا ہے۔ باوجود اِس کے کہ آپ نے اپنے آپ کو دریائے آتش میں ڈال دیا پھر بھی آپ زندہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام والا معجزہ پیش آیا ہے۔

اے ضیاء الحق! جب کہ آپ کے جوش و خروش سے بہت سے مستفید ہو رہے ہیں تو چند حاسدوں کے سورج پر مٹی ڈالنے سے سورج تو نہیں چھپ جاتا۔ آپ میں جو کمالات ہیں اگر کوئی اُن کے سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو میں اِس خرمن میں سے ایک جَو کی بقدر بیان کر سکتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور تھا کہ جب وہ بعض اُسرار کو چھپانے سے عاجز آجاتے تھے اور کوئی ہمراز نہیں ملتا تھا کہ جس کو سنا کر دل کو ہلکا کر سکیں تو کنویں میں منہ ڈال کر وہ راز

کہہ دیتے تھے۔ جب باہر دشمن ہی دشمن ہوں تو پھر کنواں ہی بہتر ہے۔ اس میں جان تو بچی رہے گی لیکن اب میری کیفیت یہ ہے کہ مستی کی زیادتی کی وجہ سے رازوں کے چھپانے پر قدرت نہیں ہے۔ لہٰذا اب میں علی الاعلان راز کہہ دوں گا۔ ایک توجہ مجھ پر اور ڈال دیجئے پھر میری مستی کی شان دیکھئے۔

اگرچہ فقیر کا قصہ خزانہ ملنے تک میں پورا نہیں کرسکا ہوں اور وہ اُس خزانے کا منتظر ہے لیکن مجھ پر شراب کی مستی طاری ہے۔ اب مجھے اُس کی جگہ کی تلاش کی فرصت نہیں ہے۔ اب میں فقیر کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ وہ صرف خدا کی پناہ چاہ لے۔ میں خود اپنے آپ کو فراموش کرچکا ہوں تو خزانے والے پرچے کی مجھے کیا پرواہ ہے۔ جو شراب اس قدر مصفّٰی ہے کہ اُس میں سے بال بھی نظر آجاتا ہے، اُس شراب کے پینے کے بعد انسان کو تکبر اور حُبِ جاہ کی خواہش بالکل نہیں رہتی۔ تکبر اور غرور کا یہی علاج ہے کہ انسان شرابِ عشق پئے۔ وہ خواجہ جو شرابِ عشق سے خالی ہے اور ہماری مستی کے خلاف تفاخر میں مبتلا ہے اُس کے اِس فعل کا ضرر اُسی کو پہنچے گا اور وہ خود اپنی داڑھی نوچتا ہے۔ اچھا اگر تُو ہم فقیروں سے تکبر کرتا ہے تو کرتا رہ ہمیں اِس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم اِس تکبر کی مکاریوں سے واقف ہیں۔ تجھے اپنے غرور کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ تُو اُس کی سزا فی الحال نہیں دیکھ رہا ہے لیکن ہمیں وہ نظر آرہی ہے۔ جو تکبر کے نتائج تُو سو سال کے بعد دیکھے گا ہمیں وہ ابھی نظر آرہے ہیں۔

عوام جس چیز کو آئینہ میں سے دیکھتے ہیں شیخ اُس کو اینٹ میں سے دیکھ لیتا ہے۔ گھر کے اندر کہیں رکھی ہوئی چیز داڑھی والا نہیں دیکھ سکتا بچہ اُس کو دیکھ لیتا ہے۔ محرموں کے چھپے ہوئے اعضاء بڑی عمر کا انسان نہیں دیکھ سکتا بچے اُسے دیکھ لیتے ہیں۔ اے مغرور انسان! تُو عاشق زادہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ تیرا ملجا و ماویٰ دریائے عشق ہے۔ تُو تنکے کی طرح داڑھی یعنی غرور و تکبر میں کیوں مبتلا ہے۔ تُو موتی ہے نہ کہ تنکا۔ ذاتِ حق اِک بحر ہے جسے بحرِ وحدانیت کہتا ہوں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اللہ ایک وحدت ہے لیکن اُس کی وحدت اعداد کی وحدت نہیں ہے بلکہ اُس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے" اُس کے گوہر ملائکہ اور مقربین ہیں اور اُس کی مچھلی یعنی عاشق، اُن کا وجود عین وجودِ حق ہے۔ اُس بحر کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اُس میں موجود بھی عین ذات ہے۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہُ۔ سوائے اللہ کے وجودِ مستقل سے کوئی متصف نہیں ہے۔ بھینگا ہے جس کو ایک کے دو وجود نظر آتے ہیں۔ وجودِ واجب کے علاوہ کسی اور کو وجودِ مستقل سے موصوف کرنا اور ماننا تو شرک ہے۔ بھینگے کو وجود کی وحدت سمجھانا مشکل ہے لہٰذا میں اُسے کچھ نہیں کہتا ہوں۔ مجبوراً سمجھانے کے لیے متکلمین کو کہنا پڑتا ہے کہ موجودات سے صانع کے وجود کو سمجھ لو حالانکہ ممکنات کا وجود موجود

نام پنہاں گشتن دیو از نفوس
شیطان کا نام انسانوں میں چھپ جانے کی وجہ سے ہی

و اندراں سوراخ رفتن شد خنوس
قرآن میں خناس ہے یعنی بہت ہی چھپنے والا"

ہی نہیں ہے۔

حضرتِ حق تعالیٰ کی وحدت بیانِ لفظی اور خیالی یعنی تصور سے بالاتر ہے۔ اب اگر اُسے سمجھانے کی کوشش کروگے تو لامحالہ دوئی پیدا ہوگی۔ اب یا تو بھینگے کی طرح اُس دوئی کو گوارہ کرلو ورنہ خاموش رہو یا ایسا کرلو کہ جب صاحب باطن ملے اُس کو سمجھا دو ورنہ خاموش رہو۔ جب راز دار ملے تو اُس سے توحید عارفین کی بات کرلیا کرو۔ وہ محرم ہے تو اُس کے سامنے بے شک نعرے لگاؤ۔ جب تُو غیر عارف کو دیکھے تو وہ تو ایک مشک ہے جو مکر اور مجاز سے پُر ہے۔ تُو سر بمہر مٹکے کی طرح بن جا اور ہونٹ نہ ہلا۔ وہ اُن اَسرار کا دشمن ہے جو تجھ میں ہیں اور اگر تُو ظاہر کرے گا تو وہ تجھے ستائے گا لیکن اگر وہ بغیر اظہارِ اَسرار کے بھی ستائیں تو اُن کی ایذا رسانی کی وجہ سے تُو اُن کو ایذا نہ پہنچا، صبر کر۔ اِس میں تیرا ہی فائدہ ہے' تیرے دل میں صفائی پیدا ہوگی۔ نمرود کی آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو مزید مُصفّٰی کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اُن کو ستایا تو اُن علیہ السلام کے مقامات بلند ہوگئے اور مراتبِ رُوحانی عطا ہوئے۔

شیخ ابُوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید

شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ کو اپنی بیوی کی اذیتیں برداشت کرنے سے بہت مراتب حاصل ہوئے۔ خراسان کے نزدیک گاؤں خرقان کی نسبت سے شیخ، خرقانی کہلاتے ہیں۔ اُن کا ایک مرید اپنے شیخ کی زیارت کے لیے آیا۔ وہ بہت دُور کا فاصلہ طے کرکے وہاں پہنچا۔ احترام سے کُنڈی بجائی۔ عورت نے سر باہر نکالا۔ اُس نے پوچھا: کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا: شیخ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ عورت ہنسی اور بولی اپنی داڑھی کو دیکھ۔ اِس کے ہوتے ہوئے ایسی بے وقوفی۔ تجھے اپنے گھر کوئی کام نہیں تھا کہ یہ بے ہودہ سفر اختیار کیا۔ یا تو تُو آوارہ گرد ہے یا تجھے اپنا وطن کاٹتا ہے۔ اُس نے اور بہت نامناسب باتیں کیں جن کی وجہ سے اُسے بہت غم ہوا۔ بولا: بہرحال مجھے اتنا تو بتا دے کہ شیخ کہاں ہیں؟ وہ شیخ کے بارے میں بُرے القاب سے ذکر کرکے بولی: اگر تُو اسے نہ دیکھے تو تیری خیر ہے، اِس سے تُو گمراہ نہ ہوگا۔ جو شخص بھی اُس کا مرید ہے رات کو مردہ کی طرح سویا رہتا ہے اور دن کو بھی اُس کے کوئی اشغال نہیں ہیں۔ تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ علم و کمال کو چھوڑ کر کہتے ہیں کہ یہ ایک باطنی حال ہے۔ اُن صوفیوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سُنّت کو ہٹا دیا اور نماز روزہ ختم کر دیئے ہیں۔ شریعت اور تقویٰ کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے۔ اِس وقت حضرت عُمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی ضرورت ہے کہ اُن کو راہِ راست پر ڈالے۔

تا چو فرصت یافت سر آرد بروں
جب اُس کو موقع ملتا ہے سر باہر نکالتا ہے

زیں چنیں مکرے شود مارش زبوں
اپنے مکر سے سانپ کو بھی مغلوب کر دیتا ہے

مُرید کا جواب دینا اور طعنہ زنی پر جھڑکنا

جوان کہنے لگا: بس کر تو بزرگوں اور صوفیوں کو بُرا کہہ رہی ہے۔ حالانکہ اُن کی شان یہ ہے کہ مشرق و مغرب اُن کے نور سے منور ہیں۔ اُن کی عظمت کے سامنے آسمان کا سر جھکا ہوا ہے۔ جب میرے یہ عقیدے ہیں تو تجھ شیطان کے بہکانے سے میں شیخ کے دَر کو کب چھوڑ سکتا ہوں۔ سُن لے! شیخ میں جو نور ہے وہ نورِ حق ہے اور اگر وہ نور پتھرے میں نمودار ہو جائے تو وہ قبلہ بن جائے اور اگر وہ نور قبلہ سے مفقود ہو جائے تو پھر اُس کو سجدہ کرنا کفر اور صنم پرستی بن جائے۔ تُو کہتی ہے کہ اس گروہ سے اباحت پیدا ہوئی ہے تو سمجھ لے اباحت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اباحت تو وہ ہے جسے اہلِ کلام اباحت کہتے ہیں یعنی حرام کو حلال سمجھ لینا۔ یہ خواہشِ نفسانی سے پیدا ہوتی ہے اور گمراہی ہے۔ ایک اباحت وہ ہے جو غلبۂ حال سے پیدا ہوتی ہے جیسے سماع اور وجد۔ یہ خدا کی جانب سے ہے اور کمال ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ بھی ایک شیطان ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کے برخلاف میری مدد کی اور وہ مسلمان ہو گیا''۔ جس طرف بھی وہ نورِ حق چمکتا ہے وہ مظہرِ عشق بن جاتا ہے اور خدا کا محبوب اور فرشتوں سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرانا اسی فضیلت کی وجہ سے تھا۔ تیرے بُرا کہنے سے شیخ بُرا نہیں ہو جائے گا۔ تُو اُن کے باطنی اَوصاف کو نہیں دیکھ سکتی اور ظاہر پر حکم لگاتی ہے۔ تُو بتا' اُن کے ظاہر سے زیادہ کس کا ظاہر روشن ہے؟ تمام انسانوں کے ظاہری اعمال شیخ کے اعمال کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ رُوح کے دریا کی موجیں طوفانِ نوح کی موجوں سے تیز ہوتی ہیں۔ اُن سے ڈرتی رہ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے اُن کی کشتی کو چھوڑ کر کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ ایک معمولی موج نے اُسے غرق کر دیا۔ رات کے مسافر چاند کی روشنی سے فائدہ اُٹھا کر سفر کرتے رہتے ہیں۔ کتوں کے بھونکنے سے نہیں رُکتے۔

ایک عارف باللہ شریعت اور تقویٰ کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اُس کو معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے جو کہ تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ زُہد و تقویٰ کھیتی کرنے کی کوشش کی طرح ہے اور معرفتِ خداوندی اُس کھیتی کا اُگنا ہے۔ مجاہدہ یعنی عملِ صالح اور عقیدہ جسم کی طرح ہوئے اور عقیدہ اور عمل کی جان کھیتی کا اُگنا اور کاٹنا ہے۔ تُو کہتی ہے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں جو بھلائی کا حکم دیں یعنی شیخ میں بھلائی نہیں ہے تو سمجھ لے وہ تو خود بھلے ہیں۔ اُن کا باطن کاشفِ اَسرار ہے۔ وہ ظاہراً اور باطناً مکمل ہیں۔ ہم لوگ پوست ہیں اور وہ مغز ہیں، اس لیے ہم اُن کے غلام ہیں۔ اگر وہ أَنَا الْحَقّ کہیں اور ظاہر بینوں کے نزدیک حد سے تجاوز کر جائیں اور اُس کی وجہ سے ظاہر بین غصّہ میں مبتلا ہوں تو وہ بھی خلافِ شرع نہیں ہے۔ جب

صد ہزاراں امتحانست اے پدر	ہر کہ گوید مَن شدم سرہنگِ دَر
جو یہ کہے کہ میں اللہ کے دَر کا سپاہی ہوں	اُس کیلئے حق کی طرف سے ہزاروں آزمائشیں ہوتی ہیں

بندے کی اپنی ہستی اُس کے ذہن سے فراموش ہو جاتی ہے تو پھر وہ خود نہیں رہا اور تب سوائے خدا کے کچھ نہیں رہا۔ اگر تیرے پاس حقیقت بین آنکھ ہے تو غور کر لے۔ اگر اب بھی کوئی اَنَا الحَقّ پر اعتراض کرے تو آسمان کی طرف تھوکنا ہے جس کی بُرائی خود اُسی پر آئے گی۔

بزرگوں کی تکفیر کرنے والوں پر خدا کی تُف قیامت تک رہے گی، جس طرح ابولہب کے بارے میں سُوْرَۃُ اللَّھَبْ میں بددعا مسلسل برس رہی ہے۔ جبکہ شیخ شاہ ہیں اور شاہ جھنڈے اور نقارے کا مالک ہوتا ہے تو اُن کو پیٹو وہی کہے گا جو خود کتا ہوگا۔ شیخ تو نورِ حق ہے اور بقائے کائنات اُس کے طفیل ہے۔ اسی لیے تو چونکہ وہ نور ہے جو حضور ﷺ میں تھا اور جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا۔ اگر شیخ کو وہی نور حاصل ہوا ہے تو پھر اب تمام عالَم اُسی کے طفیل ہیں۔ چونکہ اُس میں وہی نور ہے کہ اگر وہ نور نہ ہوتا تو زمین و آسمان نہ ہوتے لہٰذا آسمانوں کی گردش، سمندروں اور زمین کی یہ رونقیں سب اُسی کے طفیل ہیں۔ رزق خوروں کا رزق اور پھلوں کی بارش اُن کے طفیل ہے۔ فقراء کو جو صدقہ وغیرہ دینے کا حکم ہے تو یہ عجیب لطیفہ ہے کہ فقراء اور مشائخ ہی کے طفیل جمیں یہ دولت ملی ہے تو گویا اُنہوں نے ہی عطا کی۔ اب ہم سے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے تمہیں صدقہ دیا ہے تم اُن کو دو یعنی ہم فقیروں سے کہا جا رہا ہے کہ تُو غنی فقیر کو صدقہ دے۔

مرید بولا: ایسے شیخ کے گھر میں تجھ جیسی عورت ہے۔ مجھے شیخ سے نسبت ہے ورنہ میں تیرے ٹکڑے کر ڈالتا۔ تجھے بھی شیخ سے ایک نسبت ہے اس لیے تُو میرے ہاتھ سے بچ گئی۔ بیوی کو ملامتیں کرنے کے بعد مرید شیخ کی جستجو میں لگ گیا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ شیخ جنگل میں لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیطان نے شیخ کی بیوی کے سلسلے میں مرید کے دل میں وسوسے پیدا کرنے شروع کر دیئے کہ ایسی بدزبان عورت کو شیخ نے اپنی بیوی کے طور پر کیوں رکھا ہوا ہے؟ شاید شہوت سے مغلوب ہے۔ یاد رکھو! اس قسم کی بدعورت کا شیخ کی بیوی ہونا بھی خدائی تصرف ہے۔ وہ خود مصلحت جانتا ہے، ہمیں اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ وہ لَاحَوْلَ پڑھتا لیکن نفس پھر اُس کے دل میں وسوسہ پیدا کر دیتا۔ مرید اسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ شیخ کو ایک شیر پر سوار آتے دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ شیر غرا رہا ہے اور اُس کی کمر پر لکڑیاں لدی ہیں اور شیخ اُن لکڑیوں پر بیٹھے چلے آ رہے ہیں اور ہاتھ میں ایک سانپ ہے جس سے کوڑے کا کام لے رہے ہیں۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ ہی نہیں بلکہ ہر شیخ مست شیر پر سوار ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا شیر نظر آ رہا ہے، دوسرے شیوخ کے شیر عوام کو نظر نہیں آتے۔ صرف اُن لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کو چشمِ بصیرت حاصل ہے۔ بزرگوں کی سواری میں لاکھوں شیر

گر ندانند عامہ اُو را اِمتحاں
عوام اُن آزمائشوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے

پختگانِ راہ جویند ش نشاں
لیکن راہِ خُدا کے پختہ کار جان جاتے ہیں

ہیں جواُن کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ شیر اُن کے نفسِ امّارہ ہیں جواُن کے غلام بن گئے ہیں۔

شیخ نے مرید کو دیکھا تو ہنس پڑے۔ اُن کو اُس کے دل کے وسوسے کا علم ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے تمام وسوسے اُس پر ظاہر کردیئے اور اُس کا جواب دیا کہ اُس کو میں نے نفسانی خواہش کے لیے بیوی نہیں بنا رکھا بلکہ اپنے نفس کی اصلاح اور صبر کی طاقت بڑھانے کے لیے رکھا ہوا ہے۔ ہماری مثال بختی اونٹوں کی سی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا بوجھ مستی اور بے خودی سے برداشت کرتے ہیں۔ میں بھی خدا کے احکام کے بارے میں کچّا نہیں کہ کسی معاملے میں عام بدنامی اور خاص بدنامی سے ڈروں۔ ہمارا واسطہ فرمانِ خداوندی سے ہے عوام یا خواص سے نہیں۔ مجھے لوگوں کی تعریف کی پرواہ ہے نہ ذلت کی۔ کسی سے علیحدگی یا کسی کے ساتھ رہنا اپنی خواہش سے نہیں ہے بلکہ منشائے خداوندی کے مطابق ہے۔ اُس بے وقوف بیوی ہی کا کیا ہے، اُس جیسے سینکڑوں کا بوجھ محض رضائے خداوندی کے لیے برداشت کرتا ہوں۔

جس قدر تعلق مع اللہ اور اُس کے احکام کے اتباع کا ذکر ہے یہ تو ہمارے شاگردوں کو بھی حاصل ہے۔ اللہ کے کرم سے ہمارا مرتبہ تو اُن سے بہت بلند ہے۔ ہم ذاتِ لامکانی کے مُشاہدے میں رہتے ہیں جہاں نور ہی نور ہے اور تصور اور خیال سے بالاتر ہے۔ یہ ساری گفتگو اپنے مقام سے بہت نیچے آکر کی ہے تاکہ تُو سمجھ سکے اور صبر کی عادت ڈال لے۔ جب تُو کمینوں کی کمینگی کو برداشت کرے گا تو رسولوں کی سُنّت کا حامل بن جائے گا۔ رسولوں اور نبیوں نے کمینوں کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں اور صبر کیا ہے۔ ابرار اور اشرار کی یہ آویزش آج کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں ہر چیز کی ضد پیدا کی گئی تاکہ ہر چیز کا پورا اعلیٰ ظہور ہو سکے۔

"مَیں زمین میں قائم مقام بنانے والا ہُوں" کی حکمت

جبکہ ایک چیز کا ظہور اُس کی ضد کے ظہور پر موقوف ہے اور حق تعالیٰ کی کوئی ضد نہ تھی تو حق تعالیٰ نے اپنا ایک خلیفہ بنایا تاکہ اُس کے اَوصافِ کمال، حضرتِ حق تعالیٰ کے اَوصاف کا آئینہ بن جائیں۔ اللہ نے اپنے اِس خلیفہ میں اِثباتی صفات ودیعت فرمادیں اور اُس کے بالمقابل ایک مخلوق ایسی پیدا فرمادی جو تاریکی سے پُر ہے۔ اب دو شخصیتیں رونما ہو گئیں ایک سفید اور دوسری سیاہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان۔ دونوں قسم کی مخلوق میں متضاد اَوصاف ہیں اور ہر ایک اللہ کی متضاد صفات کا مظہر ہے۔ سب سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان اِن صفات کے مظہر ہیں۔ پھر ہابیل اور قابیل مظہر بنے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود میں کشمکش ہوئی اور مظہر بنے تو آگ کو دونوں کا حَکم بنا دیا گیا اور اُس نے فیصلہ کردیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حق پر ہیں اور نمرود باطل پر۔

گفت یزداں از ولادت تا بحین اللہ نے فرمایا ہے کہ پیدائش سے موت تک	یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّتَیْن وہ لوگ ہر سال میں دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں

ہر زمانے میں اِس طرح کے دو گروہوں کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں بھی یہی کشمکش تھی اور اُن کی جنگ نے طول پکڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی جنگ میں دریائے نیل کو حکم دے دیا۔ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جتا دیا اور فرعون غرق ہوگیا۔ ثمود چیخ کے عذاب سے اور قوم عاد کو تیز ہوا نے ہلاک کر ڈالا۔ قارون کے لیے زمین جیسی بُردبار چیز کو سببِ عذاب بنادیا اور وہ اُس کو اژدہے کی طرح نگل گئی۔ بُردبار زمین قارون کے لیے قہر آلود ہوگئی۔ وہ تو غذا جیسی چیز کو جو انسان کی مددگار ہوتی ہے موت کا سبب بنادیتا ہے۔ چاہے تو گرم کپڑوں میں برف جیسی ٹھنڈک پیدا فرمادے۔ اصحاب اَیکہ پر عذاب آیا تو اللہ نے در و دیوار کو حکم دے دیا کہ اُن پر سایہ نہ کریں، وہ لوگ سورج کی گرمی سے مر گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل میں مقابلہ رہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ ابوجہل کے ہاتھ کی کنکریوں نے اُن صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔ اُس نے یہ معجزہ دیکھ کر بھی سرِ تسلیم خم نہ کیا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا غور و فکر درست نہ تھا۔ اگر انسان کی نظر میں گہرائی نہ ہو تو وہ مفید نہیں ہوتی۔

قرآن پاک میں ہے: فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ ”دو مرتبہ نظر ڈال“ نظر کی تکرار بھی کسی کی نظر کو گہرائی میں لے جاتی ہے۔ نظر کے درست ہونے کی یہ بھی ایک شرط ہے کہ خدا کے نیک بندوں سے جو حق کے متبع ہوں مدد حاصل کی جائے۔ ورنہ محض فلاسفر کی طرز پر غور کرنا تو ٹھنڈے لوہے کو کاٹنا ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جسموں کو حیات بخشنے والے ہیں اور اہل اللہ رُوح کو زندہ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر اُن کی صحبت اختیار کرے گا تو تجھے صحیح نظر حاصل ہو جائے گی۔ چونکہ تُو فاسد اوہام میں مبتلا ہے لہٰذا اپنے ہم جنس فلسفی کے پاس آتا جاتا ہے اور چونکہ وہ بھی فاسد خیالات میں مبتلا ہے وہ تجھے کبھی صحیح نظر نہیں عطا کر سکتا۔ وہ خود عقلِ سلیم سے بیگانہ ہے اِس لیے وہ اپنے وجود کو بھی ایک موہوم شے سمجھتا ہے جبکہ وہ اپنی عقل اور وجود سے بیگانہ ہے تو اُس میں حسِ لطیف بھی باقی نہیں۔ اِس لیے اُس کی صحبت تیرے لیے نفع بخش نہیں ہے۔

حضرتِ حق تعالیٰ کا ظہور مخلوق کے وجود کے واسطہ سے ہے۔ یہ بات عوام نہ سمجھ سکیں گے لہٰذا خاموشی اختیار کرو ورنہ سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اِس لیے صحیح نظر اور اِمعانِ نظر کی بات کرنی چاہیے۔ اِمعان کے معنیٰ چشمہ کو جاری کرنے یا روانہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ رُوح جسم سے جدا ہو کر روانہ ہوتی ہے اِسی طرح اِمعان کے معنیٰ نظر کو گہرائی کی طرف روانہ کرنے کے ہیں۔ حکیم بوعلی سینا نے رسالہ معراجیہ میں کہا ہے کہ انسان میں دو رُوحیں ہیں۔ ایک کو رُوحِ حیوانی کہا جائے گا جو لطیف بخارات ہیں اور ایک رُوحِ انسانی جو بدن سے نکل کر روانہ ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح اِمعانِ

امتحاں بر امتحانست اے پدر
اے بابا! اِس راہ میں ہر امتحان کے بعد امتحان ہے

ہیں بکمتر امتحاں خود را مخر
کسی کمتر امتحان پر پورا اُترنے پر خود پسند نہ ہو جانا

نظر میں نظر کے گہرائی کی طرف جانے کو کہیں گے۔ شیخ نے دونوں قسم کی رُوحوں کے لیے دو لقب تجویز کیے ہیں ایک کو جان کہا اور دوسری کو رَوان کہا۔

حضرت ہُود علیہ السلام کا معجزہ

اس مضمون کا مقصد اُس شخص کی حالت بیان کرنے کے لیے ہے جو خدا کے حکم کو بجالاتا ہے۔ اگر وہ خدا سے دُعا کرے کہ کانٹا پھول بن جائے تو وہ واقعی پھول بن جائے گا۔ یاد رکھو! مقربینِ بارگاہ کی دُعا مقبول ہوتی ہے۔ اللہ بہت سی چیزوں کو ہوا کے طوفان کی طرح ہلاکت کا سبب اور کشتی کی طرح ذریعۂ نجات بنا دیتا ہے۔ جس طرح کشتی ذریعۂ حفاظت ہے اِسی طرح اللہ تعالیٰ اُس بادشاہ کو مُفسدین سے حفاظت کا سبب بنا دیتا ہے جس کا دراصل مقصد مُلک گیری ہوتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے مومنوں کے گرد ایک لکیر کھینچ دی کیونکہ اللہ کے عذاب کی صورت میں ہوا کا طوفان اُن کی قوم کو تباہ کرنے کے لیے آرہا تھا۔ دنیا میں لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کام کرتے ہیں جو بظاہر نقصان نظر آتے ہیں لیکن اللہ اُن سے اُن کے مقاصد کے علاوہ بعض لوگوں کے نفع کے کام بھی لے لیتا ہے۔ دُکاندار اپنے نفع کے لیے دُکانداری کرتا ہے لیکن اُس کی وجہ سے لوگوں تک اُن کی ضرورت کی اشیاء پہنچ جاتی ہیں۔ ہر انسان اپنے مقصد کے فوت ہونے سے ڈرتا ہے اور اِسی خوف کی وجہ سے نظامِ عالم قائم ہے۔ اُس اللہ کی تعریف ہے جس نے خوف کو دنیا کا معمار اور آباد کنندہ بنا دیا۔ دنیا کا ہر نیک و بد اپنے مقصود کے فوت ہونے سے ڈرتا ہے اور یہ ڈر خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص پر کوئی ذات حاکم ہے اور اُس شخص کو اُس ذات کا قرب حاصل ہے لیکن وہ ذات اُسے محسوس نہیں ہوتی۔ بے شک محسوس تو وہ نہیں ہے لیکن وہ ہر وقت تیری گھات میں ہے تاکہ تُو اپنے فرض سے غافل نہ ہو۔

اُس کو عقلِ کامل والے محسوس بھی کر لیتے ہیں لیکن عوام کے لیے غیر محسوس ہے کیونکہ اُس مکھن تک اُن کی رسائی نہیں ہے۔ خدا جس جس کا محسوس ہے وہ اِس دنیا کی ظاہری حس نہیں ہے۔ وہ دوسرے عالَم کی حس ہے۔ ظاہری حس تو حیوانات میں بھی ہے جو پیٹ اور شرمگاہ کی حرص میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ ذات جو کشتی بنا دیتی ہے اُس میں یہ قدرت بھی ہے کہ کشتی کو طوفان بنا دے یعنی وہی چیز جو ذریعۂ نجات تھی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ تیرا یہ غم اور خوشی تیرے لیے طوفان اور کشتی بنا دیے گئے ہیں اور غم کو خوشی کا سبب اور خوشی کو غم کا سبب بھی بنا دیا جاتا ہے۔ اگر تیرے غم اور خوشی تجھے نظر نہیں آتے ہیں تو اُن کے آثار سے اُن کو سمجھ لے۔ فلسفی چونکہ اِس خوف کی اصل کو جو خدا سے ہے نہیں دیکھتا ہے تو وہ

آں خدا را می رسد کو امتحاں	پیش آرد ہر دمے با بندگاں
خُدا کو یہ حق حاصل ہے کہ ہمیں آزمائے	تاکہ وہ اپنے بندوں کو ہر وقت جانچے

طبعی اسباب کو خوف کا سبب قرار دے دیتا ہے جو عموماً غلط ہوتا ہے۔
فلسفی کی مثال اُس اندھے کی سی ہے جسے کسی گنوار مدہوش نے مُکہ مارا ہو اور وہ اُس کا سبب خچر کی لات کو سمجھ لے۔ اِس لیے کہ اُس نے خچر کے ہنہنانے کی آواز سُنی تھی اور اندھے کے کان نے اُس کی آنکھ کا کام کیا' یا وہ سمجھے کہ پتھر لگا ہے۔ یعنی جس ذات نے اُس کے دل میں خوف پیدا کیا اُسی نے اُس اندھے کے دل میں یہ خیالات پیدا کیے۔ یہ خوف اور لرزہ خود بخود پیدا نہیں ہوتا۔ کسی سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ فلسفی وہم کو خلاق قرار دے کر اُس کو خوف کا خالق قرار دیتا ہے۔ یہ اُس کی کج فہمی ہے۔ وہم کسی چیز سے جب ہی پیدا ہوتا ہے جبکہ اُس چیز سے کبھی وہ چیز پیدا بھی ہوئی ہو مثلاً زید کو یہ وہم ہے کہ مجھے کوئی مار نہ ڈالے۔ یہ جب ہی ہوا جبکہ ایسے واقعات حقیقتاً ہوتے بھی ہیں۔ جب وہم کسی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے تو لامحالہ اُس حقیقت کا کوئی پیدا کرنے والا ہے جس کی وجہ سے وہ وہم پیدا ہوا۔ اُس کو اس طرح سمجھ لو کہ وہم کھوٹے سکے کی طرح ہے اور کھرا اسکہ حقیقت ہے۔ کھوٹا تب ہی چلتا ہے جب کھرا چل رہا ہو۔ جھوٹ کا رواج اس لیے ہوا کہ لوگوں نے سچ کا رواج دیکھا ہے۔ سچ کا جھوٹ پر یہ احسان ہے کہ اُس کی وجہ سے اس کا رواج ہوا۔
اہل اللہ بمنزلہ نوح علیہ السلام اور کشتی کے ہیں اور عوام بمنزلہ طوفان کے ہیں۔ انسان کے لیے شیر اور سانپ اس قدر مُہلک نہیں ہیں جس قدر دوست اور اپنے مُہلک ہیں۔ اُن کی موجودگی میں ملاقات سے وقت ضائع ہوتا ہے اور غیر موجودگی میں اُن کی یاد تمہارا فکر برباد کرتی ہے۔ دوستوں اور اپنوں کی یاد تمہاری قوتِ فکر یہ کو پیاسے گدھے کی طرح چوستی ہے۔ اُن کی یاد تعلق باللہ کو زائل کرتی ہے۔ شاخیں جب تک جڑ سے پانی چوستی رہتی ہیں اُن میں لچک رہتی ہے جیسے چاہیں موڑ سکتے ہیں۔ اسی طرح جب قُویٰ ارادیہ سے اعضاء سیراب نہیں ہوتے ہیں تو اُن میں جنبش کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ قرآن میں منافقوں کے بارے میں آیا ہے کہ "اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسلمند ہو کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی سُستی سے۔" یہ تعلق مع اللہ کا بیان عوام نہ سمجھ سکیں گے اور ان کو مُضر ہوگا۔ لہٰذا اب میں فقر اور خزانے کی بات شروع کرتا ہوں۔
تُو نے آگ تو دیکھی ہے' اب عشق کی آگ کو بھی دیکھ لے جو جان و دل کو جلا ڈالتی ہے اور صرف جان و دل کو ہی نہیں بلکہ انانیت کے خیال کو بھی جلا ڈالتی ہے۔ لیکن جس جان و دل میں قبولیت کی صلاحیت نہیں ہے اُنہیں سوزِ زندگی تو درکنار اُس آگ کی روشنی بھی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ یہ عدمِ صلاحیت کی بات ہے ورنہ وہ آتشِ عشق جب جان کو جلا ڈالتی ہے تو اُس کے جلنے سے نہ خیال بچتا ہے نہ حقیقت۔ واقعی عشق ایسی چیز ہے کہ شیر یعنی حقیقت اور لومڑی یعنی خیال

تا بما مارا نماید آشکار
تاکہ وہ ہمیں یہ ظاہر کردے (دکھا دے)

کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار
کہ ہم اُس کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں

پر بھی غالب آ جاتا ہے اور ہر دو کو فنا کر ڈالتا ہے۔ عشق سے ماسوا اللہ سب جل کر خاک ہو جاتے ہیں۔

''بسم'' دراصل ''ب'' اور ''اسم'' کا مجموعہ تھا اور ''س'' کے وصل کی وجہ سے درمیان کا ''الف'' فنا ہو گیا۔ تُو بھی اسی طرح ذاتِ اَحدیت میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔ وہ ''اِلف'' جو ''بسم'' میں چھپ گیا معنی کے اعتبار سے موجود ہے لیکن حروف کے اعتبار سے معدوم ہے۔ تُو بھی اسی طرح اُس ذات میں فنا ہو جا یعنی حسی اعتبار سے تیرا وجود رہے اور ذہنی اعتبار سے نہ رہے۔ وہ الف وصل تھا۔ جب ''ب'' اور ''س'' کا وصل ہوا وہ وصل ''اِلف'' کے وصل کو برداشت نہ کر سکا۔ جب ایک حرف بھی وصل برداشت نہیں کر سکتا تو میرا وصل باللہ میری اس تقریر کو کیسے برداشت کرے گا۔ تو میری یہ تقریر اور بیان فنا کے خلاف ہے لہٰذا مجھے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ بولنا وجود کے آثار میں سے ہے جو فنا کے منافی ہے۔ جب ''اِلف'' نے خود کو فنا کر دیا تو اب ''ب'' اور ''س'' اُس کو بتا رہے ہیں کہ اس طرح جب بندہ، فانی فی ذات اللہ ہو جائے گا تو اُس کو بقا بذات اللہ حاصل ہو جائے گا۔

آنحضور ﷺ نے جنگِ بدر میں ایک مٹھی خاک دشمنوں کی طرف پھینکی تو وہ اندھے ہو گئے' چونکہ حضور ﷺ کو مقامِ فنا حاصل تھا اس لیے اُن ﷺ کے اِس فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ جب فانی کا فعل فانی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا ہے تو اُس کا قول بھی اُس کی طرف منسوب نہیں ہو گا بلکہ اللہ کی طرف منسوب ہو گا تو لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ نے نہیں کہا بلکہ اللہ نے کہا۔

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

''اُس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ ہی کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلے ہوں''۔

مثنوی کے مضامین کلمات اللہ ہیں اور اُن کے بارے میں قرآن میں یہی کہا گیا ہے۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے اور زمین ہے اس سے اینٹیں پتھتی رہیں گی، اُس وقت تک مثنوی کے اشعار بھی دستیاب رہیں گے۔ جب یہ روئے زمین ختم ہو جائے گی اور قیامت کے دن کی ہوائیں اس کو تہ و بالا کر دیں گی تو مثنوی یعنی کلمات کا سمندر جوش مارے گا اور عالمِ آخرت میں ایک زمین اپنے لیے بنالے گا۔ چونکہ کلمات اللہ لامحدود ہیں لہٰذا مثنوی کی باتیں بھی لامحدود ہیں اُن کو بیان کیے جاؤ کوئی تنگی نہیں آئے گی۔

ہیچ آدمؑ گفت حق را کہ تُرا	اِمتحاں کردم دریں جرم و خطا
حضرت آدمؑ نے غلطی کر کے اللہ سے یہ نہیں کہا	کہ اس غلطی اور خطا میں میں نے تیرا امتحان لیا ہے

اب کلماتُ اللہ اور اَسرار کے سمندر کی باتوں سے خشکی کی طرف یعنی ظاہری باتوں کی طرف رجوع اور کچھ کھیل کود کی بات کرتے ہیں کیونکہ بچوں کے لیے یہی مفید ہیں۔ جب وہ لکڑی کی تلوار سے کھیلنا سیکھ لیتا ہے تو اصل تلوار خوب چلاتا ہے۔ کھیل کود سے عقل آشنا ہو جاتی ہے اور وہ ہُنر سیکھ لیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر عقل اور کھیل میں کوئی جوڑ نہیں ہے پھر بھی کھیل کود سے عقل آتی ہے اور عقل ہی سے کھیل آتا ہے۔ پاگل بچہ کبھی کھیل نہیں سکتا۔

قُبّہ اور خزانے کے قصّے کی طرف رجُوع

اُس مخلص فقیر کا خیال مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اُس قصّے کو پورا کروں۔ چونکہ میں اُس فقیر کا ہم راز ہوں، اُس کے بلانے کی آواز مجھے آ رہی ہے۔ اُس فقیر کو خزانہ کا طالب نہ سمجھ بلکہ وہ خود خزانہ ہے کیونکہ دوست باطن کے اعتبار سے دوست کا غیر نہیں ہوتا بلکہ مطلوب، طالب کا آئینہ ہوتا ہے اور آئینہ کی جانب سجدہ کرنا اپنے لیے ہی سجدہ کرنا ہے۔ انسان کسی چیز کا طالب کسی غرض کے لیے ہوتا ہے تو گویا وہ طالب خود مطلوب ہے۔ طالب نے مطلوب کے آئینے میں خود ہی کو دیکھا تو طلب میں اس قدر محو ہو گیا۔ لیکن اگر وہ مطلوب میں اُس حقیقت کو دیکھ لیتا جس حقیقت کے لیے ہر مخلوق اور مطلوب آئینہ ہے تو وہ اُس حقیقت کے درپے ہو جاتا اور اُس کے ذہن سے ہر مطلوبِ خیالی زائل ہو جاتا اور اُس حقیقت کے آئینہ بن جانے سے جب اُس میں سے اپنا چہرہ نظر آتا تو تُو منصور رحمۃ اللہ علیہ کی طرح "اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ" کا نعرہ لگانے لگتا۔

آدم علیہ السلام فرشتوں کے مسجود اِس لیے تھے کہ وہ مظہرِ حقیقت تھے۔ تو بنی آدم کے لیے یہ اشارہ ہے کہ وہ بھی آدم علیہ السلام کی طرح مظہرِ حقیقت ہیں اور اُن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو حقیقت کا مظہر سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی آنکھ کا بھینگا پن دُور کر دیا اور اُنہوں نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو اس طرح مہبطِ انوار دیکھا جس طرح فلک مہبطِ انوار ہے۔ منصور کا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کہنا دراصل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی تھا کیونکہ جب غیر اللہ، مظہرِ اِلَّا اللّٰہُ بن گیا تو عین حقیقت ہو گیا تو گویا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کہنا بالکل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا تھا۔ یعنی بظاہر یہ دو عنوان نظر آتے ہیں مضمون ایک ہی ہے۔

اب اِن اَسرار کا بیان اِس درجہ پر آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا کان کھینچ کر شرعی احکام کی طرف لے جائے اور حکم دے کہ شریعت کے چشمے سے منہ دھولے تاکہ ان اَسرار کے بیان کا منہ میں جو اثر ہے وہ زائل ہو جائے کیونکہ شریعت اِس طرح کے کلمات کی اجازت مغلوب الحال کے سوا کسی کو نہیں دیتی ہے اور یہ وہ اَسرار ہیں جو شریعت نے عوام سے پوشیدہ رکھے ہیں۔ اگر ان اَسرار کو بیان بھی کیا جائے گا تو اَسرار واضح نہیں ہوں گے اور اس طرح کے کلمات کہنے والا

تا بہ بینم غایتِ حلمت شہا اے شاہ! تاکہ تیری بُردباری کی انتہا کو دیکھوں	وہ کرا باشد مجالِ ایں کرا ہاں، ایسا کرنا کس کی مجال ہے؟

مجرم قرار دیا جائے گا۔ میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں وہ بھی پراگندہ باتیں ہیں جن سے اسرار کی حقیقت واضح نہیں ہوتی نیز اُن کا کہنے والا بھی میں ہوں اور سننے والا بھی میں ہی ہوں چونکہ اور کوئی سمجھنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا میں عوام سے راز ظاہر کرنے والا مجرم بھی نہیں ہوں۔ اسرار کا بیان تو اب ختم ہوا۔ اب دو باتیں اور کہنی ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے ایک درویش کا قصہ، دوسرے چشمۂ رحمت یعنی شریعت کا ذکر۔ عوام کو وہی باتیں پسند ہیں جن کا ذکر غیر خدا کا ذکر ہے اور ہمارے لیے تکلیف دہ ہیں لیکن چونکہ عوام کا مزاج بن گیا ہے لہٰذا مجبوراً ہمیں اس طرح کے قصے بیان کرنے پڑ رہے ہیں۔

چشمۂ رحمت یعنی شریعت کی باتیں ان عوام نے اپنے اوپر حرام کر لی ہیں اور دوسرے قصے جو دراصل زہر ہیں اُن کے عادی ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ شریعت کے مسائل کو اپنی خرافات سے دبانا چاہتے ہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ مخالفوں کی مخالفت سے شریعت تو نہ مٹے گی، ہاں وہ ضرور محروم رہ جائیں گے۔ یہ دین میں تاویلات کرنے والے اوندھی طبیعت کے ہیں کہ اُن کو شریعت کا صاف چشمہ پسند نہیں آتا اور وہ تاویلات کی خاک چاٹتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو "حق" کہتے تھے خواہ عوام کو پسند نہ آئے، یہ عوام پر تکیہ کرتے ہیں اور اُن کو خوش کرنے کے لیے تاویلات کرتے ہیں۔ یہی فلسفیانہ توجیہات اُنکی آنکھ کا پردہ ہیں۔ اُنہوں نے حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ شریعت کے اسرار کی بجائے فلسفیانہ تاویلات اُن کے پیشِ نظر ہیں جو حقائقِ شریعہ کا بدترین بدل ہیں۔

ان عقلی موشگافیاں کرنے والوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اصل شریعت کا تو انکار نہیں کرتے لیکن بعض جگہ سلف کے خلاف تاویلات کرتے ہیں۔ اُن کو قدرے خدا کے کرم نے سنبھال لیا ہے۔ اللہ نے اُن پر کرم کیا اور اُن کے بعض عقائد سلف کے خلاف ہوتے ہوئے بھی اُن کو معذور قرار دے دیا ہے اور اُن کے عقائدِ فاسدہ سے ہی اپنی محبت کے چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ضد سے دوسری ضِد پیدا فرما دیتا ہے۔ خار سے غنچہ اور سانپ سے مُہرہ پیدا کر دیتا ہے، جو اُس کے زہر کا تریاق ہے، رات سے دن پیدا کر دیتا ہے، مفلس کے ہاتھ سے مالداری پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ریت سے گیہوں کا آٹا پیدا فرما دیا، حضرت داؤد علیہ السلام کا ہم آواز پہاڑ بن گیا۔ اُنہوں نے عوام سے گھبرا کر گوشہ تنہائی پکڑا تو اُن کی آواز پہاڑوں میں گونجنے لگی اور اس طرح اللہ نے اُن کو ظاہر کر دیا۔

عجز و مجبوری کے بعد خزانے کے طلب گار کا اللہ کی طرف رجوع کہ اے ظاہر کرنے والے! پوشیدہ کو ظاہر کر دے

جب یہ فقیر خزانے کی تلاش سے تھک گیا تو اُس نے اللہ کی طرف رجوع کیا کہ اے اللہ! میں نے خزانے کی تلاش میں سوائے تکلیف

از حجامت کودکاں گریند زار
پچھنے لگتے وقت بچے روتے ہیں

کہ نمی دانند ایشاں سترِ کار
کیونکہ نتیجے کے بھید سے واقف نہیں ہوتے

کے کچھ حاصل نہ کیا۔ میری یہ غلطی تھی کہ تیر پھینکنے کی تفسیر پر یقین نہ ہوتے ہوئے بھی تیری طرف رجوع نہ کیا۔ اللہ خود ہی اپنے کلام کی صحیح تفسیر کر سکتا ہے۔ جو مُردہ اُس نے جس جگہ بٹھائی ہے وہی اُس کو اٹھا کر بازی جیت سکتا ہے دوسرے کی مجال نہیں ہے۔ قرآن پاک کو آسان بھی فرمایا ہے لیکن اُس کے رموز اللہ ہی دلوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ میں نے دُعا اس طرح نہ کی کہ خزانے کا ملنا بھی بلا کسب ہو جاتا اور اُس کی تلاش میں مجھے محنت کرنی پڑ گئی، یہ میری دُعا کا قصور تھا۔

انسان دراصل ہیچ در ہیچ ہے، جو کچھ ہے وہ ذاتِ حق کا عکس ہے بلکہ عین خدا ہے۔ انسان کی عقل اور تدبیر کا حال تو یہ ہے کہ ہر رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ نیند کی حالت میں اُس کے سب ہنر معطل ہو جاتے ہیں اور وہ مُردے کی صورت ہوتا ہے۔ صبح تک وہ مردہ رہتے ہیں۔ اللہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب دیتا ہے۔ انسانوں میں جواب دینے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو انسان کے ہوش و حواس واپس آتے ہیں اور وہ پھر دنیا کے رنگ و بُو میں منہمک ہو جاتا ہے۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ'' ہر انسان اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔

انسان کو رات میں سونے سے بڑی راحت حاصل ہوتی ہے اور صبح تازہ دم ہو کر اُٹھتا ہے تو اسی خزانے سے حواس کو یہ طاقت ملتی ہے کہ بیداری پر وہ تیز ہو جاتے ہیں اور بدن ہلکا ہو جاتا ہے۔ جب کہ وحشت ناک رات میں اللہ کی اس قدر نعمتیں مُضمر ہیں تو اُس کی ذات کے سہارے کسی وحشت ناک چیز سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ہر چیز ہمارے خیال کے مطابق نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور کو نار خیال کیا۔ ہم نے رات کو بُرا سمجھا جو صحیح نہیں ہے۔ سب سے بڑی نعمت وہ صحیح آنکھ ہے جو ہر چیز کو اصل حالت میں دکھا دے۔ ہمیں دُعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! ہم پر ہر چیز کی اصل حالت ظاہر فرما تا کہ ہماری نگاہ صحیح کام کرے اور ہماری نگاہ سے خس و خاشاک دریا کو نہ چُھپا سکیں۔ فرعون کے جادوگروں کو صحیح نظر حاصل ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اُن جسمانی ہاتھ پاؤں کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ اُن کے پاؤں کٹنے پر رقص کر رہے تھے۔ صحیح نظر وہی ہے جو اسباب کے پردے اُٹھا کر مُسبّب الاسباب کو دیکھ لے۔ جو صحیح نظر نہیں رکھتے وہ بھی مایوس نہ ہوں اللہ اُن کی بھی رہنمائی فرما دیتا ہے۔ اُس کا دستِ کرم مستحق اور غیر مستحق سب کو عطا کرتا ہے۔ جبکہ ہم معدوم تھے اُس نے کرم کیا اور وجود و حواس عطا فرمائے۔ حالانکہ ہم میں کوئی استحقاق نہیں تھا۔ اللہ کی رحمت کافروں پر بھی ہے۔

اے اللہ! تُو نے ہمیں جسمانی وجود عطا فرمایا اب رُوحانی حیات بھی عطا فرما دے۔ یہ دُعا بھی ہم تیرے حکم اور توفیق سے ہی کر رہے ہیں ورنہ ہماری ہمت کہاں تھی کہ تجھ سے دُعا مانگتے۔ جب تُو نے دُعا کی توفیق دی ہے تو یہ ہماری

مرد خود زر می دہد حجّام را بچّے کا باپ حجام کو روپیہ دیتا ہے	می نوازد نیش خُوں آشام را اور خُون بہانے والے نشتر کو نوازتا ہے

نہیں بلکہ تیری دُعا ہے۔ تُو اِسے قبول فرمالے۔ شب کے وقت اللہ ہمارے حواس کو دریائے حیرت میں غرق کر دیتا ہے اور پھر اُن کو پُر ہُنر بنا کر واپس کرتا ہے۔ عارفین کو نور سے پُر کرتا ہے اور دنیاداروں اور فلسفیوں کو وہم و خیال سے پُر کر دیتا ہے۔ اگر حواس و ہُنر ہمارے ذاتی ہوتے تو پھر ہمارے حکم کے تابع ہوتے۔ رات کو ہماری اجازت کے بغیر ہم سے جدا نہ ہوتے۔ ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ ہماری رُوح کہاں کہاں کی سیر کر رہی ہے۔ نیند کی حالت امتحان کی ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ ہمارے حواس اور رُوح ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ جب ہم اپنے حواس اور عقل سے بھی تہی دست ہیں تو پھر غرور اور تکبر کا کیا کام۔

اے اللہ! اب تک جو دُعا میں غلطی ہوئی اور باوجود خزانے کا پرچہ ملنے کے خزانہ نہ ملا اُن سب کو کالعدم قرار دے دے کہ میں از سرِ نو دُعا کرتا ہوں۔ ہمارا اصل وجود اور اُس کے لوازم سب ''الف'' اور ''م'' کے سرے کی طرح نقطے سے خالی ہیں۔ ہماری غفلت کا وقت ہو یا ہوش کا دونوں ''الف'' اور ''م'' کی طرح ہیں۔ غفلت اور ہوش کے جملہ اوقات پریشان کُن ہیں۔ بے خودی کے وقت بالکل ناچیز ہوتا ہوں اور ہوش اور عقل مندی کے وقت دنیا کے دھندوں میں پیچ در پیچ ہوتا ہوں۔ جب کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، تُو میرا کارساز بن جا۔ انسان اپنے کچھ ہونے کے وہم میں سینکڑوں مصیبتوں میں پھنستا ہے۔ یہی وہم دینی اور دنیاوی ترقی میں مانع بنتا ہے جبکہ یقیناً میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تُو میرے ساتھ شاہوں جیسا سلوک کر اور میری رکھوالی کر۔ میں دُعا کے آداب سے بھی محروم ہوں۔ دُعا کے لیے آنسوؤں کی ضرورت ہے میں اِن سے محروم ہوں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس حقیقت بیں نظر ہی نہیں ہے۔ میری آنکھ میں آنسو پیدا فرما کر میرے اعمال کو سرسبز کر دے۔ اِس دنیا میں جو آخرت کا کھیت ہے اُسے ہرا بھرا کر دے۔ اگر میری آنکھ میں آنسو نہ رہیں تو آنسو بھی عنایت کر جس طرح تُو نے حضور ﷺ کی آنکھوں کو عطا کر دیئے تھے۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ ''اے اللہ! مجھے دو جاری رہنے والی آنکھیں عنایت فرما۔'' آنحضور ﷺ باوجود تمام بزرگیوں اور فضائل کے رونے والی آنکھوں کے طالب ہے تو پھر ہم جیسوں کے لیے تو وہ بہت ہی ضروری ہے اور ہماری نجات کے لیے تو سینکڑوں جیحوں دریاؤں کی بقدر آنسو درکار ہیں۔ حضور ﷺ کی آنکھ کا ایک آنسو دو سو دریاؤں کے برابر آنسوؤں سے افضل ہے۔ اِس لیے اُس قطرہ آنسو کے ساتھ جب اُنہوں نے دُعا کی تو جن و انس قیامت میں حساب کتاب کے انتظار سے نجات پا گئے اور حضور ﷺ کی اِس سلسلے میں شفاعت منظور ہوگئی۔ ایسی صورت میں تو ہمیں دو سو دریاؤں کے برابر نہیں بلکہ اِس سے بھی زیادہ آنسو درکار ہیں۔ چونکہ حضور ﷺ تو خود جنت کے باغیچہ کی طرح ہیں، جب

چوں گرانیہا اساسِ رحمت ست	تلخہا ہم پیشوائے نعمت ست
تکلیفیں، رحمتوں کی بُنیاد ہوتی ہیں	اسی طرح تلخی برداشت کرنے سے نعمتیں حاصل ہوتی ہیں

وہ آنسوؤں کی بارش کے طالب ہے تو ہم جو کہ بدترین شور زمین ہیں ہمیں آنسوؤں کی بارش کی ضرورت کیوں نہ ہوگی۔
اے بھائی! جب تجھے دُعا کی فضیلتیں معلوم ہو گئیں تو اب دُعا کرتا رہ اور تجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے کہ وہ مقبول ہوتی ہے یا مردود۔ دُعا میں اگر گریہ نہیں ہے تو اُس میں جو چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے اُسے دور کر اور وہ چیز دنیا کی لذتیں ہیں۔ اپنے آپ کو دُعا اور گریہ میں چُست کر لے اور ان آنسوؤں کے ذریعے آخرت کا توشہ تیار کر لے۔

وہ فقیر اس دعا میں مصروف تھا کہ اُس کو غیب سے الہام ہوا جس سے اُس کی مشکلات حل ہو گئیں۔ ہاتف نے کہا کہ ہم نے تجھے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تیر کمان میں رکھ کر چلّہ کھینچ کر زور سے پھینک بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ کمان میں رکھ کر گرا دے۔ جس طرح تیر چلانے والے کمان اونچی کر کے تیر چلاتے ہیں تُو نے بھی اسی طرح کاری گری شروع کر دی۔ چلّہ کھینچ کر تیر نہ چلا۔ کمان میں تیر رکھ کر گرا دے جہاں وہ گرے وہاں کھود، طاقت اور زور کے استعمال سے بچ اور عجز سے سونے کا طلب گار بن۔ حق اور مقصد تو قریب جگہ میں ہے۔ تُو خواہ مخواہ دُور کھودتا رہا اور خزانہ تلاش کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ جو حق ہے انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اُس کے بارے میں اپنی فکر کو دُور نہ دوڑا۔ انسان کا مقصودِ حقیقی اُس کے بالکل قریب ہے، وہ اُس کو اِدھر اُدھر تلاش کرتا پھرتا ہے۔ جو اپنے مقصد کو دُور سمجھ رہا ہے وہ خود مقصود سے بہت دُور ہے اور اپنی قوتِ بازو اُس تیر پھینکنے والے کی طرح آزما رہا ہے، اس طرح مقصود حاصل نہ ہوگا۔ جو اس معاملے میں تیر (عقل) چلاتا ہے وہ زیادہ دُور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تلاش میں عقل والوں کا بھی یہی حال ہے۔ اُن سے کہہ دو کہ مقصود کی طرف اُنکی پشت ہے اور وہ جس قدر دوڑے گا مقصد سے دُور ہوتا جائے گا کیونکہ مقصود کی طرف اُس کی پشت ہے۔

قرآن میں صحیح طلب والوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جَاهَدُوا فِينَا یعنی ”ہماری طرف آنے کی کوشش کرنے والے“ یہ نہیں فرمایا کہ ہماری طرف سے جانے میں کوشش کرنے والے۔ ایسی ہی بُری کوشش کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان ہے۔ جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بیٹھنے میں ذلت محسوس کی اور طوفان سے بچاؤ کے لیے پہاڑ کی چوٹی کی طرف بھاگا۔ وہ جس قدر کوشش کر رہا تھا بچاؤ کی جگہ (نبی کی کشتی) سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔
کنعان اُس فقیر کی طرح تھا جو ہر روز ایک سخت کمان تلاش کرتا اور اُس سے تیر پھینکتا اور خزانہ سے زیادہ دُور ہوتا جاتا۔
مقصد سے دُور ہونے کی وجہ اس مثال سے سمجھ آ جائے گی جو جان کے اندر رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی شاگرد، اُستاد سے ذلت کرنے لگے اور اپنی دُکان خود کھول بیٹھے۔ ظاہر ہے ایسا شاگرد مقصد سے دُور ہو جائے گا۔ ایسے شاگرد کی

دُکان ہنر سے خالی ہوگی اور نقصان رساں ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصد تک پہنچنے کا راستہ اہلِ حق کا اتباع ہے۔ ایسے شاگرد کو چاہیے کہ فوراً اپنی دُکان کو ویران کر دے اور اُستاد کی شاگردی اختیار کر کے پھلے پھولے۔ کنعان کی طرح نہ بنے کہ اُس نے سیدھا راستہ چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لی۔ اُس فقیر کو اُس کے تیر اندازی کے علم نے ہی خزانہ سے دُور رکھا ہوا تھا ورنہ خزانہ تو اُس کے بالکل قریب تھا۔ مذموم ذہانت تباہ کُن ہوتی ہے اور مطلوب سے دُور کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے: اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ "مومن بھولا بھولا شریف ہوتا ہے" مذموم ذہانت سے اپنے آپ کو بچالے۔ پھر تجھ پر رحمت نازل ہوگی۔ ذہانت کو چھوڑ اور بھولا پن اختیار کر۔ مذموم ذہن دنیا میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں اور بھولے بھالے، اللہ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ جس طرح معصوم بچے کے لیے ماں اُس کے ہاتھ پاؤں کا کام کرتی ہے اِسی طرح بھولے مومن کی اللہ خود دستگیری فرماتا ہے۔

تین مُسافر نصرانی، یہُودی اور مُسلمان

ایک سفر میں یہودی، نصرانی اور مسلمان ہمسفر بنے۔ راستے میں اُن کو حلوہ ملا تو دونوں نے چالاکی سے مسلمان کو حلوے سے محروم کرنا چاہا۔ اُن کی چالاکی اللہ کو پسند نہ آئی اور قدرت نے ایسا بندوبست کر دیا کہ حلوہ مسلمان کو ملا۔ بھولے مسلمان پر رحمت نازل ہوئی۔ اس قصے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ چالاکی کرنے سے بچو تاکہ کہیں آزمائش میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ اُن تینوں کا ہم سفر بننا کچھ اس طرح کا تھا جیسے پنجرے میں بے جوڑ پرندے رکھے ہوئے ہوں یا قید خانہ میں مختلف اقسام کے آدمی یکجا ہو جاتے ہیں۔ یہی مثال اِس دنیا میں عام انسانوں کی ہے۔ راستہ کھلنے پر پڑاؤ کے مسافر اپنی اپنی راہ اختیار کر لیتے ہیں یا پنجرہ کھلنے سے پرندے اپنے ہم جنسوں کی طرف اُڑ جاتے ہیں۔ ایسے پرندے وطن کے شوق میں پَر پھیلائے ہوئے ہیں لیکن اُڑنے کا راستہ نہیں ہے۔ انسان جو کہ راہ کے طالب ہیں آنسوؤں اور آہوں کے پَر کھولے راہ کی تلاش میں ہوتے ہیں اور اللہ کی یاد میں پَر کھولتے ہیں۔ جس طرف سے آنسو اور سوزش آئی جب موقع ملا اُسی طرف چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ پچھلے اپنے جسم کے اجزاء پر غور کر کہاں کہاں سے آ کر تمہارے جسم کا جزو بنے ہیں۔ یہ اجزاء اپنے مرکز کی طرف منتقل ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ ایسا اُسی وقت تک ہے جب تک حضرتِ حق کے سامنے پیش نہیں ہوتے۔ جب جلالِ خداوندی کی گرمی پڑے تو سب چیزیں عین حاضر ہو جائیں گی۔

جب یہ تینوں مسافر پڑاؤ پر پہنچے تو ایک مہمان نواز اُن کے لیے حلوہ لایا۔ وہ اس لیے کہ وہ قرآن پاک کے اس فرمان سے واقف تھا۔ "جب آپ ﷺ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو اُن سے کہہ دو کہ میں تو اُن کے

یک زیاں دفعِ زیانہا می شدے
یہاں کا ایک نقصان بہت سے نقصانات سے ہمیں بچاتا ہے

جسم و مالِ ماست جانہا را فدے
ہمارا جسم اور مال ہماری جانوں کا فدیہ ہے

نزدیک ہوں۔'' وہ میزبان مسلمان تھا اور محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر مسافروں کے لیے حلوہ لایا۔ یہودی اور عیسائی پیٹ سے پُر تھے اس لیے کہنے لگے کہ اس کو رکھ دیں صبح کھائیں گے۔ مسلمان دن کے وقت روزے سے تھا۔ اُسے بھوک لگی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا: میں بھوکا ہوں اسے تقسیم کر لیں کیونکہ میں سارا نہیں کھانا چاہتا۔ نفسانی غرض کے بغیر کی گئی تقسیم اچھی ہوتی ہے۔ انسان بھی اللہ کی مِلک ہے، اگر وہ اپنے آپ کو اور اپنے افعال کو تقسیم کر لے کچھ اللہ کے لیے اور کچھ لوگوں کے لیے تو گویا وہ مشرک ہے۔ اُن دونوں نے اُس کی بات نہ مانی۔ اُن کا مقصد تھا کہ مومن رات کو بھی بھوکا رہے۔ مجبوراً اُسے ماننا پڑا۔

صبح اُٹھ کر سب نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق اللہ کو یاد کیا اور ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک بولا: ہر شخص اپنا اپنا خواب بیان کرے۔ جس کا خواب سب سے اچھا ہوگا وہی سارا حلوہ کھائے گا۔ جس کا خواب بہتر ہوگا اُس کی عقل بھی بہتر ہوگی یقیناً اُس کی رُوح پُر انوار ہوگی اور ایسے بزرگ کی خدمت اور اپنا حصّہ اُسے کھلا دینا برکت کا سبب ہوگا۔

سب سے پہلے یہودی نے اپنا خواب سنایا۔ اُس نے کہا کہ میں جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام مل گئے۔ میں اُن کے ساتھ کوہِ طور پر پہنچا تو اس قدر نور دیکھا کہ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہِ طور اُس میں چھپ گئے۔ اُس نور کی تجلی سے کوہِ طور کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سمندر میں گرا تو اُس کا زہر جیسا پانی شیریں ہو گیا۔ دوسرا ٹکڑا زمین پر دھنس گیا تو اُس میں سے ایک چشمہ پیدا ہو گیا جو بیماروں کے لیے صحت کا باعث تھا۔ تیسرا ٹکڑا اُڑ کر خانہ کعبہ کے پاس پہنچ کر عرفات پہاڑ بن گیا۔ اب کوہِ طور میں دوسرا تغیر شروع ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں میں آسمان سے گرنے والی یخ کی طرح نرم ہو گیا۔ اس کے بعد میرے حواس درست ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہِ طور کو اصل حالت میں دیکھا۔ اب یہ عجیب چیز دیکھی کہ کوہِ طور کا دامن عجیب چیز سے پُر ہے۔ ہر شخص کے ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا عصا اور اُس کے بدن پر اُن جیسا خرقہ ہے۔ وہ سب خراماں خراماں کوہِ طور کی طرف جا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر دُعا کی تھی۔ ''اے خدا! مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا'' اب میں یہ سمجھا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے اور انبیاء علیہم السلام سب اپنی دعوت میں متحد ہیں۔ پھر مجھے فرشتوں کی ایک ایسی جماعت نظر آئی جیسے وہ برف کے بنے ہوئے ہوں۔ فرشتوں کی ایک دوسری جماعت بھی تھی جو آتشیں معلوم ہوتی تھی۔

اُس خواب پر تعجب نہ کرو۔ ہو سکتا ہے اُس یہودی کا انجام بہتر حالت میں ہوا ہو اور اُس نے مرتے وقت شرک سے

پیش شاہاں در سیاست گستری　　　　　می دہی تو مال و سر را می خری
دُنیاوی عدالتوں میں خود کو بچانے کے لئے　　　　　مال خرچ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچا لیتا ہے

توبہ کرلی ہو۔ کسی کافر کے بارے میں بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کو آخر وقت میں توبہ میسر آگئی ہو۔ یہودی کے بعد عیسائی نے اپنا خواب سنانا شروع کیا۔ عیسائی نے یہ کہہ کر کہ سب جانتے ہیں کہ آسمان کی چیزیں زمین کی چیزوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چوتھے آسمان پر تھا۔ اِس لیے میں حلوہ کھانے کا زیادہ مستحق ہوں۔

اُونٹ، بیل اور دُنبے نے گھاس کا ایک مُٹھا پایا اور کہا کہ جو ہم میں سب سے بُوڑھا ہے وہ کھالے

راستے پر چلتے ہوئے اونٹ، بیل اور دُنبے نے گھاس کا ایک مُٹھا پایا۔ دُنبہ بولا: اگر ہم اِس کو بانٹیں گے تو کسی کا پیٹ بھی نہیں بھرے گا اِس لیے جو سب سے زیادہ عمر والا ہے وہ اِسے کھالے کیونکہ حدیث بھی ہے کہ بڑوں کو مقدم رکھو۔ کمینوں کے اِس دور میں بڑوں کو دو موقعوں پر آگے کرتے ہیں یا تو جب کھانا بہت زیادہ گرم ہو کہ منہ جل جانے کا اندیشہ ہو اور یا جب کسی خطرناک پُل پر سے گزرنا ہو۔ اگر کوئی کسی بڑے کی خدمت کرتا ہے تو اُس کی تہ میں اُس کی کوئی فاسد غرض ہوتی ہے۔ اِن کمینوں کی بزرگوں کے ساتھ بھلائی کا تو یہ حال ہے، اب بُرائی کا اندازہ خود کرلو۔

خود پرستوں کا بھلائی کے پردے میں بُرائی کرنا

ایک بادشاہ جامع مسجد کو جارہا تھا۔ آگے آگے ایک نقیب لوگوں کو ہٹاتا اور مارتا جارہا تھا۔ ایک شخص کو دس بید لگے اور خون بہنے لگا۔ اُس نے بادشاہ کی طرف رُخ کیا۔ وہ ایک صاحبِ دل شخص تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ ظاہری ظلم تو دیکھ لے کہ بدن سے خون ٹپک رہا ہے اور دل کو جو مخفی صدمہ پہنچا ہے اُس کا تو بیان ہی نہیں ہوسکتا۔ تُو نماز پڑھنے جارہا ہے۔ اگر تیری خیر میں اِس قدر شر ہے تو شر کا تو اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔ ایک بزرگ کسی کمینے کا سلام بھی نہیں لیتے تاکہ نتیجے میں وہ زیادہ نہ لپٹے۔ بزرگوں کو بھیڑیے سے وہ نقصان نہیں پہنچتا جو بدنفس مریدوں سے پہنچتا ہے۔ بھیڑیے میں وہ مکر و فریب نہیں ہوتا جو انسان میں ہوتا ہے۔ مالدار کا مکر دیکھو کہ وہ غریب سائل کی آواز پر مکاری سے بہرا اور اندھا بن جاتا ہے۔ دُنبے نے کہا کہ ہر ایک اپنی عمر بتائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ ہم میں بڑا کون ہے۔ میں اُس دُنبے کے ساتھ پھرتا رہا ہوں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے قربان ہوا تھا۔ بیل نے کہا: میں اُس جوڑی کا بیل ہوں جس سے حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی تھی لہٰذا میری عمر دُنبے سے زیادہ ہے۔ اُونٹ نے جب دُنبے اور بیل کی یہ باتیں سنیں تو نیچے کو منہ کر کے گھاس کو منہ میں لے کر سر بلند کردیا۔ وہ بولا: مجھے اپنی تاریخ پیدائش بتانے کی ضرورت نہیں ہے

اعجمی چوں گشتہ اندر قضا
چونکہ اللہ کی قضا اور مرضی سے بیگانہ ہے

می گریزانی ز داور مال را
اِس لئے تُو اپنا مال اللہ سے چھپاتا ہے

میرا جسم اور میری گردن خود بتا رہی ہے کہ میں تم دونوں سے کم عمر کا نہیں ہوں۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ میرا جسم تو دونوں سے بڑا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ آسمان اپنی بلندی کی وجہ سے پست زمین سے بڑا ہے۔ آسمان میں زمین سے زیادہ عجائب ہیں لہٰذا میرا خواب یقیناً یہودی کے خواب سے بڑھا ہوا ہے۔ اب مسلمان نے کہا: اے میرے دوستو! میرے شاہ مصطفیٰ ﷺ میرے سامنے آئے۔ مجھے حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ تیرے ساتھی بہت عروج حاصل کر چکے ہیں اور تُو ٹوٹے میں رہا اس لیے تُو اس ٹوٹے کو حلوہ کھا کر پورا کرلے۔ تم لوگوں نے آسمانوں پر فرشتوں سے ملاقات کا ذکر کیا۔ میں نے حضور ﷺ کے حکم سے روٹی اور حلوہ کھالیا ہے۔ تم خود بتاؤ اگر تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی حکم دیں تو تم لوگ سرکشی کرسکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ تو میں مسلمان ہو کر حضور ﷺ کا حکم کیسے نہیں مانتا۔ تب دونوں نے جواب دیا کہ تیرا ہی خواب سچا ہے اور ہمارے سینکڑوں خوابوں سے بہتر ہے۔ یاد رکھو! انسان کو کبھی اپنی بڑائی، بہادری یا ہُنر کا مدعی نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کے کام آنے والی چیزیں خدمت، عبادت اور اطاعت ہیں، جو کہ انسان کو اچھے اخلاق کا حامل بنانے والے ذرائع ہیں۔ اللہ نے ہمیں عبادت ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ سامری نے ہُنر مندی دکھائی اور مردود بن گیا۔ روپیہ پیدا کرنے کے فن نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ ابوجہل نے اپنا ہُنر نبی ﷺ کے مقابلے میں استعمال کرنے کی کوشش کی اور تباہ ہوا۔ ہُنر ہم علومِ یقینیہ کو کہیں گے نہ کہ علومِ عقلیہ کو۔

عارف لوگ عقلی دلیل کو اس دلیل سے بھی گندہ سمجھتے ہیں جو دلیل طبیب قارورے کے ذریعے مریض کا مرض معلوم کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اگر تیرے پاس عقلی دلائل کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو پیشاب اور گندگی کو دیکھتا پھر۔ عقلی دلائل اندھے کی لاٹھی ہے جو اُس کے اندھے پن کی دلیل ہے۔ عقلی دلائل اور اُس کے مدعی راہِ حق میں ذلیل اور حقیر ہیں۔ دلائلِ عقلیہ کی شان وشوکت تو بہت ہے لیکن مدعی بالکل حقیر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی اندھا اپنے اندھے پن کے ثبوت کے لیے غُل غپاڑہ کرے۔

ترمذ کے بادشاہ کا مُنادی کرانا کہ کون تین دن میں ضروری کام سے سمرقند جائے اور انعام پائے

اس قصے کا یہی خلاصہ ہے کہ مسخرے نے معمولی بات کے لیے بڑا اہتمام کیا۔ ترمذ کے بادشاہ کو یہ اشد ضرورت آن پڑی کہ سمرقند جا کر کوئی وہاں کے حالات معلوم کر کے آئے اور تین دن میں یہ کام کردے۔ اس مقصد کے لیے اُس نے منادی کرائی تو ایک مسخرہ ایک

زانکہ مالت بر تو گر صدقہ شود
اگر تیرا مال تجھ پر قربان ہو جائے

آں زیانے نیست سُودِ تو بُود
تو یہ تیرا نقصان نہیں ہے بلکہ عین نفع ہے

گاؤں سے بڑی جلدی اور تگ ودو میں بدحال ہو کر بھاگتا ہوا بادشاہ کے دربار میں صرف یہ کہنے کے لیے آیا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس مہم کو سَر کرسکوں۔ اِس بھاگ دوڑ میں اُس نے دو گھوڑے ہلاک کیے۔ راستے کی گرد بھی صاف نہ کی اور سیدھا بادشاہ کی عدالت میں پہنچ گیا۔ اُس کے اس قدر جلدی میں اور اس ہیئت میں دیکھ کر درباریوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بادشاہ بھی کچھ گھبرایا۔ ان سب کو یہ خیال تھا کہ یہ کوئی زبردست خبر لایا ہے۔ اُن افواہوں سے دربار میں مجمع لگ گیا۔ ہر شخص فتنہ وفساد کے خیال سے فکر میں مبتلا تھا۔ بادشاہ نے اسے فوراً دربار میں باریابی کی اجازت دے دی اور دریافت کیا کہ کیا اَحوال ہیں؟ بادشاہ یا کوئی وزیر جب بولنے لگتے تو وہ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کرتا۔ اُس کی اس حرکت سے سب کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ اُس نے اشارے سے کہا کہ مجھے ذرا سانس لینے دیں تاکہ حواس درست کرلوں تو بولوں۔ سب نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔

سب پریشان تھے لیکن مسخرہ چونکہ خوش طبع شخص تھا۔ اُس کی کبھی پریشانی کی حالت نہیں ہوئی تھی۔ قصے بیان کر کے اور مذاق سے بادشاہ اور دوسرے سب لوگوں کو اتنا ہنساتا کہ وہ اپنے پیٹ پکڑ لیتے۔ اب بادشاہ کو طرح طرح کے خیال آرہے تھے اور سوچ رہا تھا کہ نہ معلوم کون سی مصیبت نازل ہونے والی ہے کیونکہ بادشاہ کو سمرقند کے بادشاہ خوارزم شاہ سے بہت ڈر لگتا تھا۔ کہیں حملے کی خبر نہ ہو۔ بادشاہ نے اُس سے کہا کہ جلدی بات کر۔ تو اُس نے جواب میں کہا کہ میں نے دُور دراز گاؤں میں آپ کی منادی سُنی کہ جو شخص تین دن میں سمرقند کے حالات معلوم کر کے خبر کرے گا اُسے کثیر انعام دیا جائے گا۔ میں دوڑتا ہوا اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو بتادوں کہ میں یہ مہم سر نہیں کرسکتا۔ مجھ میں اتنی چستی نہیں ہے کہ یہ کام کرسکوں۔ آپ مجھ سے یہ اُمید نہ رکھیں۔ جب پہاڑ کھودا اور چوہا برآمد ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ تیری اس جلد بازی پر لعنت ہو۔ تُو نے سارے شہر کو پریشان کر ڈالا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھوٹے شیخ کی یہی حالت ہوتی ہے جو اس مسخرے کی تھی۔ وہ معمولی باتوں کے لیے اس قدر طمطراق دکھاتے ہیں۔ یہ اپنی بڑائی کے ڈھول پٹواتے ہیں کہ ہم فقر وفنا کے امام ہیں اور شیخی بگھار کر اپنے آپ کو بایزید رحمۃ اللہ علیہ ثابت کرتے ہیں۔ ایسے جھوٹے پیروں کا حال یہ ہے کہ اس طرف سے پیغامات کے ڈھیر ہیں لیکن وہاں سے ایک بھی جواب نہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ کوئی پیغام آیا تو کہتے ہیں انہیں سب کچھ معلوم ہے، دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ یہ لوگ مقبول بارگاہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن مقبولیت کے کچھ بھی آثار ان میں نظر نہیں آتے۔ اگر تعلق مع اللہ کے دعوے میں کچھ صداقت ہے تو پھر اُدھر سے جواب سے کیوں محروم ہیں۔ خدا سے تعلق کے بہت سے باطنی

زشتہائے خلق بہرِ خوبی است
لوگوں کا برا سلوک تیرے لئے فائدہ مند ہے

برگِ بے برگی نشانِ طوبیٰ است
انسان کی بے سروسامانی عمدہ حالت کا پیش خیمہ ہوتی ہے

آثار ہیں جن کو بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

اُس مسخرے نے خواہ مخواہ اپنے آپ پر بلا نازل کی۔ بادشاہ نے اُسے جیل بھجوا دینا چاہا۔ وزیر نے کہا کہ اُسے یہاں کوئی اور کام تھا جس کی وجہ سے یہ بھاگا آیا ہے۔ اب کام سے اُس کی رائے بدل گئی ہے۔ اُس کا اصل مقصد یہ خبر دینا نہیں تھا۔ یہ اصل مقصد کو چھپا رہا ہے۔ پستہ اور اخروٹ میں سے اصل حقیقت تب ظاہر ہوتی ہے جب اُسے شکنجہ میں دبایا جائے۔ اِس کی باتوں پر نہ جائیں اس کی ظاہری علامتوں پر نگاہ رکھیں۔ اللہ نے بھی نیکی اور بدی کے ظاہری نشان کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ اُس نے جب وزیر کی یہ گفتگو سنی تو بولا: اے وزیر! تُو میرے خون کے درپے نہ ہو۔ میرے اوپر تیری یہ بدگمانی ہے، جو گناہ ہے۔ شاہ تو مخالفوں پر بھی ظلم نہیں کرتا تو دوستوں پر کیسے کرے گا۔ ظلم خود بُری چیز ہے لیکن فقیر پر تو اور بھی بُرا ہے۔

بادشاہ وزیر کی گفتگو سے مسخرے کے مکر کو سمجھ گیا۔ اُس نے اِسے جیل بھیجنے کا حکم دیا۔ ڈھول جب پٹتا ہے تو دوسروں کو خبر پہنچاتا ہے۔ ڈھول میں دونوں باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں صرف ہوا بھری ہے اور دوسرے اس میں کوئی دوسرا جسم بھی نہیں ہے یعنی وہ خالی بھی ہے اور بھرا ہوا بھی ہے۔ جب یہ ڈھول پٹے گا تو سچی بات کہہ دے گا جس سے ہمارا دل مطمئن ہو جائے گا۔ سچ بات سے ہمیشہ دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ جھوٹی باتیں دل کو مطمئن نہیں کرتیں۔ جھوٹ دل میں اس طرح کھٹکتا ہے جیسے ایک تنکا منہ میں۔ تنکا جب تک منہ میں رہے گا زبان اِسے اِدھر اُدھر گھماتی رہے گی۔ اگر تنکا آنکھ میں گر جائے تو آنکھ میں پانی بھر آتا ہے اور آنکھ کھلتی اور بند ہوتی رہتی ہیں۔ ہم بھی اِسے ماریں گے تاکہ یہ تنکا منہ اور آنکھ سے دُور ہو جائے۔

مسخرا بولا: اے شاہ! سزا کے حکم میں جلدی نہ کریں۔ آپ کے حلم اور مغفرت کے یہ بات منافی ہے۔ آپ کی جلدی کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ میں آپ کے قبضے میں ہوں۔ جو شخص خدا کے لیے سزا دیتا ہے اُسے جلد بازی مناسب نہیں۔ جو سزا خدا کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذات کی وجہ سے دیتا ہے وہ جلد بازی کرتا ہے تاکہ رضامندی رکاوٹ نہ بن جائے۔ اُسے ڈر ہوتا ہے کہ اگر رضامندی آجائے گی تو سزا کا مزہ جاتا رہے گا۔ جس کی بھوک جھوٹی ہوتی ہے وہ جلد کھانا کھانے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں بھوک نہ جاتی رہے۔ اگر سچی بھوک ہو تو کھانے میں تاخیر بہتر ہوتی ہے۔ تاکہ بھوک اور تیز ہو اور کھانا بغیر کسی ناگواری کے ہضم ہو جائے۔ آپ مجھے اس لیے مارنا چاہتے ہیں کہ آپ کے ذہن میں یہ ہے کہ مجھے کوئی خوفناک بات معلوم ہے اور وہ میں نہیں بتا رہا ہوں۔ اگر بتا دوں گا تو آپ تدبیر کرلیں گے اور مصیبت کے آنے

دائم راحت دائماً بے راحتی ست	جنگہائے خلق بہرِ آشتی ست
موجودہ پریشانی مستقبل کی دائمی راحت کا موجب ہو گی	خلق کا بُرا سلوک تمہارے لئے راحت کا باعث ہے

کے راستے کو بند کر دیں گے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مصیبت کے آنے کا کوئی ایک راستہ نہیں ہے۔ اگر آپ ایک راستہ بند کر دیں گے اور یہ مصیبت مقدر میں ہے تو دوسرے راستے سے آجائے گی۔ مصیبت ٹالنے کی یہ ترکیب نہیں ہے کہ مجھے مار دیا جائے بلکہ اصل ترکیب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ عفو و کرم اور احسان کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ صدقہ مصیبت کو دفع کرتا ہے تو اصل مرض کا علاج صدقہ ہے۔ صدقہ کی یہ کوئی صورت نہیں کہ آپ مجھ درویش کو پٹوائیں اور اپنی بُردباری کی آنکھ کو بند کر لیں۔ بادشاہ نے کہا کہ بھلائی اچھی چیز ہے۔ لیکن جب باموقع ہو۔ بے موقع بھلائی تو تباہی ہے۔ شرع نے جزا اور سزا کا حکم دیا ہے اور دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ شاہ کے لیے صدرِ مجلس اور گھوڑے کے لیے دروازہ بہتر جگہ ہے۔ عدل کسی چیز کو اُس کے اصل مقام پر رکھنے کا نام ہے۔ کسی چیز کو بے موقع رکھنا ظلم ہے۔ پانی درختوں کو دینا عدل ہے، کانٹے کو پانی دینا ظلم ہے۔ اگر ہر جگہ جزا ضروری اور مناسب ہو تو پھر سزا کا پیدا کرنا عبث ہے۔ کوئی چیز بھی نہ مطلقاً خیر ہے اور نہ مطلقاً شر۔ خیر کو اگر بے موقع استعمال کیا جائے گا تو شر بن جائے گا اور شر کو باموقع استعمال کیا جائے تو خیر ہے۔ نفع اور نقصان کا مقام جُداگانہ ہے۔

علم کی ضرورت اور فائدہ یہی ہے کہ اس سے انسان کو صحیح جگہ معلوم ہو جاتی ہے۔ کسی فقیر کے طمانچہ مار دینے میں بعض اوقات وہ اجر حاصل ہوتا ہے جو اُسے روٹی اور حلوہ کھلانے سے بھی نہیں ملتا۔ حلوہ تو اُس میں گرمی اور صفرے کا اضافہ کر دے گا اور طمانچہ بعض اوقات باطنی خباثت کو دُور کرے گا۔ اگر کوئی مسکین ایسی حرکت کر رہا ہو کہ اُس کی گردن ماری جانے کا اندیشہ ہو تو اُسے طمانچہ مار کر روک دینا چاہیے۔ تُو اگر کسی بدعادت مسکین کو طمانچہ مارتا ہے تو مسکین کو نہیں مارتا بلکہ اُس بدعادت کو مارتا ہے۔ کمبل پر اگر گرد چڑھی ہو تو لکڑی سے گرد کو مارتا ہے، کمبل کو نہیں مارتا۔ بادشاہوں کے یہاں محفلِ نشاط بھی ہوتی ہے اور جیل خانہ بھی۔ محفل، مخلص دوستوں کے لیے اور جیل خانہ ناقصوں کے لیے۔ جو پھوڑا نشتر چاہتا ہے تُو اگر اُس پر مرہم رکھے گا تو پھوڑے کے پیپ اور میل کو جما دے گا۔ اس سے تو اور زیادہ نقصان ہو جائے گا۔

مسخرہ بولا: میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ پوری تحقیق کر کے عمل کیجیے۔ صبر اور بُردباری کا دروازہ بند نہ کیجیے۔ چند دن اس معاملے پر غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچیے۔ تحمل کے نتیجے میں انسان کو معاملے کا یقین حاصل ہو جاتا ہے پھر اگر سزا بھی دینی ہے تو جرم کے یقین پر دے لیں۔ جب سیدھے کھڑا ہو کر چلنا ممکن ہو تو پھر اوندھے منہ لیٹ کر نہ چلنا چاہیے۔ سزا کے لیے بھی درست طریقہ یہی ہے کہ جرم کا یقین کر لیا جائے پھر کسی رائے پر پہنچیے

اندراں ویراں کہ آں معروف نیست
حق تعالیٰ اپنی محبت کی دولت ٹوٹے ہوئے دلوں میں رکھتا ہے

از برائے حفظ گنجینہ زر یست
جیسے سونے کو ویران گھروں پر چھپانے کیلئے دفن کرتے ہیں

کے لیے نیکوں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیے۔ آنحضور ﷺ کو حکم تھا کہ وہ مشورہ کر لیا کریں۔ صحابہ ؓ کے لیے فرمایا گیا کہ اُن کا ہر کام مشورہ سے ہوتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ مشیروں میں سے کوئی ایسا بھی ہو جسے آسمان سے فیض حاصل ہوتا ہو۔ اللہ نے مسلمانوں کو زمین میں چلنے پھرنے کا حکم دیا کہ روزی تلاش کریں لیکن اسی طرح چلنے پھرنے میں کوئی صاحبِ باطن بھی مل جاتا ہے جو نورانی عقل رکھتا ہے۔ مختلف مجلسوں میں جا کر ایسے صاحبِ عقل کو تلاش کر جسے حضور ﷺ کی میراث پہنچی ہو۔

حدیث ہے کہ علماء، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ جسے حضور ﷺ کا علم ورثہ میں ملا ہوگا اُس کا علم صرف ظاہر کو محیط نہ ہوگا بلکہ باطن اور غائب کو بھی محیط ہوگا۔ رہبانیت اور خلوت کو اِسی وجہ سے پسند نہیں کیا گیا کہ انسان ہمیشہ کے لیے کسی صاحبِ نظر سے محروم ہو جاتا ہے۔ نیک لوگوں میں کوئی ایسا بھی مقبولِ بارگاہ ہوتا ہے جس کی سند پر شاہ کی جانب سے ''صحیح'' لکھا جاتا ہے۔ یہ علامت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اس فرمان میں جو حکم ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اللہ نے اُس دُعا کو قبول فرمالیا ہے اور عند اللہ مقبول اور بخشا بخشایا ہے۔ یہ بزرگ اس قدر اللہ کا مقبول ہوتا ہے کہ اس سے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہوتی اور اس کے مخالف کی ہر دلیل اللہ کے نزدیک لچر اور کمزور ہوتی ہے۔ اللہ فرما دیتا ہے کہ جب ہم نے اُسے مقبول بنالیا ہے تو اُس سے کسی کو اختلاف کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اُس کی بات نہ ماننا ایسا ہی ہے کہ قبلہ آنکھوں کے سامنے ہو اور انسان اٹکل سے قبلہ متعین کریں۔ ایسے صاحبِ عقل کو اپنا قبلہ بنالے اور سمجھ لے کہ اگر تُو نے اُس سے غفلت کی تو باطل قبلہ کا غلام بن جائے گا۔ اِس قبلہ کی قدر نہیں کرے گا تو وہ نظر بھی تجھ سے چھن جائے گی جس سے تُو قبلہ پہچانتا۔ اگر تُو نیکی اور اُس کے رزق کا طالب ہے تو ایسے ہمدردوں سے تھوڑی دیر کے لیے بھی قطع نظر نہ کر کیونکہ اچھے ساتھی کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی بُرا ساتھی ملتا ہے۔

چُوہے اور مینڈک کی دوستی

ایک چوہا اور مینڈک آپس میں دوست بن گئے۔ دونوں صبح کے وقت ملتے اور دل چسپی کی باتیں کرتے۔ دل سے گفتگو کا جوش اُٹھنا دوستی کی علامت ہے اور اگر اُلفت نہ ہو تو زبان بات کرنے سے رُکتی ہے۔ جب عاشق محبوب کو دل کی نگاہ سے دیکھ لیتا ہے تو اُس کا انقباض ختم ہو جاتا ہے اور دل بھر کر باتیں کرتا ہے۔ بُلبل پھول کو دیکھ کر خوب چہکتی ہے۔ عاشق ایک بھنی ہوئی مچھلی ہوتا ہے اور معشوق آبِ حیات۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوئی وہاں آبِ حیات کا چشمہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھنی ہوئی مچھلی اُس سے زندہ ہوگئی۔ مرید جب شیخ کے سامنے بیٹھتا ہے تو شیخ کے قلب کے اسرار

موضعِ معروف کے بنہند گنج جانی پہچانی جگہوں پر خزانہ دفن نہیں کرتے	زیں قبل آمد فرج در زیرِ رنج اسی طرح کشادگی بھی رنج و غم کے نیچے ہے

اُس پر منعکس ہوتے ہیں۔ شیخ راہِ سلوک کا ہادی ہے، جس کو دیکھ کر مقصد تک پہنچ سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اصحاب کو ستارے قرار دیا جن سے رہنمائی ملتی ہے۔ اس لیے مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نظر شیخ پر جمائے رکھے۔ بحث اور گفتگو تو محض غبار کا اُڑانا ہے۔ شیخ کے دیدار کی کوشش کر۔ بحث و مباحثہ میں اکثر زبان لغزش کھا جاتی ہے۔ شیخ کی زیارت زیادہ نفع دینے والی چیز ہے تاکہ وہ ذات جس کا براہِ راست وحی شعار ہے جیسے انبیاء علیہم السلام یا وہ جن کا وحی سے بالواسطہ تعلق ہے جیسے اولیاء رحمہم اللہ سے خود بات کرے، اُس سے شکوک و شبہات کی گرد بیٹھ جاتی ہے اور غبار اُس ستارے کو نہیں چھپاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام وحی کے مظہر بنے تو اُن کو خود بخود تمام چیزوں کے نام یاد ہو گئے۔ وہ لوحِ دل سے پڑھ کر ہر چیز کا نام، اُس کی خاصیت اور ماہیت بتا دیتے تھے۔ وہ بزدل کو شیر نہیں کہتے تھے۔ اصل بات جانتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نو سو سال وعظ فرماتے رہے اور ہر روز نیا وعظ ہوتا۔ اُن کا وعظ اُس خدائی شراب سے حاصل ہوتا تھا جس کو پینے سے گونگا بھی فصیح بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بچپن ہی میں بولے: "میں خدا کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے"۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب وہ شراب پی تو شیریں کلام کرنے لگے۔ پرندے بھی اُن سے مست ہو کر نغمے میں شریک ہو جاتے۔ پرندے تو جاندار ہیں لوہا تک اُن سے متاثر ہوتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ شراب پی تو ہوا اُن کی خدمت گار بن گئی حالانکہ اُسی ہوا نے قومِ عاد کو تباہ کر دیا تھا۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت سر پر لادے پھرتی تھی۔

چوہے اور مینڈک نے ایک تجویز کی کہ جب چوہا دریا کے کنارے پہنچے تو مینڈک کو پانی میں اُس کی خبر ہو جائے، اور اگر مینڈک چوہے کے سوراخ پر پہنچے تو اُس کو خبر ہو جائے۔ چوہے نے مینڈک سے کہا بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی راز کی بات کروں لیکن تُو دریا میں ہوتا ہے اور میں کنارے پر کھڑا تجھے آوازیں دیتا رہتا ہوں۔ نماز میں اللہ سے پانچ وقت باتیں کی جاتی ہیں۔ یہ مقررہ وقت تو عوام کے لیے ہیں لیکن عاشقانِ خدا تو ہر وقت نماز یعنی خدا سے گفتگو میں لگے رہتے ہیں۔ صرف پانچ وقت کی ملاقات سے اُن کا جی نہیں بھرتا اس لیے کہ اُن کے دلوں میں تو لاکھوں راز ہیں جو وہ اللہ سے کہنا چاہتے ہیں۔ عاشقوں کی جان بہت پیاسی ہے اُس کو سیری کے لیے ہر وقت کی ملاقات درکار ہے۔ مچھلی سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تُو ایک دن چھوڑ کر دریا سے مل لیا کر۔ وہ تو تھوڑی دیر بھی پانی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔

عاشق کا ہجر کا ایک لمحہ بھی سال کے برابر ہے اور مسلسل ایک سال کا وصال بھی محض ناپائیدار خیال کی طرح ہے۔

صوفیا خوش پہن بگشا گوشِ جاں	با تو قلِ ما شنت خواہم گفت ہاں
اے صوفی! اپنی جان کے کان کھول کر سُن	مَیں تجھے ایک حکمت بتاؤں گا، سُن لے

معشوق بھی عاشق کا پیاسا ہوتا ہے اور اُس کا طلبگار رہے۔ عاشق اور معشوق کا حال ایسا ہی ہے جیسے دن اور رات کا کہ ایک دوسرے پر عاشق ہیں۔ ہر وقت ایک کو دوسرے کی تلاش رہتی ہے۔ اُنہوں نے ایک دوسرے کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں اور ایک دوسرے پر مدہوش ہیں۔ معشوق کے دل میں عاشق کے تصور کا غلبہ ہے۔ عاشق اور معشوق میں اتحاد ہے۔ اگر عاشق سے یہ کہا جائے کہ تُو معشوق کی کبھی کبھی زیارت کر تو گویا یہ صورت ہے کہ اُس سے کہا جا رہا ہے کہ تُو اپنی گاہے گاہے زیارت کیا کر۔ محبّ اور محبوبِ حقیقی کا اتحاد عقلی نہیں ہے۔ یہ مرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ اِس دنیا میں بھی صرف وہی شخص اِس کو سمجھ سکتا ہے جس نے مقامِ فنا حاصل کر لیا ہو۔ اگر نظری عقل سے یہ اتحاد سمجھ میں آسکتا تو اللہ انسانوں کو مجاہدہ کا حکم نہ دیتا۔ وہ رؤف و رحیم ہے، بلاوجہ کسی کو مشقت میں مبتلا نہیں کرتا۔ مجاہدوں کے بعد ہی یہ ذوق پیدا ہوتا ہے کہ اِس اتحاد کو سمجھا جا سکے۔

محبت کرنے والوں کی طرح چوہے نے مینڈک کی خوشامدیں کرنی شروع کر دیں کہ میں تیرے وصل کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تیری مروت کا تقاضہ ہے کہ مقررہ وقت کے علاوہ بھی بلا لیا کرے۔ تیری محبت کی پیاس کی وجہ سے میں بے چین ہوں۔ تُو میرے عشق سے بے نیاز ہے ورنہ تُو بھی خود بکثرت ملاقات کی کوئی تدبیر سوچتا۔ تُو عشق کے معاملے میں امیر ہے اور حُسن سے مالا مال ہے۔ اپنے رُتبے کی کچھ خیرات مجھے دے اور مجھ پر عنایت کی نظر رکھ۔ میں نالائق اور بے ادب ہوں لیکن تیری مہربانیاں صرف لائقوں ہی کے لیے نہیں۔ سورج کا فیض عام ہوتا ہے۔ اُس کی دھوپ اگر نجاست پر پڑتی ہے تو سورج کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ وہ نجاست کھاد بن کر کارآمد بن جاتی ہے۔ گوبر سوکھ کر بھٹی جلانے کے کام آجاتا ہے۔ وہ پہلے آلائش تھا پھر آرائش بن گیا اور مٹی میں مل کر نباتات پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ جس طرح سورج نے نجاست کو دور کر دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ برائیوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور ایک مرتبہ یہ بھی ہے کہ وہ بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جب اللہ کا گنہگاروں کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ اُن کی نجاست (گناہ) سے پھول بوٹے (نیکیاں) اُگ پڑے ہیں تو پھولوں (نیکیوں) پر جو اثرات مرتب ہوں گے اُن کو وہی ذات جانتی ہے یعنی لوگوں کو جنت کی وہ نعمتیں ملیں گی جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ اُن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ زبان و بیان میں نہیں سما سکتیں۔ ہم تو اُن نعمتوں کا بیان نہیں کر سکتے، لیکن اے محبوب! آپ خود بیان کر دیجئے اور اپنے حُسنِ خلق سے اُن میں سے کچھ عطا بھی فرما دیجئے۔ ہمارے اندر تو زہر ہی زہر ہے ہم بُرے ہیں۔ ہماری سب عادتیں بُری ہیں ہم پھول کیسے بن جائیں۔ اے بہاریں عطا کرنے والے! ان کانٹوں کو پھولوں کا حُسن عطا فرما دے۔ ہم بُرائی کی انتہا پر ہیں لیکن تیری مہربانی کرم کی

مُر ترا ہر زخم کاید ز آسماں
جو تکلیف بھی نہیں آسمان کی طرف سے پہنچے

مُنتظرمی باش خلعت بعد ازاں
اُس کے بعد وہاں سے کسی انعام کا منتظر رہ

انتہا پر ہے۔ ہم جیسے انتہا درجے کے گنہگاروں کو تیرا انتہائی فضل درکار ہے۔ چوہے نے مینڈک سے کہا: میری زندگی میں تُو بے نیازی برت رہا ہے لیکن میرے مرنے کے بعد تُو روئے گا۔ اے میرے محبوب! میرے مرنے کے بعد مجھ پر جو مہربانیاں تُو کرے گا اُن میں سے تھوڑی سی ابھی کر دے اور جو باتیں میری قبر سے کرے گا وہ میرے ساتھ ابھی کر دے اور مجھے غم میں خوش کر دے۔ اُدھار سے نقد بہتر ہوتا ہے جو کچھ کرنا ہے ابھی کر دے۔

اب قصّہ سنو جس کا سبق ہے کہ اُدھار سے نقد بہتر ہے۔ چوہے کا مینڈک کی خوشامد کرنا کہ بہانہ نہ سوچ اور میری ضرورت کے پورے کرنے کو اُدھار میں نہ ڈال کیونکہ تاخیر میں مصیبتیں ہیں۔ صوفی ابن الوقت ہے اور بیٹا باپ کے دامن سے ہاتھ نہیں ہٹاتا ہے اور صوفی کا مہربان باپ جو کہ وقت ہے اُس کی نگہداشت کرتا ہے، آئندہ کے لیے محتاج نہیں بناتا۔ اُس کو اپنے احسانات کی چراگاہ میں اس قدر مصروف رکھتا ہے کہ وہ عوام کی طرح آنے والے زمانے کا منتظر نہیں ہوتا۔ وہ نہ دہری ہوتا ہے نہ قدری۔ نہ منع کرنے والا ہوتا ہے نہ زمانے سے ساز باز کرنے والا کیونکہ اللہ کے یہاں نہ صبح ہے نہ شام۔ آنے والا، گزرا ہوا زمانہ، ازل اور ابد وہاں نہیں ہے۔ وہاں آدم پہلے اور دجال بعد میں نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمام باتیں ہماری جزوی عقل کے دائرہ میں ہیں اور عالم لامکان ولازمان میں حیوانی رُوح کے لیے یہ رسمیں نہیں ہیں۔ تُو وہ ابن الوقت ہے کہ اس سے تجھے زمانوں کے تفرقہ کے سوا کچھ سمجھ نہیں آتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ایک ہے' سمجھ میں آتا ہے اور دُوئی کی نفی کر کہ یہ واحدی حقیقت ہے۔

چاندی بخشنے والے ایک شخص نے ایک صوفی سے کہا کہ کیا وہ آج ایک درہم لینا پسند کرتا ہے یا کل تین درہم۔ صوفی نے جواب دیا آج کے ایک درہم کی بجائے کل کو میں تین درہم تو کیا سو درہم بھی پسند نہیں کرتا۔ نقد تو ایسی چیز ہے کہ اس کا چپت بھی اُدھار کی عطا سے اچھا ہے۔ خصوصاً تیرا چپت تو بہت ہی بہتر ہے کیونکہ میری گدی تیرے چپت کی عاشق ہے۔ جب نقد بہر حال بہتر ہے تو تُو ابھی آجا۔ میں رات کا مسافر ہوں اور تیرا چہرہ چاند ہے۔ چاند کو رات کے مسافر سے چُھپانا مناسب نہیں ہے۔ میں نہر ہوں، تُو آبِ رواں ہے، پانی کو نہر میں آنا چاہیے۔ پانی پہنچنے سے نہر کے کنارے مسکرا پڑتے ہیں اور اُن پر پھول بوٹے نمودار ہو جاتے ہیں۔ اے مخاطب! جب تُو نہر کے کنارے سبزہ دیکھے تو دُور سے سمجھ لے کہ نہر میں پانی ہے یعنی کسی شخص کے انوار و برکات کے متعلق دیکھ کر اُس کے صاحبِ نسبت ہونے کو سمجھ لے۔ نیکی کے آثار پیشانی پر ہوتے ہیں۔ یہ اسی لیے کہ سبزہ زار اشارہ کرتا ہے کہ وہاں پانی ہے۔ اگر رات میں بارش ہوتی ہے تو بارش کو کوئی نہیں دیکھتا لیکن صبح کو سبزے پر تازگی دیکھتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ رات بارش ہوئی ہے۔ ہم پھر چوہے

اے بسا مُرغے زمعدہ وز مغص
بعض دفعہ پرندہ اپنے معدے کی خواہش کی وجہ سے لالچ میں

بر کنارِ بام محبوسِ قفص
کسی بالاخانے کے کنارے پنجرے کا قیدی بن جاتا ہے

اور مینڈک کی کہانی کی طرف مڑتے ہیں۔

چوہے نے مینڈک سے کہا: اگرچہ میں خاکی ہوں اور تُو آبی ہے، اس لیے میں تیرا ہم جنس نہیں ہوں لیکن تو شاہِ رحمت ہے اور عطا کی طرف منسوب ہے اور عطا کے لیے ہم جنس ہونا ضروری نہیں۔ مجھے ایسے موقع دے دے کہ وقت بے وقت تجھ سے مل لیا کروں۔ میں نہر کے کنارے پر آ کر آپ کو پکارتا ہوں لیکن آپ جواب نہیں دیتے۔ میں خاکی ہوں اِس لیے پانی میں نہیں آ سکتا۔ کوئی ایسی علامت مقرر کر دے کہ میری آواز آپ تک پہنچ جایا کرے۔ اُن میں یہ طے ہو گیا کہ ایک ڈورا ہو جس کا ایک سرا چوہے کے پاؤں میں اور دوسرا مینڈک کے پاؤں میں بندھا ہو۔ جب ملنے کی ضرورت ہو تو ڈورے کو کھینچ لیا جائے تا کہ دوسرے کو پتہ چل جائے کہ وہ بلا رہا ہے۔

یاد رکھو! جسم کا تعلق رُوح کے پاؤں کا ڈورا ہے جو رُوح کو آسمان سے کھینچ لاتا ہے۔ رُوح کا مینڈک نیند کی حالت میں جسم کے چوہے سے رہائی پا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ جسم کا چوہا پھر اُسے کھینچ لاتا ہے۔ اگر جسم کا چوہا رُوح کے مینڈک سے وابستہ نہ ہوتا تو رُوح کا مینڈک ہمیشہ پانی میں رہتا اور عیش کرتا۔ جسم اور رُوح کا یہ تو دنیاوی زندگی میں حال ہے۔ قیامت میں جب پھر رُوح جسم سے وابستہ ہو گی تو اُس کے اَحوال اللہ تعالیٰ سے سُن لینا۔ مینڈک کو یہ بات ناگوار گزری کہ یہ چوہا مجھے پھانسنا چاہتا ہے۔ روشن ضمیر انسان کو جو بات ناگوار ہوتی ہے وہ یقیناً کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مومن کی یہ فراست اللہ کی صفت ہے، جو مومن کے دل کے نور نے اللہ تعالیٰ کے علم سے حاصل کی ہے۔ آنے والی مصیبت کو مومن کا دل تاڑ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات یہ بات جانور کے دل میں بھی پیدا کر دیتا ہے۔ ابرہہ جب ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے چلا تو وہ ہاتھی آنے والی مصیبت کو تاڑ گیا، اُس کا قدم کعبہ کی طرف نہ اُٹھتا تھا۔ جب اُس ہاتھی کا رُخ یمن کی طرف کیا جاتا تو دوڑنے لگتا۔ جب ہاتھی کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ جس ولی پر قلبی واردات ہوں اُس کا حال کیا ہو گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی خفیہ بات کو تاڑ گئے تھے۔ جب بھائیوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام ہمیں امین کیوں نہیں سمجھتے؟ ہم تو اس کی حفاظت کریں گے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کو جدا کرنے سے مجھے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ میرا دل کبھی صحیح بات سے تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے نور سے روشنی حاصل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو قلبی احساس سے پورا یقین ہو گیا تھا کہ بھائیوں کی بات میں فساد مخفی ہے لیکن اس کے باوجود قضاءِ خداوندی میں چونکہ ایسا ہی ہونا تھا، لہٰذا وہ راضی ہو گئے۔ اُنھوں نے دل کی بات سے درگزر کر دی' چونکہ اس

اے بسا حاجی بحج رفتہ بعشق | وقت باز آمد شُدہ اُو یارِ فسق
بسا اوقات حج کے عشق میں گیا ہوا حاجی | واپسی پر فسق و فجور کا ساتھی بن جاتا ہے

معاملہ میں اللہ کی طرف سے ایک حکمت پوشیدہ تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو نورِ دل حاصل تھا لیکن پھر بھی وہ فریب میں آ گئے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر کوئی دل کا اندھا فریب کھا جاتا تو تعجب نہ ہوتا۔

قضاءِ خداوندی کے بھی عجیب تصرفات ہیں وہ بینا کو بھی نابینا بنا دیتی ہے۔ اور خدا کی مشیت اُس آنکھ کا پردہ بن جاتی ہے۔ جب تقدیرِ خداوندی کسی کام میں آڑے آتی ہے تو انسان یقینی بات میں تذبذب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دل کا پختہ ارادہ نرم پڑ جاتا ہے۔ گویا دل اپنے ارادے کے خلاف قضاء کے فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے۔ وہ دل اپنے ارادہ سے اپنے آپ کو غافل بنا لیتا ہے اور باگ قضاء کے ہاتھ میں چھوڑ دیتا ہے۔ اگر کوئی باطنی نور والا اپنے احساس کے خلاف سے مغلوب ہو جاتا ہے تو وہ دراصل مغلوبیت نہیں ہے بلکہ قدرت کی جانب سے آزمائش ہے کہ اپنے ارادے کے خلاف ہر قضاء سے وہ راضی ہے یا نہیں؟ قضاء کی وجہ سے جب وہ بلا میں پھنستا ہے اور اس پر رضا کا اظہار کرتا ہے تو سینکڑوں مصیبتوں سے نجات پا جاتا ہے اور اُس کا ایسا کرنا اُس کو بلندیوں پر لے جاتا ہے۔ یہ دلیری میں ناقص تھا، اب جبکہ آزمائش میں کامیاب ہو گیا تو سینکڑوں فاسد خیالات سے نجات پا جاتا ہے۔ اُس کامیابی کے نتیجے میں وہ پختہ اور اُستاد بن جاتا ہے اور دنیا کے وسوسوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ سے نجات پا کر وہ توحید کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اب اُس کو ایک خاص مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ عام لوگ غیرِ حق کے وجود کو اہم سمجھتے ہیں۔ قضاء وقدر کے لامحدود سمندر کے مقابلے میں انسان کا ہنر واحساس کیا کر سکتا ہے؟

عالمِ شہود میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ اسی عالمِ غیب سے آیا ہے۔ اس عالم میں ایک نئی چیز آ کر پرانی چیز کی جگہ لے لیتی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ عالمِ شہادت اور عالمِ غیب کے درمیان ایک بڑی کھلی سڑک ہے جس پر ہر وقت آمد ورفت ہے۔ ہمیں محسوس نہیں ہوتا ورنہ عمر کا جو دن گزر رہا ہے ہم اُس میں عالمِ آخرت کی طرف چل رہے ہیں۔ انسان جو کاروبار کرتا ہے اور نفع کمانے کی کوشش کرتا ہے وہ کسی وقتی ضرورت کے تحت نہیں کرتا بلکہ آئندہ کی بنا پر کاروبار کرتا ہے۔ تُو بھی اپنی عمر کے مال کی تجارت آخرت کے پیشِ نظر صرف کر۔ صحیح مسافر وہی ہوتا ہے جس کی نظر منزل پر ہو۔ جس طرح خارجی موجودات کا سلسلہ ہے، یہی صورت ذہنی موجودات کی ہے۔ مضامین اور خیالات عالمِ غیب سے دل میں آتے ہیں۔ اُن خیالات کا پے در پے آنا بتاتا ہے کہ وہ سب ایک جگہ سے آ رہے ہیں اور اُن کا مخزن ایک ہے۔ جس طرح پیاسے پانی کی طرف دوڑ کر آتے ہیں اسی طرح خیالات دل میں آتے ہیں اور اپنی پیاس بجھا کر واپس ہوتے ہیں۔ کچھ نمایاں رہتے ہیں کچھ بالکل پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ستارے آسمان میں گردش کرتے ہیں اسی طرح خیالات دل کے

بار کُن بیگارِ غم را بر تنت
اگر غم دُنیا آئے تو اپنے جسم پر برداشت کر

بر دل و جاں کم نہ آنجاں کندنت
اپنے دل اور جان کو اُس مصیبت سے بچا کر رکھ

آسمان میں گردش کرتے ہیں۔
جس طرح نجومی بعض ستاروں کو سعد اور بعض کو نحس سمجھتے ہیں اسی طرح خیالات کو بھی سمجھ۔ اچھا خیال ہو تو اُس سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور بُرا خیال آئے تو صدقہ کر اور توبہ کر۔ فاسد خیالات سے بچنے کا علاج ہم نے صدقہ و استغفار بتایا لیکن دراصل اُن سے محفوظ رکھنا فضلِ خداوندی کا کام ہے۔ دُعا کرنی چاہیے کہ یاالٰہی! میرے منحوس حالات کو تبدیل کر دیجیے اور اس نحس کو گھما دیجیے تاکہ سعد طلوع کر آئے۔ نیکیوں کے نور سے رُوح کو روشن کر دیجیے۔ وہ گناہوں کے اثرات سے کالی پڑ گئی ہے، میری رُوح کو معاصی کے خیالات سے نجات دے دیجیے۔ آپ کی مہربانی سے میرے دل میں پَر پرواز پیدا ہو جائے گا اور یہ دنیاوی دھندوں سے نجات حاصل کر سکے گا۔ آپ نے تو خود قرآن میں فرمایا ہے کہ ''اور خدا سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔''
عزیزِ مصر کے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کی بشارت تھی۔ جب تُو احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو خود کیوں احسان نہیں کرے گا۔ میرے گناہ میری نیکیوں کو نگل رہے ہیں۔ مجھ میں نیکیوں کا قحط ہے اس کو جائزہ نہ رکھ۔ یا تو میری زاری سن کر مجھ پر رحم کر دیجیے یا میرا شیخ جو میرے لیے دُعا کرتا ہے اُس کی دعاؤں کی وجہ سے مجھ پر رحم کر دیجیے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی اُن کے مصر پہنچنے کا سبب بنے۔ جہاں وہ قید ہوئے اور عورتوں کی سازش نے اُن کو قید میں ڈلوایا۔ اسی طرح ہماری قوت غضبیہ اور قوت شہوانی ہے جو ہمارے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ میرے معاصی مجھے قرب سے دُور کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں خزاں کے پتے کی طرح مرجھایا ہوا ہوں، جب میں نے تیرے لُطف اور کرم پر نظر کی اور یہ پیغام سُنا کہ تُو توبہ کو قبول کرتا ہے تو شیطان کی نظرِ بد کو دفع کرنے کے لیے ہرمل نکالا کہ اس کی دھونی دوں۔ توبہ کی تو اس توبہ کو نظرِ بد لگ گئی۔ معلوم ہوا کہ توبہ کرنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اصل تو اُس کی قبولیت ہے۔ جو تیری پُر لطف نظرِ کرم ہے۔ شیطان سے بچاؤ کا مضبوط ذریعہ تیری نظرِ کرم ہے۔ تیری نظرِ کرم کی تاثیر یہ ہے کہ وہ بدنظر کو نیک نظر بنا دیتی ہے۔
اللہ کی نظرِ کرم جس پر ہوتی ہے اُس کے دل کی ہمت بلند ہو جاتی ہے اور وہ شیرِ نر کی طرح صرف آخرت کے اُمور کا شکار کھیلتا ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کا مقصد آخرت بھی نہیں بلکہ خالص ذاتِ خداوندی ہوتی ہے جس کے وہ طالب بن جاتے ہیں۔ اُن کا نعرہ ہوتا ہے کہ ہم دنیا کی فانی چیزوں سے کوئی محبت نہیں رکھتے۔ اُن کا دل جو تیری طلب میں پرواز کرتا ہے اُن کو تیری عطا سے خاص حواس حاصل ہو جاتے ہیں۔ اُن کے حواس خدائی صفات سے متصف ہو جاتے ہیں۔ جب اُن

عُسر با لیُسر ہیں آئیس مباش
ہر تنگی کے ساتھ ساتھ کشادگی بھی ہے تو مایوس نہ ہو

راہ داری زیں ممات اندر مُعاش
موت کے بعد ہی تُو ابدی زندگی پائے گا

کے حواس کا تعلق عالمِ حقائق سے ہو جاتا ہے اور اُن حواس میں موت یا بڑھاپے سے کوئی کمزوری نہیں آتی۔ جب اُن میں خدائی صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو جس طرح خدا مالکُ الْملک ہے، اُن کے حواس کو بھی عوام کے حواس پر شاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اِس لیے انسان کو ایسے حواس ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اِس حکمت میں بعض لوگوں کی حسوں کے بالا ہونے کے نفع کو واضح کیا گیا ہے۔

چوروں نے سلطان محمود سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ تو اُس نے کہہ دیا کہ میں تم میں سے ہی ہوں۔ ایک چور نے ساتھیوں سے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا ہُنر ظاہر کرے۔ ایک نے کہا کہ میں کتے کی بولی سمجھ لیتا ہوں۔ ایک نے کہا کہ میری آنکھ میں اتنی تاثیر ہے کہ جس شخص کو اندھیرے میں دیکھ لوں، دن کو بھی اُسے پہچان لیتا ہوں۔ ایک نے کہا کہ میرے بازو میں اِس قدر طاقت ہے کہ پنجہ کے زور سے بغیر اوزار کے دیوار میں نقب لگا دیتا ہوں۔ ایک نے کہا کہ میری ناک کی یہ خصوصیت ہے کہ زمین کی مٹی سونگھ کر بتا دیتا ہوں کہ خزانہ یہاں ہے یا نہیں۔ حدیث شریف ہے کہ ''انسان، سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں'' اِس قصّہ سے حدیث کے معنیٰ سمجھ میں آ گئے۔

جیسے انسان کے اَوصاف مختلف ہوتے ہیں اسی طرح دین کے متعلق خواص بھی انسانوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ میں سونگھ کر بتا سکتا ہوں یہاں کتنا سونا ہے۔ مجنوں کو لیلیٰ کی قبر کسی نے نہ بتائی، اُس نے مٹی سونگھ کر اُس کی قبر کو پہچان لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے خدائی سانس یمن کی طرف سے آ رہی ہے۔ ایک چور نے یہ کہا کہ میں پہاڑ جیسی اونچی جگہ بھی کمند پھینک سکتا ہوں۔ حضور ﷺ نے اپنے عشق کی کمند پھینکی تو اُس کے ذریعے معراج میں آسمان تک پہنچے۔ اُنہوں نے ایسی کمند پھینکی کہ انہیں تختِ الٰہی، عرش اور قربِ الٰہی تک لے گئی۔ اُس کمند اندازی کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ فعل بھی آپ کا نہیں ہے بلکہ ہمارا ہے جیسا کہ بدر میں کنکریوں کا پھینکنا ہمارا فعل تھا۔

سلطان نے چوروں کے سوال پر فرمایا کہ میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ جب میں داڑھی ہلا دوں تو مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ جب انہیں سزا کے لیے جلاد کے سپرد کیا جاتا ہے اور میں اُن کی رہائی کے لیے سر سے اشارہ کر دوں جس سے داڑھی ہل جائے گی تو مجرم فوراً چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ چوروں نے کہا کہ تُو ہمارا قطب اور پیشرو ہے کیونکہ مصیبت اور گرفتاری کے وقت تُو ہی کام آئے گا۔ وہ سب چوری کرنے چل دیئے۔ ایک کتا بھونکا تو ایک چور جو کتے کی آواز پہچانتا تھا بولا کہ کتا کہہ رہا ہے کہ سلطان تمہارے ساتھ ہے۔ وہ آگے بڑھ گئے اور کمند کے ذریعے قلعے کے اندر پہنچے۔ سونگھنے والے نے بتا دیا کہ خزانہ اس جگہ ہے۔ اُنہوں نے نقب لگا کر خزانہ لوٹا اور باہر جا کر زمین میں دفن کر دیا۔

طفل می لرزد زنیشِ احتجام
پچھنے لگانے کی تکلیف سے بچّہ تو لرزتا ہے

مادرِ مُشفق دراں غم شاد کام
لیکن اُس کی مہربان ماں اِس تکلیف سے خوش ہوتی ہے

سلطان نے اُن سب کو پہچان لیا تھا، وہ چپکے سے اُن سے الگ ہو گیا اور دن کے وقت دربار میں پہنچ کر ساری سرگزشت سنادی۔ چوروں کی گرفتاری کے لیے سپاہی روانہ کر دیئے کہ وہ اُن کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ اُنہوں نے پہچان لیا کہ سلطان تو رات کو اُن کا ساتھی تھا۔ ایک بولا: سلطان کی داڑھی میں بہت سی خصوصیتیں ہیں۔ اِس کے کہنے سے ہماری گرفتاری ہوئی ہے وہ بولا کہ وَهُوَ مَعَكُمْ یعنی ''وہ تمہارے ساتھ ہے'' کا یہی مطلب ہے کہ اُس نے ہمارے کارنامے دیکھ لیے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ جان پہچان والوں کے ساتھ مروت برتتا ہے، اُن کی بات نہیں ٹالتا۔ میں تم لوگوں کی سفارش کر کے چھڑوالوں گا۔ چور کے عارف ہونے سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے عارفین کا ذکر شروع کر دیا کہ اُن کی آنکھ دونوں جہان کے لیے باعثِ امن ہے اور ہر بادشاہ اُن سے مدد حاصل کرتا ہے۔ وہ بقاءِ عالم کا سبب ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی مکمل معرفت حاصل تھی اور اُن کی نظر کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منظورِ نظر صرف اللہ کی ذات تھی اور وہ ہر غیر سے پھری ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا حق ملا اور محشر میں باعثِ امن بنے۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شفاعت کی منظوری کے بارے میں پُر اُمید ہیں۔ قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا "اَلَمْ نَشْرَحْ" کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کو کشادہ کر دیا ہے۔ اِسی شرح صدر کا سُرمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں تھا۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تجلیات کو بھی دیکھ لیا جس کو جبرائیل علیہ السلام نہ دیکھ سکے۔ ایسا سُرمہ کسی یتیم کے لگ جائے تو وہ دُرِ یکتا اور ہادی بن جاتا ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنے۔ اُس کی روشنی کے مقابلے میں دوسروں کی بصیرت سورج کے مقابل ذروں کی چمک ہے۔ پھر وہ اُس بصیرت کے ذریعے ایسے ہی مطلوب کا طالب بن جاتا ہے۔ اُس کی نظر میں لوگوں کے اَحوال واضح ہو جاتے ہیں۔ اِسی لیے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد یعنی دیکھنے والا ''گواہ'' کا لقب دیا۔

گواہی کا مدار دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ گواہ کی زبان ہو تاکہ عدالت میں گواہی دے سکے۔ دوسرے یہ کہ آنکھ تیز ہو جس سے وہ واقعہ کو دیکھ سکے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں چیزیں مکمل تھیں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب نیند کی حالت میں بھی بیدار رہتا تھا، اِس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بیدار قلب سے کوئی راز چھپا نہ رہتا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس راز پر ایسا یقین ہوتا تھا جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھا ہو۔ قاضی ہمیشہ گواہ کے ذریعہ ہی فیصلے پر پہنچتا ہے، گویا گواہ قاضی کی آنکھ ہوتا ہے۔ مدعی نے بھی واقعے کو دیکھا ہوتا ہے لیکن اُس کی غرض نے واقعہ کے بعض پہلوؤں کو مخفی کر دیا ہے لہٰذا اُس کی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ اللہ کا منشا یہ ہے کہ انسان بے غرض بن جائے تاکہ اُس کو گواہ کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ انسان

ہر کہ شیریں می زید اُو تلخ مُرد جو شخص خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے وہ تلخ موت مرتا ہے	ہر کہ اُو تن را پرستد جاں نبرد جو شخص تن پروری کرتا ہے اپنی جان نہ بچا سکے گا

کی غرضیں اُس کو گواہی کے نا قابل بناتی ہیں۔ انسان کو اپنے محبوب کی بُرائی نظر نہیں آتی اور نہ وہ اُس کی بُری بات کو سنتا ہے۔ نورِ خدا کی وجہ سے آپ ﷺ کا علم و معرفت اِس قدر مکمل تھا کہ دوسروں کا علم اُس کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ آپ ﷺ سے اَسرار مخفی نہ تھے اور آپ ﷺ جان گئے تھے کہ مومن کی رُوح کی رفتار کس طرف ہے اور کافر کی رفتار کدھر ہے۔ دونوں جہانوں میں رُوح سے زیادہ پوشیدہ چیز کوئی نہیں ہے۔

جن لوگوں نے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کر لیا ہے، انہوں نے اپنی دونوں آنکھوں کو کھول لیا۔ اُن کو تمام معلومات حاصل ہو گئیں لیکن رُوح کی حقیقت اُن کے لیے بھی واضح نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کے بارے میں اللہ نے مجملاً صرف اتنا فرمایا ہے کہ وہ خدائی اَمر سے ہے لیکن حضور ﷺ نے اُس رُوح کو دیکھ لیا، پھر آپ ﷺ کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہی۔ جبکہ آپ ﷺ کو اَسرار کا مُشاہدہ ہے تو قیامت میں آپ ﷺ گواہ بنیں گے اور آپ ﷺ کی گواہی اختلاف کے دردِ سر کو رفع کر دے گی۔ حضور ﷺ کو محبوبیت کا درجہ اسی لیے حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور جس گواہ میں عدالت ہوتی ہے وہی عادل کا محبوب ہوتا ہے۔ تو آپ ﷺ عادل گواہ ہونے کے اعتبار سے دوست یعنی اللہ کی قوتِ باصرہ ہیں۔ چونکہ عادل گواہ حاکم کا محبوب ہوتا ہے۔ اِس لیے قلب اللہ کا منظورِ نظر اور محبوب ہے کیونکہ وہ بھی عادل گواہ ہے۔ اللہ کو جو حضور ﷺ سے محبت ہے وہی ایجادِ دو عالم کا سبب بنی ہے۔ چونکہ ایجادِ عالم حضور ﷺ سے محبت کی وجہ سے فرمائی گئی اس لیے شبِ معراج میں حضور ﷺ سے فرمایا: لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ ''اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا'' حاکم کا حکم سب انسانوں پر حاکم ہے لیکن حاکم کا حکم شاہد کے تابع ہوتا ہے۔

حضور ﷺ عالمِ بشریت کے اعتبار سے قضا کے محکوم تھے لیکن چشمِ بصیرت کی وجہ سے شاہد اور گواہ بنے تو آپ ﷺ کو اس اعتبار سے اللہ نے اپنے اختیار سے اپنے فیصلے کا حکم بنا دیا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ عارف، مخلوق کی امان کا سبب ہوتا ہے۔ اب اسی مناسبت سے فرماتے ہیں کہ عارف یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ نے معروف یعنی حضرتِ حق سے بہت سی درخواستیں کی ہیں۔ ہمارا دل ہمیں بھلائی کے اشارے کرتا ہے لیکن ہم اُن کو نہیں سمجھ پاتے اور بسا اوقات اُن پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں ہر وقت دیکھتا ہے، ہم اُس کو نہیں دیکھ پاتے کیونکہ سبب یعنی عالمِ اسباب کی مشغولیت ہمارے لیے پردہ بن گئی ہے۔ مُشاہدہ کے بھی مراتب ہیں۔ عارف باوجود مُشاہدہ کے اعلیٰ مرتبہ کے لیے دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تُو انعام میں منتہی ہے اور تیرا یہ لطف ایک درجہ کا مُشاہدہ ہو گیا ہے جو مجھے حاصل ہے لیکن تیری عطا کا کمال یہ ہے کہ مجھے مزید مراتب عطا کر دے۔ تُو نے جب دنیا میں کرم فرمایا تو آخرت میں بھی کرم فرما دے۔ وصال کے بعد فراق بڑی

مصیبت ہے۔ جس کو ایک بار دیدار حاصل ہو چکا ہو اُس کو اب دیدار سے محروم نہ کر بلکہ اُس کے سبزۂ دید میں بالیدگی فرمادے۔ میں نے تجھ سے کسی وقت اِستغناء نہیں برتا تُو بھی مجھ سے اِستغناء نہ برت۔ جس کو دیدار کا قرب حاصل ہو چکا ہو اب اُس کو محروم نہ کر۔ تیرے ماسوا کو دیکھنا وبالِ جان ہے کیونکہ تیرے سوا ہر چیز لغو اور فانی ہے۔ چونکہ میں خود باطل ہوں اس لیے یہ باطل چیزیں مجھے اچھی نظر آتی ہیں اور اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

اس عالم کی ہر چیز اپنی ہم جنس کے لیے باعثِ کشش ہے۔ معدہ روٹی کو، جگر کی گرمی پانی کو کھینچتی ہے۔ معشوق بن سنور کر نکلتے ہیں تاکہ کوئی اُنہیں دیکھے۔ دماغ خوشبو کی تلاش کرتا ہے۔ آنکھ میں اور رنگ روپ میں مناسبت ہے۔ ناک اور دماغ کی مناسبت خوشبو سے ہے۔ اِن باطلوں میں جو کشش ہے تُو ہمارے لیے اپنی مہربانی کی کشش کے ذریعے اِن کششوں سے ہمیں بچالے۔ اِن سب کششوں پر تُو غالب ہے۔ اگر ہم درماندوں کو تُو کھینچ لے تو تیری کشش کے شایانِ شان ہوگا۔

شاہ کے عارف چور نے بادشاہ کی طرف اس طرح منہ کیا جیسا کہ پیاسا ابر کی طرف دیکھتا ہے۔ اُس شاہ کی طرف جو شبِ قدر کا چودھویں کا چاند تھا۔ چوں کہ اُس کی اور شاہ کی جان پہچان تھی اس لیے درخواست کرنے میں اُس نے ہمت سے کام لیا۔ اُس نے عرض کی ہم اس وقت مقید ہو گئے ہیں جیسا کہ رُوح جسم میں مقید ہے۔ حشر میں حق تعالیٰ رُوح کے لیے باعثِ راحت بنے گا جس طرح دنیا میں سورج رُوح کے اِنشراح اور راحت کا سبب ہے۔ اُس نے شاہ سے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اپنی داڑھی کی خاصیت دکھا کر ہمیں قید سے رہائی دلائیں۔ دوسرے ساتھیوں کے ہُنر تو ہماری گرفتاری کا باعث بن گئے ہیں چوروں کی جو خصوصیات تھیں وہ سب تباہی اور قید کا سبب بنیں۔ صرف اُس چور کی خصوصیت کام آئی جو رات کے دیکھے ہوئے کو دن میں پہچان لیتا ہے۔ وہ آنکھ کام آئی جس نے بادشاہ کو پہچان لیا۔

بدلے کے دن بادشاہ کو اُس کو سزا دیتے ہوئے شرم آئے گی۔ جس کتے نے بادشاہ کو پہچان لیا تھا وہ کتا بھی اس لائق ہے کہ اُسے اصحابِ کہف کا کتا کہا جائے۔ جو چور کتے کی آواز کو سُن کر سمجھ لیتا تھا اُس کی خاصیت بھی اچھی تھی کیونکہ اس سے اُس کو شاہ سے آگاہی ہوئی۔ کتا جو شب بیداری کرتا ہے وہ شب خیزوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہ کتے میں ایک خوبی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ کتے جیسے بدنام جانور سے بھی بالکل نفرت کرنا مناسب نہیں' اُس کے پوشیدہ اچھے اوصاف پر نظر رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی ایک دفعہ بدنام ہو گیا ہے تو کسی کو محض اُس کا نام ڈھونڈنا اور اپنے آپ کو نیک سمجھنا مناسب نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کے اندر کوئی خوبی بھی ہو۔ محض ظاہر پر حکم نہیں لگانا چاہیے کیونکہ بعض اوقات

ترکِ دُنیا ہر کہ کرد از زُہدِ خویش
جس نے اپنے زُہد کی وجہ سے دُنیا کو چھوڑ دیا

بیش آمد پیش اُو دُنیا ز پیش
اُس کے سامنے دُنیا پہلے سے زیادہ آتی ہے

خالص سونے کو کالا کر دیا جاتا ہے تاکہ اُسے کوئی نہ لُوٹے۔ وہ سیاہ سونا زبانِ حال سے کہتا ہے کہ ہر شخص میرے راز کو نہیں سمجھتا ہے۔ تُو میرے پاس آ کر دیکھ، تب راز سمجھے گا۔

سمندری بیل اور گوہر کا قصہ، تاجر کا کارنامہ

دریائی بیل سمندر سے گوہر باہر لاتا۔ اُسے چراگاہ میں رکھتا اور اُس کی روشنی میں صاف ستھری غذا چرتا۔ جس کی روزی اللہ تعالیٰ کا نور ہو اُس کے منہ سے تو خوشبو ہی نکلے گی۔ اگر کوئی اللہ کے ذکر کے نور کی رُوحانی غذا حاصل کرلے گا تو اُس کی زبان سے بھی مؤثر کلام صادر ہوگا۔ جو شخص وحیِ الٰہی سے خوراک حاصل کرے گا اُس کا منہ شہد سے کیوں پُر نہ ہوگا۔ بیل چرتے چرتے گوہر سے دُور ہو گیا۔ ایک تاجر نے گوہر پر کالی کیچڑ رکھ دی اور چراگاہ میں تاریکی پھیل گئی۔ تاجر، گوہر کو مٹی میں دبا کر درخت پر چڑھ گیا تاکہ بیل کے سخت مضبوط سینگ سے بچ سکے۔ جس طرح شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے صرف ظاہر کو دیکھا اور اُن سے گریز کیا اسی طرح بیل گوہر کے اوپر پڑی ہوئی مٹی سے گریز کرتا رہا۔

جس طرح شیطان آدم علیہ السلام کے باطنی اوصاف سے اندھا تھا، بیل بھی نہ سمجھ سکا کہ مٹی کے نیچے گوہر ہے۔ عوام کی رُوح کو تکوینی اعتبار سے ''اِھْبِطُوْا'' (نیچے اُترو) کے حکم نے پستی میں ڈال دیا۔ پھر گناہوں کے ارتکاب نے اُس کو اور بد اثر کر دیا۔ نفسانی خواہشات انسان کو قربِ الٰہی سے محروم کر دیتی ہیں۔ عالمِ بالا سے رُوح کا جسم میں آنا ایسا ہی ہے جیسے عدنی موتی کا مٹی میں چھپ جانا۔ جب رُوح جسم میں آ گئی تو اب اُسے جوہری ہی پہچان سکتا ہے۔ عام دنیادار اس راز سے واقف نہیں ہو سکتا۔ جس مٹی میں گوہر ہوتا ہے وہ گوہر والی دوسری مٹی کو بھی پہچان لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ''ولی را ولی می شناسد''۔ جس جسم میں اللہ کے نور کا چھڑکاؤ نہیں ہے وہ اولیاء رحمہم اللہ کے جسم کی صحبت کو برداشت نہیں کرتا، اُن سے نفرت کرتا ہے۔

چوہے کا مینڈک کو کنارے طلب کرنا اور ڈورا کھینچنا کہ مینڈک کو آگاہ کرے

چوہا، مینڈک کے ساتھ اپنی محبت پر ناز کر رہا تھا کہ دیدار کے مطالعہ میں میرا دل اور جان تار کی طرح ہو گئے تھے۔ اچانک فراق کا کوا آیا اور چوہے کو اُس جگہ سے لے اُڑا۔ جب کوا چوہے کو لے کر اُڑا تو مینڈک بھی پانی کی گہرائی سے کھنچ آیا۔ لوگ دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ کوے نے پانی کے مینڈک کو کس طرح شکار کر لیا؟ کوا پانی میں کیسے گھسا؟ پانی کا مینڈک تو کوے کا شکار بنتا ہی نہیں ہے۔ مینڈک بولا: جو

عقل دو عقل است اوّل مکسبی — کہ در آموزی چو در مکتب صبی
عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک تو کسبی — جو کہ تُو مکتب میں بچوں کی طرح سیکھتا ہے

بے آبروؤں کی طرح کسی کمینہ کا ساتھی بنے اُس کی یہی سزا ہے۔ ناجنس کی صحبت سے بچو اور ہم جنس یعنی کسی نیک کی صحبت اختیار کرلو۔ ہم جنس سے مراد یہ ہے کہ اَوصاف میں باہمی شرکت ہو۔ عقل اور نفس تقریباً ہم جنس ہیں لیکن دونوں کے اَوصاف جدا ہیں لہٰذا عقل بُرے نفس سے فریاد کرتی ہے، جس طرح حسین چہرہ بھدی ناک سے فریاد کرتا ہے۔ عقل نفس سے کہتی ہے کہ ہم جنس ہونا باطنی اَوصاف کی یکسانیت سے ہوتا ہے نہ کہ جسمانی مشابہت سے۔ صورت کی مشابہت سے ہم جنس ہونے کا قائل نہ بن۔ صورت ایک بے جان چیز ہے، اُس میں جنسیت کا احساس نہیں ہے۔ جسم میں احساس اور حرکت جان کی وجہ سے ہے۔

جیسا کہ گیہوں کے دانے کی حرکت چیونٹی کی وجہ سے ہوتی ہے جو اُس کو لے جا رہی ہے۔ چیونٹی کی دانے کی طرف کشش بھی جنسیت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ ہضم ہو کر اُس کا ہم جنس بن جاتا ہے۔ ایک چیونٹی نے راستہ میں جَو کا دانہ لے لیا۔ دوسری نے گیہوں کا دانہ لے لیا۔ وہ ایک دوسری طرف چلیں تو گیہوں کا دانہ جَو کے دانے کی طرف نہیں دوڑ رہا ہے۔ بلکہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹی کی طرف دوڑ رہی ہے۔ جَو کا گیہوں کے دانے کی طرف چلنا تبعاً ہے، چیونٹی کو دیکھ لے تو سمجھ میں آجائے گا۔ جَو اور گیہوں کے دانے کی حرکت کی وجہ سے یہ نہ سمجھ کہ وہ چل رہے ہیں۔ اُن کے بالمقابل جو چیز ہے یعنی چیونٹی اُس کو دیکھ لے، یہ تو اُس کے قبضے میں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے چیونٹی کالے نمدے پر چل رہی ہے اور نظر نہیں آتی اور صرف دانہ چلتا نظر آتا ہے تو عقل سے سمجھ لے کہ دانے کو لے جانے والی چیونٹی ہے جو چل رہی ہے۔ چونکہ اصل جنسیت اَوصاف کے اعتبار سے ہے نہ کہ صورت کی وجہ سے اِسی لیے اصحابِ کہف کے کتے کی کشش اصحابِ کہف کی طرف تھی۔ صورتوں کو دانہ سمجھ اور دل اور اَوصافِ باطنی کو چیونٹی سمجھ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ میں اَوصاف کے اعتبار سے ہم جنسیت تھی۔ جسم ظاہر ہے اور رُوح مخفی ہے لیکن سمجھ لے کہ جسم رُوح کی وجہ سے حرکت میں ہے۔ آرام میں وہی ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں، یہی بھلے برے میں تمیز کرسکتی ہے۔ آنکھ تو صرف ایک روپ کو دیکھتی ہے۔ یہ کوڑے پر اُگے سبزے پر بھی مائل ہو جاتی ہے لیکن عقل جان لیتی ہے کہ اُس کی تہ میں کیا ہے۔ جو پرندہ عقل سے کام نہ لے صرف آنکھ سے دیکھے وہ جال میں پھنس جاتا ہے۔ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں کہ جن میں جزوی عقل کام نہیں دیتی صرف وحیِ الٰہی ہی رہبری کرتی ہے۔ جنسیت کا مدار جبکہ باطنی اَوصاف پر ہے تو اُس کو عقل پہچان سکتی ہے، نہ کہ آنکھ۔ محض صورت کے اعتبار سے ہم جنسیت نہیں ہوتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانوں میں فرشتے کی جنس تھے اسی لیے نیلے قلعے میں پہنچ گئے۔

عقلِ دیگر بخششِ یزداں بُوَد | چشمۂ آں درمیانِ جاں بُوَد
دُوسری عقل اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوتی ہے | اُس کا سرچشمہ ہماری جان کے اندر ہوتا ہے

عبدالغوث کو پریوں کا لے جانا، سالوں اُن کے ساتھ رہنا اور واپسی

عبدالغوث کوئی شخص تھا جو اَوصاف کے اعتبار سے جن اور صورت کے اعتبار سے انسان تھا۔ وہ انسانوں سے مانوس نہ تھا، جنوں میں رہنا پسند کرتا تھا۔ اِس دنیا میں اُس کے بال بچے بھی ہوئے لیکن اُس کا دل پریوں اور جنوں میں لگتا تھا۔ وہ جنوں کی طرح چھپی ہوئی پرواز میں نو سال تک رہا۔ اُس کے بچے اُس کے مرنے کے قصے بیان کرتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ بچوں کو دیکھنے بھی آیا لیکن پریوں کا ہم جنس ہونے کی وجہ سے پھر ہمیشہ کے لیے غائب ہوگیا۔ جنتی، جنت کا ہم جنس ہوتا ہے اس لیے وہ اللہ کی عبادت کر کے جنت میں ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''سخاوت جنت کا درخت ہے۔ اُس کی ایک شاخ دنیا میں ہے۔ جو اُسے پکڑ لیتا ہے جنت میں چلا جاتا ہے''۔ محبتیں، محبتوں کی اور قہر، قہر کا ہم جنس ہوتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو ستاروں سے ہم جنسیت حاصل تھی۔ اسی لیے ساتویں آسمان پر زُحل ستارے کے ساتھ آٹھ سال تک رہے اور اُس کے ہم راز تھے۔ نو سال کے بعد جب زمین پر آئے تو ستاروں کے اَحوال کا درس دیا کرتے تھے۔ درس میں شریک لوگ بھی ستاروں سے واقف ہوگئے۔

جب حق تعالیٰ دو رُوحوں میں ایک سے خیالات پیدا فرما دیتا ہے تو وہ ایک دوسرے کی ہم جنس ہو جاتی ہیں۔ جسم کی کشش، نظر و فکر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جسم جو بے خبر ہے، اُسے باخبر رُوح کھینچتی ہے۔ جب مرد میں عورت کے اَوصاف پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ ہیجڑا بن جاتا ہے اور عورتوں کی طرح اپنے ساتھ جماع کراتا ہے۔ جب کسی عورت میں مردانہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ عورتوں کے ساتھ جماع کرتی ہے۔ جب کسی بشر میں ملوکیت کا غلبہ ہوتا ہے تو پرندے کے بچے کی طرح ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کے راستے تلاش کرتا ہے۔ اُس کا دھیان ملاءِ اعلیٰ کی طرف ہوتا ہے اور زمین سے بیزار ہوتا ہے۔ اگر انسان میں بہیمیت کا غلبہ ہوتا ہے تو اُس کو ہر وقت کھانے کی فکر رہتی ہے۔ چوہا صورت کی وجہ سے ذلیل نہیں ہے بلکہ باطنی خباثت کی وجہ سے ذلیل ہے۔ اشہب باز جو نہایت قیمتی ہوتا ہے اگر اُس میں خباثت پیدا ہو جائے تو وہ چوہوں بلکہ باقی جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ ہاروت اور ماروت فرشتے تھے لیکن اُن میں بشری اَوصاف تھے، اسی لیے فرشتوں کی صف سے خارج کر دیے گئے۔ فرشتوں کی خصوصیت صف میں رہنا ہے لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ ''بے شک ہم صف باندھنے والے ہیں''۔ پہلے اُن کی نظر لوحِ محفوظ پر رہتی تھی پھر جادو کی لوحوں پر رہنے لگی۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں جسمانی جنسیت تھی لیکن اَوصاف جداگانہ تھے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ جنسیت اَوصاف

فضلِ مرداں بر زناں حالی پرست　　　　زاں بود کہ مرد پایاں بیں تر است
اے موقع پرست! مردوں کی عورتوں پر فضیلت　　　　اِس لئے ہے کہ مرد کی نظر انجام پر ہوتی ہے

کے اعتبار سے ہے تو تجھے نیکوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ نیکوں کی صحبت کی تاثیر دیکھنی ہو تو تیل کو دیکھ لے کہ پھولوں کی صحبت سے اُس میں کیسی خوشبو پیدا ہوگئی۔ انسان تو درکنار اگر مٹی بھی بزرگوں کی ہم صحبت ہو جائے تو اُس میں بزرگی آ جاتی ہے۔ چنانچہ اولیاء رحمہم اللہ کی قبروں کی مٹی پر دل قربان ہوتا ہے۔ قبر کی مٹی کو یہ شرافت اُس بزرگ کے جسم کی صحبت سے حاصل ہوگئی۔ مشہور مقولہ ہے "گھر لینے سے پہلے پڑوسی کا انتخاب کرو"۔ صاحب نسبت کی نسبت صاحب قبر کے فیض سے بڑھ جاتی ہے۔ جب بزرگوں کی قبر سے بھی فیض ہوتا ہے تو زندگی میں اُن کی صحبت کس قدر مفید ہوگی۔ بزرگ انسانوں کے سر کا سایہ تھا اب اُس کی قبر سایہ دار ہے جس سے لاکھوں انسان مستفید ہوتے ہیں۔

مُحتسب کے وظیفہ کی اُمید پر قرض لینے والا شخص

ایک فقیر قرض میں مبتلا ہوا۔ اُس پر نو ہزار اشرفیاں قرض تھا۔ وہ تبریز میں آیا جہاں کا کوتوال بدر الدین عُمر بہت ہی سخی انسان تھا۔ اگر دنیا میں حاتم طائی زندہ ہوتا تو وہ اُس کا غلام بن جاتا۔ اگر وہ کسی پیاسے کو میٹھے پانی کا سمندر بھی دیتا تو سخاوت کی وجہ سے شرمندہ ہوتا کہ کچھ نہ دے سکا۔ فقیر عطا کی اُمید پر تبریز آیا تھا کیونکہ وہ پہلے بھی اُس سے عطا حاصل کر چکا تھا اور اپنے بہت سے قرضے اُتار چکا تھا۔ اُس نے اُس کے سہارے پر ہی قرض لیا تھا کہ اُسے یقین تھا کہ جب جا کر مانگوں گا مل جائے گا۔ یہ فقیر ہمیشہ اُس سخی کی وجہ سے قرض سے بے فکر رہتا تھا۔ جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد حاصل ہو وہ ابولہب سے کب خوف کھائے گا۔ اگر کسی کا اَبر سے تعلق قائم ہو گیا تو وہ لوگوں کو پانی پلانے میں کب بخل کر سکتا ہے۔ فرعون کے دربار کے جادوگروں کو جب خدائی ہاتھ سے واقفیت ہوگئی، وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے بے نیاز ہوگئے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بہادری اسی وجہ سے تھی کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی پُشت پناہی حاصل تھی۔ جب وہ قلعہ پر حملہ آور ہوئے تو قلعہ اُن کی ہمت کے سامنے حقیر تھا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ یہ اکیلا آدمی ہے ہم اِس سے خوف زدہ کیوں ہوں؟ وزیر نے کہا: اُن کے اکیلے پن کو حقارت سے نہ دیکھ۔ دیکھ لے قلعے کے سب لوگ ہیبت سے لرز رہے ہیں۔ کچھ لوگ ہمت کر کے اُن کے مقابلے میں آئے اور ختم ہوگئے۔ وزیر نے کہا کہ میری نظر جب اُن (شاہ) پر پڑی تو مجھے یقین ہوگیا کہ ایسے بہادر کے سامنے آدمیوں کی کثرت بے معنیٰ ہے۔ جب اللہ اپنی عطا کر دیتا ہے تو شاہ لونڈی کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ ظاہری حُسن کے علاوہ باطن کا حُسن بھی عطا کر دیتا ہے۔

تجلی طور کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے میں بھی ایسا نور پیدا ہوگیا تھا جس کو دیکھنے کی ہر شخص میں تاب نہ تھی۔

مرد کاندر عاقبت بینی خم است
جو مرد انجام پر نظر نہیں رکھتا

اُو ز اہلِ عاقبت چوں زن کم است
وہ انجام پر نظر رکھنے والوں سے عورت کی طرح کم ہے

وہ نور طور جیسے پہاڑ کو پارہ پارہ کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ اُس نے قلبِ مومن میں اُس نور کے تحمل کی طاقت پیدا کر دی ہے۔ اللہ کے نور کی مثال ہے کہ ایک طاقچہ ہو جس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ شیشہ میں ہے۔ طاقچہ سے مراد مومن کا جسم، مصباح سے نورِ حق، زجاجہ سے قلبِ مومن ہے۔ مردِ کامل جبکہ تخلیقِ عالَم کا سبب ہے تو گویا وہ عرش و افلاک کے نور کا واسطہ ہے۔ زمین و آسمان کا نور قلبِ مومن کے نور سے حیران ہے اور اُس کے مقابلے میں مضمحل ہے۔ چونکہ عرش و افلاک پر نور قلبِ مومن کے واسطہ سے ہے، اسی لیے اس حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوا کہ ''میں آسمانوں اور زمینوں میں نہیں سما سکتا لیکن مومن کے دل میں مہمان کی طرح سما گیا ہوں''۔ یہ تعلق ایسا نہیں ہے جیسا ظرف اور مظروف کا ہوتا ہے۔ یہ تعلق بے کیف ہے اور اُس کے واسطے سے دونوں عالَم اُس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ قلبِ مومن کے واسطے کے بغیر علوی اور سفلی اُس کی تجلّی کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ قلبِ مومن کو آئینہ تجلیات بنا دینے میں اللہ کا بڑا کرم ہے۔ پہاڑ کا دوگنا حجم بھی ہو تو اُس نور کی تجلّی سے پارہ پارہ ہو جائے۔ یہ نور لوہے کی دیوار کو بھی پار کر جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کملی نے عشق کی حرارت اور شورش کو برداشت کیا تھا۔ حضرت صفورا رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی تھیں نے اُس نور کو ایک آنکھ سے دیکھا تو آنکھ جاتی رہی۔ نورِ حق صرف مجاہدہ کے ذریعے ہی مومن کے دل میں آتا ہے، اُس کے لیے پہلا درجہ لذتوں کو ترک کرنا ہے۔ پھر جب محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو جان کو فنا کر دیتا ہے اور مقامِ فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ حضرت صفورا رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حسرت تو اِس بات کی ہے کہ لاکھوں آنکھیں کیوں نہ ہوئیں کہ اُن سب کو اِس نور پر قربان کر دیتی۔ اب بصارت نہیں ہے لیکن اب اِس میں لازوال دفینہ ہے۔ اِس خزانے کی وجہ سے میں اپنے پورے جسم سے بے نیاز ہوں۔ حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کی یہ بات ذاتِ حق کو پسند آئی اور اُن کی بینائی لوٹا دی اور اپنا نور عنایت کر دیا جس سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار کر سکیں۔ وہ نور چونکہ نورِ خداوندی تھا، اُس نے نورِ موسوی کو برداشت کر لیا۔ جس دل کا دریچہ محبوبِ حقیقی کی جانب کھل جاتا ہے وہ ہمیشہ اُس محبوبِ حقیقی کی تجلیات سے فیض یاب ہوتا ہے۔ انسان کو دل کی کھڑکی حق تعالیٰ کی جانب کھولنی چاہیے اور پھر عالَمِ ملکوت کی سیر اور تفریح کرنی چاہیے۔ کھڑکی کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے عشق ہو جائے۔ اِس طرح تُو معشوقِ حقیقی کا مُشاہدہ کر سکے گا۔ یہ تیری اختیاری بات ہے۔

اَنفُس میں جو آیاتِ الٰہیہ ہیں اُن پر غور کر اور غیر اللہ کا خیال دل سے دُور کر دے۔ اللہ کا عشق ایسا کیمیا ہے کہ تُو اُس سے نفسانی رذائل دُور کر سکتا ہے اور شیطان کو رام کر سکتا ہے۔ جب تُو کھال کا علاج کر کے حسین بن جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچ جائے گا کیونکہ وہ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ پھر وہ تیری رُوح کو بے کسی سے نجات

فرقِ زشت و نغز از عقل آورید
بُرے اور بھلے کا فرق صرف عقل سے کرنہ کہ آنکھ سے

نے ز چشمے کز سیہ گفت و سپید
کیونکہ وہ تو صرف رنگ دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے

عطا کر دے گا۔ اُس کی رحمت کی ادنیٰ بارش تیری رُوح کے باغ کو شاداب کر دے گی اور تیری مُردگی دُور ہو جائے گی۔ اُس کی عطا صرف دنیا کی دولتیں ہی نہیں ہیں، وہ اس طرح کی صدہا سلطنتیں عطا کر دیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے صرف حُسن کی سلطنت ہی نہیں خواب کی تعبیر کی مملکت بھی عطا فرمائی۔ اُن کا حُسن، قید خانہ کا سبب بنا اور خواب کی تعبیر کا علم بلندی پر لے گیا۔ شاہِ مصر نے اُنہیں مقرب بنالیا۔ وہ اُن کا فرمان بردار بن گیا۔ معلوم ہوا کہ علم کی سلطنت زیادہ آرام دہ ہے۔

وہ مقروض پردیسی عطا لینے کے لیے تبریز میں آیا۔ وہ محتسب دنیا کی زندگی سے اُکتا گیا تھا اور اس غم کدے سے سیر ہو کر دوسرے عالم میں چلا گیا تھا۔ محتسب کی موت کی خبر سے مسافر نعرہ مار کر بے ہوش ہو کر گر گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے سوچا غیر اللہ پر بھروسہ کرنا غلطی تھی۔ وہ نادم ہوا اور اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس نے اللہ کے سامنے غلطی کا اعتراف کیا اور عرض کیا کہ بے شک محتسب بہت سخی تھا لیکن تیری سخاوت کا ہمسر نہ تھا۔ محتسب نے ٹوپی دی، تُو نے سر عنائت کیا۔ اُس نے لباس دیا، تُو نے قد و قامت عطا فرمایا، جس سے میں نے لباس سے فائدہ حاصل کیا۔ محتسب نے سونا دیا، تُو نے وہ ہاتھ عطا کیا جس سے اُس نے وہ (سونا) مجھے دیا۔ محتسب نے شمع دی، تُو نے آنکھ دی جس کے ذریعے شمع میرے لیے کار آمد بنی۔ جو کچھ بھی اُس نے دیا تیرے کرم کے بغیر نہ تھا بلکہ وہ اُس کا نہ تھا تیرا تھا۔ اُس میں سخاوت کا مادہ تُو نے پیدا کیا۔ اُس کو سخاوت کر کے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ یہ میری خطا تھی کہ میں نے اُسے قبلۂ اُمید بنایا۔ یہ تیرا کرم ہے کہ تُو نے ہمیں عقل عنائت کی۔ تُو نے انسان کو اپنے اسماء کا مظہر بنایا اور اُس کو حقائق کونیہ کا جامع قرار دیا۔

چونکہ انسان اسماء اور حقائق کا مظہر ہے تو اُس میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ خدا ہی کا عکس ہے، جس طرح چاند کا عکس پانی میں نظر آتا ہے۔ صفاتِ انسانی دراصل اللہ کی صفات کا ثبوت ہیں۔ انسانی صفات، اللہ کی صفات کی تشریح کرتی ہیں۔ نجومی اپنے آلات سے صرف خود ہی آسمانوں اور سورج کے احوال معلوم کرتے ہیں لیکن انسان کی صفات کے ذریعے عوام بھی صفاتِ خداوندی کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ عوام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے واسطہ سے خود یہ علوم حاصل کر سکتے ہیں۔ اب انسان دوسرے انسان میں جو کچھ دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے، اُس کو اصل سمجھتا ہے حالانکہ وہ عکس ہے۔ تو انسان کی مثال اُس شیر کی سی ہے جو کنویں میں اپنے عکس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اگر تُو انسان کے فعل کو اصل سمجھے گا تو وہی احمق شیر بنے گا۔ بے وقوف شیر، خرگوش کے بہکاوے میں آگیا اور مارا گیا۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ یہ تو میرا نقش ہے اور خرگوش جو شیر بتا رہا ہے وہ پانی میں ہے ہی نہیں۔ یہ تصرف بھی خدائی ہے کہ وہ حقیقت کو نہ سمجھ سکا۔ تُو بھی دشمن سے دشمنی کرنے میں

چشم غرہ شد بخضرای دمن
آنکھ کوڑے پر اُگے ہوئے سبزے کو باغیچہ سمجھتی ہے

عقل گوید بر محکِ ماشش زن
عقل کہتی ہے اسے میری کسوٹی پر پرکھ تاکہ حقیقت معلوم ہو

حقیقت تک نہیں پہنچتا ہے۔ تُو شش جہات کا تابع ہے اور ہر جہت میں غلطی پر ہے۔ دشمن میں جو جذبۂ عداوت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر کا عکس ہے کیونکہ وہ اُس صفتِ قہر سے پیدا ہوئی ہے۔ دشمن جو گناہ کر رہا ہے وہ تیرے کسی جرم کا عکس ہے۔ تُو اپنی اس جرم والی عادت کو اپنے اندر سے دھو ڈال۔

تیری مثال یہ ہے کہ کوئی پانی میں ستارے کا عکس دیکھے اور اُس پر خاک ڈالے اور اُسے اپنے لیے منحوس سمجھے۔ جس طرح چیزوں کی نحوست مِن جانب اللہ ہے اسی طرح عطا بھی دراصل مِن جانب اللہ ہی ہے۔ انسانوں کی عطا مفید نہیں ہے، کیونکہ عارضی ہے۔ اللہ جس کو اعمالِ صالحہ کی نعمت بخشتا ہے تو اُس کو جنت کی عمرِ دراز دیتا ہے تاکہ وہ اُس سے پورے طور پر نفع اُٹھا سکے۔ اللہ کی شان مُردوں کو زندہ کرنا ہے تو دراز زندگی بخشنا بھی ہے۔ اس لیے اُن کی طرف پناہ پکڑنا چاہیے۔ خدا جب عطا کرتا ہے تو وہ عطا، جان کا جزو بن جاتی ہے۔ اُس کی عطا کا یہ حال ہے کہ اگر کثرتِ ذکر و شغل سے روٹی پانی کی طرف رغبت نہ ہو تو وہ رُوحانی غذا عطا فرما دیتا ہے۔ اگر جسمانی فربہی نہیں رہتی تو وہ رُوحانی فربہی عطا فرماتا ہے۔

اس پر تعجب نہ کر اللہ جنوں کا پیٹ خوشبو سے بھر دیتا ہے۔ فرشتوں کو عبادت سے غذا حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عشق کو جان کی بجائے حیات عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ سے ایسی زندگی کی درخواست کر جس کی بنیاد عشق پر ہو۔ انسان کی جملہ صفات' اللہ کی صفات کا مظہر ہیں۔ اُس کے یہ مظاہر بدلتے رہتے ہیں لیکن ظاہر وہی ہے۔ کبھی وہ بادشاہ کے روپ میں ہوتا ہے' کبھی عالم کے روپ اور کبھی معالج کے روپ میں تو کبھی دشمن کے روپ میں۔ صفاتِ قدیم اپنی جگہ پر ہیں اور زمانہ بدل رہا ہے۔ مظاہر بدل رہے ہیں اور ظاہر قائم ہے۔ صفات کا تعلق باری تعالیٰ سے ہے۔ ہر حُسن اُس حُسن کا آئینہ ہے اور انسانوں میں عشق اُس کے عشق کا عکس ہے۔ حسینوں کا حُسن ڈھل جاتا ہے اور وہ حُسن اصل کی طرف واپس چلا جاتا ہے۔ جب صحیح نظر پیدا کر لو گے تو معلوم ہوگا کہ "ہمہ اُوست" کیا ہے۔

اُس قرض خواہ غریب الوطن نے خواجہ مرحوم اور حضرتِ حق کو مغائر سمجھا تھا۔ اس کی عقل نے اُسے کہا کہ یہ تو بھینگا پن ہے جس میں ایک کے دو نظر آتے ہیں۔ خواجہ اب ملاءِ اعلیٰ میں پہنچ گیا ہے وہ دنیا کا چوہا نہیں تھا۔ اُس کا جسم نہ تھا بلکہ وہ پاک رُوح تھی۔ شیطان نے صرف حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا۔ تُو ایسا نہ کر۔ خواجہ کے اوصاف پر نظر رکھ، خواجہ کو ذاتِ الٰہی سے قربت حاصل تھی' جس حیثیت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائک تھے' وہ ساجد نہ تھے۔ وہ خواجہ بظاہر بشر تھا لیکن اُس میں تجلّیءِ حق نمایاں تھی۔ مشاہدۂ حق کی وجہ سے اُس کی جمادیت اور جسمیت ختم ہو چکی تھی۔ تل کا تیل

عقل با عقلِ دگر دُو تا شود	نُور افزوں گشت و رہ پیدا شود
عقل دوسری عقل کے ساتھ مل کر دوگنی ہو جاتی ہے	روشنی بڑھ جاتی ہے اور راستہ نمایاں ہو جاتا ہے

جب پھولوں میں بسا دیا جاتا ہے تو پھر اُس کو تل کا تیل نہیں کہا جاتا۔ اولیاء اللہ ﷭ کی ایک جماعت (ابدال) ہے، جب اُن کے اَوصافِ بشری، اَوصافِ خداوندی سے بدل جاتے ہیں تو اب اُن کو عام مخلوقات میں شمار نہیں کیا جاتا۔ موضوع ختم کیا جاتا ہے۔ توحیدی نظر والے کے دو قبلے نہیں ہو سکتے۔ ملائکہ کی مسجود حضرت آدم ﷤ کی مٹی نہیں ہو سکتی۔ بعض عکس محض عکسوں کے مشابہ ہیں اور حقیقت میں عکس نہیں ہیں بلکہ اصل ہیں۔

اُس کو اِس طرح سمجھو کہ نہر میں سیب کے درخت کا عکس دیکھا ہو اور اُس کے سیبوں سے دامن بھرا ہو تو بظاہر عکس ہے لیکن حقیقتاً وہ درخت ہے۔ تو آدم ﷤ میں بھی دراصل صفاتِ حق تھیں اگرچہ بظاہر وہ عکس تھے۔ آدم ﷤ کو محض جسم سمجھ کر اپنی جان کو ہلاک نہ کر اس لیے کہ یہ کام تو اندھوں بہروں کا تھا کہ اُنہوں نے صرف انبیاء ﷩ کے جسم دیکھ کر اُن کی تکذیب کر دی تھی۔ مَارَمَیْتَ "تُو نے نہیں پھینکا جبکہ پھینکا" سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو حق تعالیٰ کی عینیت حاصل تھی اور آپ ﷺ کا دیدار اللہ کا دیدار تھا۔ آپ ﷺ کو رحمۃ العالمین اِسی لیے کہا گیا کہ آپ جن واِنس کے سردار تھے۔ جس دریچے میں دھوپ پڑ رہی ہو اُس کو دیکھنا سورج اور دن کو دیکھنا ہے۔ حضور ﷺ کسی انسان یا دوسری شے سے فیض یافتہ نہ تھے بلکہ دیگر انبیاء ﷩ اور اولیاء ﷭ نے آپ ﷺ سے فیض اور نور حاصل کیا۔ حضور ﷺ پر اللہ کا نور ایک بے کیف خاص راستہ سے پڑا تھا۔ ایسے راستے سے جس سے دوسرے انبیاء ﷩ واقف نہیں ہیں۔

آنحضور ﷺ کی خصوصیت اِس بنا پر تھی کہ نور کے لیے کوئی مانع بھی آئے تو حضور ﷺ میں جو نور ہے وہ خود بخود جوش مارتا رہے۔ اولیاء ﷭ کے لیے حجاباتِ بشریہ استفادۂ نور سے مانع بن جاتے ہیں۔ عام دریچوں میں سورج کی روشنی ہوا کے حکیف ہونے اور شش جہات سے پہنچتی ہے لیکن حضور ﷺ وہ دریچہ ہیں کہ سورج کو اُن سے اُلفتِ خاص ہے۔ اب اِس اتحاد کی وجہ سے جو اُن ﷺ کو ذاتِ حق سے حاصل ہے، آپ ﷺ کی تنزیہہ اور تعریف، خدا کی تنزیہہ اور تعریف ہوگی۔ اگر کسی طباق سے خود میوہ اُگ پڑے تو اگر اُس کو درخت کہیں تو کوئی عیب نہیں۔ جس طباق اور ٹوکرے میں یہ خصوصیات پیدا کر دی جائیں کہ اُس میں خود بخود پھل اُگ پڑیں تو اُسے پھل دار درخت سمجھ کیونکہ درخت اور اُس ٹوکرے میں خاص نسبت موجود ہے۔ تجھے اُس ٹوکرے کو درخت سمجھ کر ٹوکرے کے سایہ میں بیٹھنا چاہیے۔ صورت کا اعتبار نہیں ہے، سیرت معتبر ہے۔ جس روٹی کو کھانے سے دست آنے لگیں اُس کو "سقمونیا" کہنا چاہیے' جس کی خاصیت دست لانا ہے۔ مٹی میں اگر سُرمہ کی خاصیت ہو تو اُسے سُرمہ کہیں گے۔ جب سفلی اجسام میں علوی اَجرام کا خاصہ پیدا ہو جائے تو اُن کے ساتھ علوی اَجرام کا سا معاملہ کرنا پڑے گا۔

عاقل آں باشد کہ عبرت گیرد از　　　مرگِ یاراں وز بلائے محترز

عقل مند وہ ہے جو عبرت حاصل کرے　　　دوستوں کی موت اور قابلِ احتراز مصیبت سے

حضور ﷺ کے اوصاف بشریہ فنا ہو چکے تھے۔ بحرِ توحید میں غوطہ لگانے سے بشری صفت کہاں رہ سکتی ہے۔ حضور ﷺ پر تجلی خاص تھی کہ آپ ﷺ کی ذات اُس میں سما گئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے فنا کا طالب ہوتا ہے تو اُس کی ہستی کو فنا کر دیتا ہے۔ اب فنا کے بعد اُس اعتبار سے وحدت اور اتحاد ہو جاتا ہے کہ بندہ آقا میں محو ہو جاتا ہے اور یہ مرتبہ فنا فی الشیخ کا ہے۔ پھر چونکہ شیخ بھی فنا فی اللہ ہے تو اب مرید مزید ترقی کر کے فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اگر تُو شیخ کو فانی فی اللہ نہیں سمجھے گا اور اُن میں دوئی کا قائل رہے گا تو مقصد اور راہ دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ تُو اُس شیخ کی صورت سے گزر اور ایک قبلہ سمجھ، دو نہ سمجھ۔ محرومی اس طرح ہوگی جیسے چقماق سے سوختہ میں آگ لگے اور کوئی سوختہ سے قطع نظر کر کے چقماق کی طرف متوجہ ہو جائے اور سوختہ جل کر ختم ہو جائے۔ اب وہ آگ سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اب وہ سوختہ ہی نہیں جس کے ذریعے چقماق سے فائدہ اُٹھا سکے۔

دو بینی کے مُضر اثرات

کسی شہر کے تمام باشندے رافضی تھے۔ عُمر نام سے چڑتے تھے۔ جس شخص کا نام بھی عُمر ہوتا اُس سے لین دین نہ کرتے۔ اگر تیرا نام عُمر ہے تو اُس شہر والے بہت قیمت ادا کرنے پر بھی روٹی نہ دیں گے۔ اگر تُو ایک دُکان پر جا کر نام عُمر بتائے گا تو وہ تجھے کسی دوسری دُکان پر بھیج دے گا کہ وہاں کی روٹی اچھی ہے۔ یہ شخص اپنے بھینگے پَن سے دُکانوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ عُمر نام کے ہاتھ روٹی فروخت نہ کرنے میں وہ ایک ہیں۔ اگر مسافر بھینگا پَن چھوڑ کر یہ سمجھ لیتا کہ سب دُکانیں ایک ہیں اور اپنا نام بجائے عُمر کے علی بتا دیتا تو یہ تدبیر چل جاتی اور شہر کا دُکاندار اُس عمر کو علی سمجھ کر روٹی دے دیتا۔ دراصل پہلا دُکان دار دوسرے نانبائی کو آواز دے کر کہہ دیتا کہ عُمر آ رہا ہے اُس کو روٹی دے دے لیکن مقصد اُس کا یہ ہوتا کہ روٹی نہ دے۔ دوسرے نانبائی کا بھینگا پَن یہ ہے کہ وہ روٹی کو علی کی سمجھ کر عُمر کو روٹی دینے سے انکار کر دیتا حالانکہ عُمر اور علی دو نہیں ہیں بلکہ دونوں حقیقتاً ایک ہیں۔ جب تُو ایک دُکان سے عُمر بن گیا تو اب سارے شہر میں گھومتا پھر، تجھے روٹی نہیں ملے گی۔ اگر وہ اُن دُکانوں کو چند دُکانیں نہ سمجھتا اور شروع میں ہی اپنا نام علی بتاتا تو فوراً روٹی مل جاتی۔

اُس مسافر کا بھینگا پَن جو معمولی تھا اُس کی محرومی کا سبب بن گیا تو وہ بھینگا جو جملہ کائنات کو مستقل موجود سمجھ کر بھینگا بن رہا ہے اُس کی محرومی پر اس کو قیاس کر لے کہ کس قدر ہوگی۔ یہ دنیا بھی وہی شہر ہے۔ جب تُو بھینگا پَن نہیں چھوڑے گا تو مارا مارا پھرے گا۔ جو کائنات کو حقیقی موجود سمجھے گا وہ کبھی کسی طرف متوجہ ہوگا کبھی کسی طرف۔ اگر صحیح نظر حاصل ہو گئی تو سب موجودات کو ایک موجودِ حقیقی کا سایہ سمجھے گا اور صرف اُس کی طرف توجہ کرے گا اور بھلائی سمجھ کر متوجہ ہوگا۔ جا بجا

عقلِ جزوی عقلِ استخراج نیست
ناقص عقل ایجاد کرنے والی نہیں ہوتی

جز پذیرائے فن و محتاج نیست
وہ صرف سیکھنے اور قبول کرلینے والی علاوہ کچھ نہیں

مارے مارے پھرنے سے نجات پا جائے گا۔ اب اُن اولیاء رحمہم اللہ کا جو خدائی اخلاق سے آراستہ ہو گئے ہیں اللہ کا مظہر ہونا ثابت کرتے ہیں کہ جب تُو کوئی ایسا عکس دیکھے جو پھل اور پھول والا درخت ہے' اُس کو اور عکسوں کی طرح نہ سمجھ۔ اہلُ اللہ کی صحبت سے صحیح نظر حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ عکس ہیں لیکن اِن ہی سے مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ اہلُ اللہ پانی نہیں ہیں کہ اُن میں عکس نظر آئے بلکہ عین حقیقت اور باغ ہیں۔ بس تُو اِس طرح دھوکا نہ کھا جس طرح بلقیس نے غیر آب کو آب سمجھ لیا۔ اہلُ اللہ کو باغ کی بجائے آب نہ سمجھ لینا۔ اُن کو اور عوام کو ایک نظر سے نہ دیکھ۔

مختلف انسان اِس طرح ہیں کہ کسی پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں اور کسی پر پتھروں کا بوجھ ہے۔ سب نہروں کو ایک جیسا نہ سمجھ۔ ایک نہر میں بعینہٖ چاند موجود ہے اُس کو عکس نہ سمجھ۔ اِس نہر کا پانی آبِ حیات ہے۔ وہ محض جانوروں کے پینے کا پانی نہیں ہے۔ وہ عکس نہیں بلکہ عین حقیقت کا وجود ہوگا۔ اُس نہر میں جو اوپر ہے وہی اندر ہے۔ تُو جہاں سے فیض حاصل کرے گا وہ ایک ہی فیض ہوگا۔ اُس نہر سے تیرے اُخروی اور دنیاوی سب مقاصد پورے ہو جائیں گے۔ تجھ میں اور مقاصد میں کوئی دُوری اور جدائی نہ رہے گی۔ اُس پردیسی کے قرض کا قصہ تبریز میں مشہور ہوگیا تو ایک شخص اُس کا ہمدرد بن گیا۔ اُس نے اِس کا قرض لوگوں پر بانٹ کر جمع کرنے کے لیے شہر کا گشت شروع کر دیا اور اس لالچ سے کہ لوگ رحم کھا کر اُس کو چندہ دے دیں، اُس کا سارا قصہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ اُسے صرف سو دینار چندے میں ملے۔ اِس قلیل مقدار سے پردیسی کو مایوسی ہوئی تو وہ اُس شخص کا ہاتھ پکڑ کر محتسب کی قبر پر لے گیا۔

راستے میں مددگار نے اُسے کہا کہ اگر کسی کو کسی بابرکت مہمان کی مہمانداری کی توفیق میسر ہو اور وہ اُس مہمان کا پورا اعزاز کرے تو ایسے میزبان کا شکریہ ادا کرنا خدا کا شکریہ ادا کرنا ہے کیونکہ اللہ ہی نے اس میزبان کو توفیق عطا فرمائی۔ ایسے میزبان کی ناشکری اللہ کی ناشکری ہوگی۔ محتسب نے تجھ پر احسان کیے ہیں۔ تُو خدا کا شکر ادا کر اور محتسب کا بھی شکر گزار بن۔ ماں میں اگرچہ رحم کا مادہ اللہ نے پیدا کیا ہے لیکن پھر بھی ماں کی خدمت فرض اور مناسب ہے۔ چونکہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں اور وہ اللہ کی نعمتوں کا ہمارے لیے واسطہ ہیں اس لیے اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہمیں اُن صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ قیامت میں بندے سے کہے گا: میں نے تجھے نعمتیں دی تھیں تُو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا: کیونکہ اصل روٹی دینے والا تُو تھا، میں نے تیرا شکریہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جبکہ تو نے محسن کا شکریہ ادا نہیں کیا تو گویا میرا بھی شکریہ ادا نہ کیا۔ جس سخی کے ہاتھ سے میں نے تجھے روٹی دلائی تھی تُو نے اُس کا شکریہ ادا نہیں کیا تو اُس پر ظلم کیا۔ اِس لیے محتسب کی قبر پر شکریہ کے طور پر دعائے مغفرت ادا کر۔

جُز پذیرائے فن و محتاج نیست	عقلِ جزوی عقلِ استخراج نیست
وہ صرف سیکھنے اور قبول کرنے والی کے علاوہ کچھ نہیں	ناقص عقل ایجاد کرنے والی نہیں ہوتی

قبر کے پاس پہنچ کر شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ کہنے لگا کہ ہمیں رزق پہنچانے کا تجھے فکر لگا رہتا تھا۔ تیرا احسان اور نیکی اسی طرح عام تھی جس طرح تیرا دسترخوان لوگوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ کبھی کسی سائل کو دیکھ کر تیری پیشانی پر گرہ نہیں پڑتی تھی۔ میرا اور مجھ جیسے ہزاروں کا تُو اولاد کی طرح خیال رکھتا تھا۔ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے تھیں لیکن تُو اُن کا واسطہ اور ذریعہ تھا اور ہم میں اور اللہ میں رابطہ پیدا کر دیتا تھا۔ آج صرف تُو نہیں مرا ہے بلکہ سارے فائدے مر گئے۔ تُو سخاوت میں سینکڑوں حاتموں کی طرح تھا۔ حاتم تو صرف دنیاوی نعمتیں عطا کرتا تھا جو فانی تھیں۔ تیری عطا زندگی ہے یعنی رُوحانی عطیات اور ظاہری عطیات بھی کھرے اور بے شمار ہیں۔ تیری ان فضیلتوں میں تیرا کوئی قائم مقام نہیں ہے۔ تُو مخلوق کو اس طرح محفوظ رکھتا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بکریوں کو۔

حضرت مُوسٰی علیہ السلام اور بھاگنے والی بکری

ایک بکری حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھاگ گئی۔ وہ اُس کی تلاش میں دوڑے اور تھک گئے۔ بکری بھی تھک کر سُست ہو گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے پاس پہنچ کر اُس کی گردن جھاڑی اور ماں کی طرح شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ بکری کی اُس حرکت سے اُنہیں ذرّہ بھر غصہ نہ آیا۔ وہ فرمانے لگے کہ اگر تجھے میرے بھاگنے دوڑنے پر رحم نہ آیا تو نہ سہی، تُو نے اپنے آپ پر تو رحم کیا ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ باتیں سُن کر اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا بُردبار نبوت کے لائق ہے۔ بکریاں چرانے والے میں بہت بُردباری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے تمام نبیوں نے بکریاں چرائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چراتا رہا ہوں۔ جو کوئی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی طرح مخلوقِ خدا کی چوپانی کرے گا اور اپنی عقل و تدبیر سے اُن کی دیکھ بھال کرے گا۔ اللہ اُس کو چوپانی کا رُوحانی مقام عنایت فرما دیتا ہے۔

مسافر کہتا رہا کہ مجھے یقین ہے کہ خدا نے تجھے بھی دائمی سرداری بخش دی ہے۔ میں نے تیری عطا کے بھروسے پر قرض لیے اور بے پروائی سے لیتا رہا تو نو ہزار قرض کر لیا ہے۔ اب تُو کہاں ہے کہ میرے مکدر عیش کو صاف کر دے۔ اب تُو کہاں ہے کہ مجھے نعمتیں عطا کرے۔ میں کہوں کہ یہ عطا میرے لیے کافی ہے اور تُو کہے کہ میری خاطر اور لے لے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھ جیسا آسمان، زمین میں کیسے سما گیا۔ لیکن یہ میری غلطی ہے کہ میں تجھے زیرِ زمین سمجھ رہا ہوں۔ تُو زندگی میں بھی ملاءِ اعلیٰ میں تھا اور اب بھی وہاں ہی ہے۔ تُو دراصل رُوح تھا، جو ملاءِ اعلیٰ کی چیز ہے اور جسم جو زمین پر ہے وہ تو اُس رُوح کا سایہ ہے۔

جہد کُن تا صد گماں گردد نُود　　شب برو ور تو بخسپی شب رُود
کوشش کر تا کہ سو گمان گھٹ کر نوّے رہ جائیں　　رات کو سفر کر (عبادت) اگر سو گیا تو رات نکل جائے گی

جسم، سایہ اِس طرح ہے کہ قلب، رُوح ہے اور رُوح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رُوحِ سراجی جو رُوحِ عظیم ہے اور وہ تمام اَرواح کا منبع ہے۔ دوسری رُوحِ زُجاجی جو ہر شخص میں جدا ہے اور اُس کا تعلق ہر شخص سے رُوحِ حیوانی کے ذریعے ہے۔ جسم، رُوحِ حیوانی سے استفادہ کرتا ہے اور وہ رُوحِ زُجاجی کے تابع ہے۔ اور رُوحِ زُجاجی، رُوحِ سراجی کے تابع ہے۔ تو جسم رُوحِ سراجی کے سایہ کے سایہ کا سایہ ہوا۔ اِس لیے جسم کو وہ رتبہ کہاں مل سکتا ہے جو رُوح کو حاصل ہے۔ نیند کی حالت میں جسم لحاف میں سویا ہوا ہوتا ہے اور رُوح، عالَمِ مجردات کی سیر کرتی ہے۔ رُوح کو اللہ نے اَمْرِ رَبِّی کہہ کر مخفی رکھا ہے تو وہ کسی بھی مثال کے ذریعے نہیں سمجھائی جاسکتی۔

اے مسافر! تُو کہتا ہے کہ محتسب کہاں ہے؟ تو سُن لے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی اُس کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ وہ وہیں ہے جہاں اُس کا خیال ہر وقت لگا رہتا تھا۔ جب ہوا کے رُک جانے سے کھیتی اور کشتی کو نقصان پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جب انسان ذکر کرتا ہے تو اُس کا قلب اللہ کی طرف اشارے کرتا ہے۔ اُس کو اب اللہ کی معیت حاصل ہو گئی ہے۔ اُس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ "تُو کہاں ہے" کیونکہ وہ مقامِ لامکان ہے۔

اگر ہم میں عقل ہو تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مشرق و مغرب میں اہل اللہ کی رُوحوں میں سینکڑوں قسم کی تجلیاں وارد ہو رہی ہیں۔ اہل اللہ کی رُوح کو وفات کے بعد معیتِ حق حاصل ہو جاتی ہے۔ زندگی میں رُوح جسم کی جھاگ میں تھی۔ اُس میں قربِ الٰہی کے اعتبار سے گھٹاؤ بڑھاؤ تھا۔ جب وفات ہو گئی تو گھٹاؤ ختم ہو گیا صرف بڑھاؤ رہ گیا۔

اس مقروض نے کہا کہ مجھ پر نو ہزار قرض ہے جو میری دسترس سے باہر ہے۔ اللہ نے تجھے عالَمِ بالا کی جانب کھینچ لیا ہے۔ میں اب کشمکش میں ہوں اور واپس جارہا ہوں۔ کچھ رُوحانی توجہ ڈال دے۔ وہی زمین و آسمان ہیں لیکن تیرے جانے کے بعد اُس میں رونق اور سخاوت نہیں ہے۔ تُو خدا کے پاس پہنچ گیا ہے۔ مجھے بھی پہنچنا ہے۔ لیکن ہم زندگی میں بھی تو اُسی کے تصرف میں ہیں۔ اُس کا تصرف ہے کہ انسان کے دل میں ہر وقت خیالات آتے جاتے رہتے ہیں۔ کسی وقت وہ انسان میں غصہ پیدا فرماتا ہے، کبھی خوشی، کبھی بخل، کبھی سخاوت پیدا فرماتا ہے۔ کینہ، خلوص، کم ہمتی اور ہمت کی عطاسب اُسی کے تصرفات ہیں۔ لکڑی بڑھئی کے تصرف میں ہے تو کپڑا درزی کے تصرف میں۔ مشک پر سقے کا تصرف ہے۔ صانع کی صنعت کو تُو خود اپنی چشم بصیرت سے دیکھ، اُس آنکھ سے نہ دیکھ جس کے پاس نہ دلائل عقلیہ ہوں اور نہ دلائل نقلیہ۔ تجھے خدا نے کان دیے ہیں تو اُن سے سُن۔ دوسروں کی سُنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہ کر۔

در شبِ تاریک جُو آں روز را	پیش کُن آں عقلِ ظلمت سوز را
اندھیری رات میں رُوحانی دن کو تلاش کر لے	تاریکی کو ختم کرنے والی عقل کو رہنما بنا لے

خوارزم شاہ کا نادر گھوڑے کو دیکھنا اور عمادُالملک کی عقلمندی، "اگر بردہ فروش دلال کی زبان حاسد ہو تو غلام بے وقعت ہو جاتا ہے" (حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ)

خوارزم شاہ بادشاہ کو اچانک ایک گھوڑا بہت زیادہ پسند آ گیا۔ یہ گھوڑا اُس کے ایک سردار کا تھا۔ گھوڑا بادشاہ کو بہت سی صفات کا حامل نظر آیا۔ شاہ حیران ہوا کہ یہ گھوڑا کیسا عمدہ ہے کہ اُس نے اس کا دل کھینچ لیا۔ گھوڑے کے خیال کو دُور کرنے کے لیے اُس نے بہت تدبیریں کیں لیکن بے سود۔ اگر اللہ تعالیٰ غیر کو حسین کر کے دکھا دیتا ہے تو یہ اُس کا ملمع ہے اور اگر غیر کو بُرا کر کے دکھاتا ہے تو یہ اُس کی تنبیہ ہے۔ شاہ کو یقین ہو گیا کہ گھوڑے کی جانب یہ کشش منجانب اللہ ہے۔ اللہ جب اپنے کسی غیر کو حسین بناتا ہے تو اُس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ انسان گھوڑے اور بیل کے بُت پوجنے لگتا ہے۔ وہ کافر اُس بُت کو عدیم المثال سمجھنے لگتا ہے حالانکہ نہ وہ جاندار ہے، نہ اُس میں کوئی شان و شوکت ہے۔ انسان کے لیے کشش والی چیز مخفی در مخفی ہے اور عالمِ غیب سے آ کر انسان کو متاثر کرتی ہے۔ اُس کو نہ عقل سمجھ سکتی ہے نہ رُوح۔ یہ قدرت کا راز ہے جس پر بحث نہیں کی جا سکتی۔

جب بادشاہ واپس آیا تو اپنے خواص سے مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بھیجا کہ سردار کا گھوڑا جبراً لے آئیں۔ وہ سردار بھی تگڑا تھا لیکن بادشاہ کے سپاہیوں کے سامنے بے بس تھا۔ گھوڑا سردار کو بھی بہت پسند تھا۔ وہ بہت پریشان ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ اس مصیبت سے صرف عمادُالمُلک ہی نجات دلا سکتا ہے۔ خوارزم شاہ عمادُالمُلک کی بہت عزت کرتا تھا اور اُس کے کہنے کو کبھی نہیں ٹالتا تھا۔ وہ امیر تھا لیکن اپنے آپ کو غریبوں میں شمار کرتا تھا اور اُن کی مدد کرتا تھا۔ بُروں کی بُرائی کو اللہ تعالیٰ کی بُردباری کی طرح چھپاتا تھا۔ اگر وہ ایک وقت میں سو سفارشیں بھی کرتا تو بادشاہ اُس کی بات ٹالنے میں شرم محسوس کرتا۔ سردار ننگے سر عمادُالمُلک کے پاس آیا اور کہا کہ بادشاہ اور جو کچھ چاہے لے لے میرا گھوڑا واپس دے دے۔

عمادُالمُلک بادشاہ کے پاس آیا اور کھڑا ہو کر خاموش، اللہ سے راز و نیاز کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! اگرچہ اس سردار کی غلطی ہے کہ تجھے چھوڑ کر وہ میرے پاس پناہ لینے آیا۔ تُو اُس کی خطا پر گرفت نہ کر اور اپنی شان کے مطابق اُس کے ساتھ معاملہ کر۔ کسی قیدی کے ذریعے قید سے نجات چاہنا بے وقوفی ہے۔ اکثر انسان چمگادڑ صفت ہیں؛ مسبّبُ الاسباب سے نظر ہٹا کر اسباب سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اسباب کے

زانکہ شیرانند دراین بیشہ ہا	اِحتما کُن اِحتما زاندیشہ ہا
اس لئے کہ ان جھاڑیوں میں شیر چھپے ہیں	وسوسوں سے بہت پرہیز کر

ذریعے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ بھی تیری ہی دین ہے۔ تُو کافروں کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ اسباب کے پیچھے بھاگنے والے بھی تیرے سہارے ہی مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ عوام تو اگر اسباب پر نظر رکھیں تو قابلِ معافی ہیں لیکن خواص کا یہ جرم ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو مزید جیل خانہ میں رکھا گیا کیونکہ اُنہوں نے اپنی رہائی کی اُمید ایک دوسرے قیدی سے وابستہ کر لی تھی۔

دنیا کے لوگوں سے مدد چاہنا، قیدی سے رہائی چاہنے کی طرح ہے۔ انسان کو مرنے پر دنیا کے قید خانہ سے نجات ملتی ہے۔ عوام تو اندھے ہیں اور دوسروں سے مدد چاہتے ہیں۔ وہ موردِ عتاب نہیں ہیں لیکن "نیکوں کی نیکیاں بارگاہ کے مقربوں کی بُرائیاں ہوتی ہیں"۔ وہ بات جو نیکوں کو بھلائی دلانے کا موجب ہے اگر مقربِ بارگاہ کرے تو گرفت ہو جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بہر حال محبوبِ خدا تھے اس لیے سزا میں بھی اُن کو راحت عطا کر دی گئی۔ قید کی حالت میں اُن پر وہ تجلیات تھیں جن سے اُنہیں نہ تو قید خانہ بُرا لگتا تھا اور نہ کوئی اور تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس پر تعجب نہ کرو۔ ماں کے رحم سے زیادہ تاریک اور تکلیف دہ قید خانہ کونسا ہوگا لیکن اللہ اس قید خانے کا دریچہ اپنی طرف کھول دیتا ہے اور بچہ کس قدر خوش و خرم رہ کر بڑھتا ہے۔ وہیں اُس کے حواس کے پھول کھلتے ہیں۔ وہ وہاں سے نکلنا پسند نہیں کرتا۔ لذت کا مدار خارجی اسباب پر نہیں ہے، سکونِ قلب پر ہے۔ دولت اور شان و شوکت میں لذت کی تلاش بے وقوفی ہے۔ جسے اللہ قلبی سکون عطا فرما دیتا ہے، اُسے مسجد کے کونے میں مَست رکھتا ہے، ورنہ چمن میں بھی رنجیدہ ہوتا ہے۔

تُو اپنے جسم کی عمارت کو مجاہدوں سے تباہ کر دے تاکہ اُس کھنڈر میں سے تجھے خزانہ مل جائے۔ جس طرح انسان جھاگ کی وجہ سے اصل پانی کے نظارے سے محروم رہتا ہے اسی طرح اِس جسم کے نقش و نگار کی وجہ سے رُوح کے خزانے کے لطف سے محروی ہے۔ انسان کا بدن رُوح کے خزانے کا پردہ ہے۔ مسبّب الاسباب کے ہوتے ہوئے اسباب پر توکل ہماری حماقت ہے۔ تُو اپنی رحمت سے ان اسباب پرستوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے تاکہ تجھ پر بھروسہ کریں۔ جس کا گھوڑا شاہ نے چھینا ہے اس نے میرا سہارا ڈھونڈ کر غلطی کی ہے۔ عمادُالمُلک کا جسم شاہ کے سامنے تھا لیکن رُوح مناجات میں مشغول تھی اور اللہ سے مکالمہ میں مصروف تھی۔ اِس ہم کلامی کی مَستی سے اُس کے باطن میں سرور تھا اور جسم مظلوم سردار کی وجہ سے غمگین تھا۔ اِس تنگ لحد جیسے جسم میں ایک عالمِ مسرت تھا۔ عمادُالمُلک نے جب اُس گھوڑے کو دیکھا تو واقعی بے نظیر تھا۔ وہ چاند کی طرح تیز رَو تھا۔

جب حضور ﷺ سے کم درجہ چاند کی یہ رفتار آنکھوں نے دیکھی ہے تو اُن ﷺ کی سیر معراج پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

زانکہ شیرانند دراین بیشہ ہا	اِحتما کُن اِحتما زاندیشہ ہا
اس لئے کہ ان جھاڑیوں میں شیر چھپے ہیں	وسوسوں سے بہت پرہیز کر

اُنہوں نے تو انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ تعجب خیز معجزہ اس لیے دکھایا گیا کیونکہ ہمارا ضعیف احساس اسی کا اِدراک کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ کے تو وہ عجائب ہیں جو ہمارے اِحساس و اِدراک میں نہیں سما سکتے۔ تُو اِس مادی دنیا سے نکل پھر تُو انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا عجیب و غریب نظارہ کر سکے گا۔ اِس مادی دنیا میں رہتے ہوئے تیری مثال انڈے میں بند چوزے کی سی ہے' جو فضا کے پرندوں کی تسبیح نہیں سُن سکتا۔ اللہ کی مہربانی کا سورج جس پر چمک جاتا ہے وہ کتا ہو یا گھوڑا، اُس میں اصحابِ کہف کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ لعل اپنی چمک سے خزانہ بن جاتا ہے اور پتھر میں زیادہ گرمی اور تپش پیدا ہوتی ہے۔ سورج کی روشنی قبول کرنے میں دیوار اور پانی کی سطح اگر وہ متحرک ہو تو برابر نہیں ہے۔

گھوڑے کے حُسن پر شاہ تھوڑی دیر حیران رہا پھر عمادُ المُلک نے جواب دیا کہ آپ کی پسندیدگی سے تو شیطان بھی فرشتہ بن جاتا ہے۔ گھوڑے میں اور تو بہت سی خوبیاں ہیں لیکن اُس کا سَر بیل کا سا معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ عمادُ المُلک کی غرض گھوڑے کو بُرا کہنے سے وابستہ تھی۔ اِس لیے اُسے بُرا کہا اور اُس کی وقعت گر گئی، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریداروں نے معمولی قیمت پر خرید لیا تھا۔ موت کی پریشانی کی حالت میں شیطان ایمان کو اِس قدر حقیر کر کے دکھاتا ہے کہ بے وقوف آدمی اُس کو ایک لوٹے پانی کے عوض فروخت کر دیتا ہے۔ شیطان کا مقصد تو ایمان کو برباد کرنا ہوتا ہے۔ اِس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں' انسان زندگی میں بھی معمولی نفع کے خیال پر جھوٹ بول دیتا ہے۔ معمولی نفع کے عوض سچائی کو فروخت کرنا ایسا ہی ہے جیسا بے عقل بچہ ایک قیمتی موتی کے عوض چند اخروٹ خرید لیتا ہے۔ دنیا میں تو انسان اتنا مجبور بھی نہیں ہوتا، موت کے وقت تو اُس کو پیاس لگی ہوگی۔ یہ خیال جس کی وجہ سے انسان سچائی کو فروخت کرتا ہے ایک سڑا ہوا اخروٹ ہے۔ اگر انسان ابتداء میں ہی انجام کو مدِ نظر رکھے تو فریب سے بچ جاتا ہے۔ یہ دنیا کا نفع ایک بوسیدہ اخروٹ ہے۔ یہ اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان سے واضح ہے۔ اِسے آزمانے کی بھی ضرورت نہیں۔

بادشاہ نے اُس گھوڑے کے موجودہ حُسن پر نظر کی اور عمادُ المُلک نے اُس کے انجام پر کہ اِس طرح گھوڑے کے چھیننے سے کتنا بڑا ظلم ہوگا اور انجام کیا ہوگا۔ اللہ جس کو بصیرت عطا فرما دیتا ہے تو یہ ایسا سُرمہ ہے کہ سو پردوں میں سے بھی چیز کو دکھا دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے دنیا کو جو مُردار کہا ہے تو وہ انجام کے اعتبار سے کہا ہے۔ عمادُ المُلک کی آنکھ اور بات کو ترجیح دی۔ چوں کہ عمادُ المُلک نے نیاز مندی سے دُعا کی تھی کہ شاہ ظلم کرنے سے بچ جائے، اللہ نے اسے منظور کر لیا۔ شاہ کے گھوڑے کو ناپسند کرنے کا اصل سبب اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے کہ اُس نے اصل دروازہ جو گھوڑے کے حُسن کے دیکھنے کا تھا شاہ کے لیے بند کر دیا۔ عمادُ المُلک تو اُس کی صرف ظاہری علامت تھا۔ مکان کی چیزیں

بے نوا شُد گرچہ دارد صد نوا	ہر کہ اُو از ہم زبانے شُد جُدا
بے سہارا ہوا، خواہ سو سہارے رکھے	جو شخص بھی دوست سے جُدا ہوا

دروازہ بند ہونے سے چُھپ جاتی ہیں۔ جس شخص نے دروازہ نہ دیکھا ہو وہ دروازہ بند ہونے کی آواز کو چیزوں کے چُھپنے کا سبب سمجھے گا۔

عمادُ المُلک کی بات کو اللہ نے شاہ کی نظر کا پردہ بنا دیا۔ انسان کی بات کے نتائج عالَمِ آخرت میں نمودار ہوتے ہیں۔ تُو اپنی آواز کو دروازہ کی آواز سمجھ کر پہچان کہ اس آواز سے دروازہ کُھلا ہے یا بند ہوا ہے۔ انسانوں کو دروازے کی آواز جو خود اُن کی گفتگو ہے محسوس ہوتی ہے۔ وہ جس دروازے کے کُھلنے اور بند ہونے کی آواز ہے وہ دروازہ نظر نہیں آتا، وہ عالَمِ غیب میں ہے۔ انسان کوئی دانائی کی اچھی بات کرتا ہے تو جنت کی طرف دروازہ کھلتا ہے۔ بُرے کلمے کی آواز دوزخ کی طرف دَر کھولتی ہے۔ جب تجھے دروازہ نظر نہیں آتا تو اُس کی آواز سُن لے اور اُس کے ذریعے دروازے کو سمجھ لے۔ جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو اُس کا محل جنت میں تیار ہوتا ہے۔ جب گناہ کرتا ہے تو جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

دنیا کی فانی نعمتوں کو اپنی چشمِ بصیرت سے دیکھ۔ دنیا داروں کی بات کا اعتبار نہ کر۔ یہ تو گِدھ ہیں جو تجھے مُردار کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ نے تجھے چشمِ بصیرت عطا فرمائی ہے۔ تُو تکلف سے اندھا نہ بن۔ دیکھ لے جس کو تُو اپنا رہبر بنا رہا ہے۔ وہ دنیا دار تجھ سے زیادہ اندھا ہے۔ اللہ کی رسی کو تھام۔ اللہ کی رسی خواہشِ نفس کو ترک کرنا ہے۔ قومِ عاد اس خواہشِ نفس کی وجہ سے تباہ ہوئی اور اُن پر آندھی کا عذاب آیا۔ ہر جاندار نفسانی خواہش ہی کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ مچھلی اگر چارے کا لالچ نہ کرے تو کبھی کانٹے میں نہ پھنسے۔ آخرت کا کوتوال تمہارے انتظار میں ہے۔ رُوح کے لیے بھی عذاب کے آلات ہیں جو مرنے کے بعد نظر آئیں گے۔ جب تُو عالَمِ آخرت کی وسعتوں میں پہنچے گا تو اس دنیا کا شکنجہ ہونا سمجھے گا۔ اِس لیے ضد کو دیکھ کر اُس کی ضد پوری طرح سمجھ آتی ہے۔ تُو نفسانی خواہشات کو ترک کر دے گا تو آخرت کی نعمتوں کا لُطف محسوس کرنے لگے گا۔

بادشاہ کو جب احساس ہوا کہ اس سردار سے گھوڑا چھیننا ظلم ہے تو واپس کر دیا۔ انسانی جسم ایک عالم ہے۔ جس طرح ساری کائنات اَسماءِ الٰہی کا مظہر ہے اسی طرح تنہا انسان اُن سب کا مظہر ہے۔ حق تعالیٰ کے تصرفات انسانی جسم پر بصورت قبض و بسط طاری ہوتے ہیں اور اُس قبض سے کبھی وہ اچھے کو بُرا دکھا دیتا ہے اور بسط کے ذریعے بُرے کو اچھا دکھا دیتا ہے۔ اِسی لیے حضور ﷺ نے دُعا فرمائی کہ "اے اللہ! مجھے اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا دکھا" یہ دُعا اس لیے ہے کہ زندگی کا ورق پلٹنے کے بعد شرمندگی نہ ہو۔ مگر شاہ کے دل سے گھوڑے کی محبت دُور کرنے کے لیے اللہ نے یہ تدبیر کی۔

خام را جُز آتشِ ہجر و فراق	کہ پزد کہ وا رہاند از نفاق
کچے کو سوائے ہجر اور جُدائی کی آگ کے	کون پختہ بنا سکتا ہے تا کہ اُس کو نفاق سے نجات دے

بھلائی کے لیے حیلہ کرنا بھلا ہے اور بُرائی کے لیے حیلہ کرنا بُرا ہے۔ انسان کو اپنی کسی تدبیر پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اِن تدبیروں کا چشمہ اللہ کی تدبیر ہے۔ انسان کا قلب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اُسے پھیر دیتا ہے۔ جو ذات تجھے یہ حیلہ اور تدبیر سکھا دیتی ہے وہ اُسے اور تیرے علم کو ضائع بھی کر سکتی ہے۔

مددگار اور قرضدار پردیسی کا بقیہ قصّہ

وہ مددگار اُس پردیسی کو اپنے گھر لے گیا اور سو دینار کی مُہر زدہ تھیلی اُسے دے دی۔ پردیسی کو کھانا کھلایا اور باتیں کر کے اُس کا غم ہلکا کیا۔ دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر سو گئے۔ سونے کی حالت میں مددگار نے محتسب کو خواب میں دیکھا کہ ایک مکان کی صدر جگہ پر بیٹھا ہے۔ اُس نے مددگار سے کہا کہ اِس پردیسی نے میری قبر پر جو باتیں کیں وہ میں نے سب سُنی ہیں۔ مُردہ سب باتیں سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے سکتا۔ مُردوں کو بولنے کی اس لیے اجازت نہیں ہوتی کیونکہ وہ واقف ہو چکے ہوتے ہیں اور اگر بولیں تو عالمِ غیب کے اَسرار کھل جائیں گے اور نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ نظامِ عالم انسان کی غفلت کے پردوں پر چل رہا ہے۔ راز کھلنے سے ترکِ عمل ہو جائے گا۔ حقیقت کھل جانے سے غلط دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ دیدنی چیز جو اَن دیکھی بنی ہوئی ہے وہ اس غفلت کے پردے کی وجہ سے ہے۔

محتسب پھر بولا کہ اگرچہ ہمارے کان ختم ہو چکے ہیں لیکن اب ہم ہمہ تن کان ہیں۔ ہم بغیر زبان کے مجسم گویائی ہیں لیکن بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم بغیر آنکھ کے دیکھتے بھی ہیں۔ ہم بغیر ابر وغبار کا سورج ہیں، جس کا ادراک بہت قوی ہے۔ ہم ہیچ ہیں لیکن قرب کے اعتبار سے ہمیں ذاتِ حق سے اتحاد ہے۔ اب ہماری ذات گناہوں کی کدورت سے پاک ہو چکی ہے اور ہمیں معافی کی حالت میں دوامی زندگی حاصل ہو گئی ہے۔ ہم نے جو عمل دنیا میں کیا ہے اب اُس کے نتائج دیکھ لیے ہیں۔ یہ دنیا کاشت کا وقت ہے۔ جب کاشتکار کھیتی کاٹتا ہے تو اس کے زمین میں چھپائے ہوئے بیج کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، آخرت اُس کی مثال ہے۔ اُس نے مددگار سے کہا کہ میں نے اس پردیسی کے قرض ادا کرنے کے لیے بہت سامال فلاں جگہ رکھ دیا ہے۔ میرے وارثوں سے کہو کہ اسے دے دیں اور اُس میں سے خود کچھ نہ لیں۔

مُحتسب کا مددگار کو قرض کی ادائیگی کے طریقے بتانا

محتسب نے کہا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ پردیسی مقروض ہو کر میرے پاس ضرور آئے گا۔ میں نے اِس کے لیے دو تین جواہر باندھ کر رکھ دیے تھے۔ یہ گوہر اس قدر قیمتی ہیں کہ اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے اور کچھ بچ بھی رہے گا۔ قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ بھی وہی استعمال کرے اور مجھے دعائے خیر میں یاد

علم چوں آموخت سگ رست از ضلال
جب کُتّے نے ہنر سیکھ لیا گمراہی سے چھوٹ گیا

می کند در بیشہ ہا صیدِ حلال
اور جنگلوں میں حلال شکار کرنے لگا

رکھے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے اور وہ شرمندہ نہ ہو لیکن مجھے موت نے یہ موقع نہ دیا۔ وہ جواہر ایک پیالے میں رکھے ہیں اور پیالے پر میں نے اِس کا نام لکھ دیا ہے۔ اِس پیالے کو فلاں طاق میں دفن کر دیا ہے۔ یہ جواہر بہت قیمتی ہیں، کوئی دھوکا دے کر انہیں سستا نہ خرید لے۔ میرے وارثوں سے یہ بھی کہہ دینا کہ پردیسی کو مال ملنے سے گھبرا نہ جائیں اور اُن کو میرا سلام بھی دینا۔ اگر پردیسی یہ کہے کہ اِس قدر مال کی مجھے ضرورت نہیں ہے تو وہ لے کر کسی اور کو دے کر ثواب حاصل کرلے۔

حضور ﷺ نے عطیہ دے کر واپس لینے والے کو کتے کی مثل کہا ہے، جو قے کر کے چاٹتا ہے۔ اگر وہ عطیہ قبول نہ کرے اور دروازہ بند کرلے تو اُس کے دروازے پر ڈال دینا تاکہ گزرنے والا اُسے اُٹھا کر لے جائے۔ اُسے چاہیے کہ یہ عطیہ لینے سے انکار نہ کرے کیونکہ مخلص کا ہدیہ واپس کرنا بُرا ہوتا ہے۔ میں نے دو سال سے یہ مال اُس کے لیے رکھ چھوڑا ہے اور خدا سے اُس کو دینے کی منت مان رکھی ہے۔ میرے وارثوں کو سمجھا دینا کہ اگر اُنہوں نے اِس رقم میں سے کچھ لیا تو جتنا لیں گے اُس کا بیس گنا اُن کو نقصان پہنچ جائے گا۔ محتسب نے مددگار سے دو اور باتیں بھی کہیں اور وہ راز ہیں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ ایک تو راز ہونے کی وجہ سے میں بیان نہ کروں گا اور دوسرے یہ خیال بھی ہے کہ مثنوی بہت طویل ہو جائے گی۔

وہ مددگار نیند سے خوش ہو کر اُٹھا، کبھی محتسب کی وفات پر رونے لگتا تھا۔ رات کا اکثر حصہ گزر چکا تھا۔ وہ مددگار مستی اور بے خودی کی حالت میں محتسب کے اَوصاف گِنا تا گِنا تا بے ہوش ہو گیا۔ لوگ اُس کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ وہ مَستی میں تھا۔ اُس نیند کی حالت میں اُسے بہت سے عالی مضامین سکھائے گئے تھے۔ خواب میں وہ باتیں معلوم ہوئیں جو بیداری میں بھی معلوم نہیں تھیں۔ جو انسان بے دل یعنی عاشقِ خدا ہو جاتا ہے وہ حق کا بھی دلدار ہو جاتا ہے۔ اس پر تعجب نہ کرو، کائنات میں مُشاہدہ کرلو۔ اللہ کی قدرت نے ایک ضد کو دوسری ضد میں مخفی کر دیا ہے۔ گرم پانی میں آگ پوشیدہ ہے جس کے اجزاء سے پانی گرم ہے۔ نمرود کی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے چمن پوشیدہ تھا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے سخاوت کو نفع فرمایا ہے۔ خیرات اللہ سے رابطہ پیدا کر دیتی ہے تو مال میں برکت ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے سے برکت ہوتی ہے۔ نماز کی نیکی بدی سے بچاتی ہے۔ نماز شیطان سے تیری محافظ ہے۔ درخت کی شاخوں اور پتوں میں میوہ پوشیدہ ہے۔ اِس عالم کی ہر چیز عدم سے وجود میں آتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ساجد ہو کر مسجودِ ملائکہ

سگ چو عالم گشت شد چالاک زحف
کُتا جب صاحبِ علم و ہنر بن گیا بھونکنے میں چالاک بن گیا

سگ چو عارف گشت شد ز اصحاب کہف
اور کُتا جب باخدا بنا اصحاب کہف میں سے ہو گیا

بنے۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں وہ عذاب کی سینکڑوں مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ظاہری جسم کو دیکھا اور اُن کے باطنی اَوصاف پر نظر نہ کی۔

ایک بادشاہ کی اپنے تین بیٹوں کو وصیّت "سب جگہ جاؤ مگر فلاں قلعہ میں نہ جانا"

ایک بادشاہ تھا جس کے تین بیٹے تھے۔ تینوں سمجھ دار اور صاحبِ نظر تھے۔ وہ شاہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ خوشی میں آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے اور رنج میں گرم آنسو بہتے ہیں۔

مخفی طور پر اُولاد، ماں باپ کے بدن کے چمن کو سیراب کرتی ہے۔ اولاد کی آنکھوں سے مخفی چشمے جاری ہیں جو والدین کے جسم کے باغیچے کو پانی دیتے ہیں۔ اسی لیے جب اولاد بیمار ہوتی ہے اور چشمہ میں کمزوری آجاتی ہے تو ماں باپ کا جسم سوکھنے لگتا ہے۔ جس طرح والدین اولاد کے مخفی چشموں سے سیراب ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی جان مخفی چشموں سے سیرابی حاصل کرتی ہے۔ انسانی جسم کی ترکیب عالَم کے بہت سے مادوں سے ہوئی ہے۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اجزاء جو اُس کے جسم نے حاصل کیے ہیں۔ کیا اُن کو واپس لوٹانا نہیں ہے؟ یہ چرائے ہوئے اجزاء ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔ یہ چوری ہی موت کا سبب ہے۔ مانگی ہوئی چیز واپس کرنی پڑتی ہے تو بدن نے اجزاء کو بھی واپس دینا ہے۔

رُوح کا عطیہ، اللہ کی جانب سے ہے، جو مستقل اور باقی ہے۔ چونکہ رُوح عطیۂ خداوندی ہے اور باقی رہنے والی ہے اور بدن کے اجزاء مانگے ہوئے ہیں، اس لیے انسان کے جسم کے چشموں سے زیادہ رُوح کے چشموں کو حاصل کرنا چاہیے۔ صرف عارف باللہ لوگ ہی جسم کے چشموں سے فیض یاب ہونے سے زیادہ رُوح کے چشموں سے فیض حاصل کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے وہ دنیا سے بچتے ہیں کیونکہ یہ دارالغرور ہے۔ جو نہر رُوح کو سیراب کرتی ہے وہ علوم کی اصل ہے۔ وہ حاصل کرلے گا تو تُو پھر حواسِ ظاہرہ کے معاملات سے بے نیاز ہو جائے گا۔ جو چشمہ گھر میں ہو وہ باہر کی نہر سے باہر ہوتا ہے۔ تُو بیرونی چشموں سے لطف حاصل کرتا ہے۔ اگر اُن میں سے کسی میں بھی کمی آجائے تو تیری خوشی ناقص ہو جاتی ہے۔ جب تیرے اندر خوشی کا منبع ہو تو پھر بیرونی اسباب کی ضرورت نہیں رہتی۔ جس قلعہ میں باہر سے پانی آئے تو امن کی حالت میں تو خوب آتا رہتا ہے لیکن جب باہر دشمن محاصرہ کرلیتا ہے تو نہر بند کر دیتا ہے تو پھر تیری حالت تباہ ہو جاتی ہے۔ محاصرہ کے بعد پھر تیری یہ حالت ہوتی ہے کہ تُو اندرونی کھارے پانی کے کنوئیں کو اُس نہر سے بہتر سمجھتا ہے جو باہر سے آتی تھی۔ موت جب لذت کے سب بیرونی ذرائع ختم کر دیتی ہے تو اب خارجی بہار سے تجھے کوئی نفع نہ ہوگا۔ صرف وہ بہار باعثِ لذت ہوگی جو روئے یار سے تجھے حاصل ہو۔

تا نماید سنگ گوہر پشم لیشم	چیست مستی بند چشم از دید چشم
یہاں تک کہ پتھر، موتی اور اُون ریشم نظر آئے	مستی کیا ہے؟ آنکھ کا آنکھ کے دیکھنے سے بند ہونا

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (حافظ رحمۃ اللہ علیہ)

''جس کا دل عشق کی زندگی حاصل کر لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ یہ بات زمانہ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ کے لیے ہے''۔
چونکہ دنیاوی ذرائع تیرے کام کے نہیں رہتے اسی لیے دنیا کو دھوکے کا گھر کہا گیا ہے۔ یہ دنیا مرتے وقت تیرا ساتھ نہیں دیتی۔ اپنا قدم پیچھے ہٹا لیتی ہے۔ دنیاوی یار تیرے دائیں بائیں پھرتا تھا اور دعوے کرتا تھا کہ تیرا دُکھ درد اُٹھالوں گا لیکن اُس نے کچھ نہ اُٹھایا۔ موت کے سپاہی آتے ہیں تو وہ جان پہچان بھی بھول جاتا ہے۔ اللہ نے شیطان کی یہ حالت بیان کی ہے کہ کہتا ہے کہ تجھے حیلہ تدبیر سے ہر مصیبت سے نجات دلا دوں گا تُو فکر نہ کر اور اسی طرح انسان کو دھوکے دے کر کفر پر آمادہ کر لیتا ہے۔ انسان جب تباہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے تو اُس کی حالت پر قہقہے لگاتا ہے۔ جب انسان اُسے مدد کے لیے بلاتا ہے تو بیزاری کا اظہار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو خدا سے نہ ڈر لیکن میں تو اُس سے ڈرتا ہوں میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔
انسان کہے گا کہ شیطان نے مجھے دھوکا دیا تو اللہ فرمائے گا کہ ہم نے تمہیں پہلے سے اُس سے خبردار کر دیا تھا۔ تُو نے اُس کا کہنا کیوں مانا۔ اگر تُو نے اُس کا کہا مانا تو پھر توبہ بھی تو نہ کی اور توبہ کر کے نیک کام کرتا تو اچھا رہتا۔ گناہ گار جب ندامت کے آنسو روتا ہے تو عرش اس طرح سے کانپتا ہے جس طرح ماں بچے کے رونے سے کانپتی ہے۔ ماں روتے ہوئے بچے کو گود میں لے لیتی ہے، اسی طرح عرش رونے والے گناہ گار کو اُوپر اُٹھا لیتا ہے اور تسلی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ پر ربِّ غفور نے رحم کر دیا اور تُو اُس کی مہربانی کے باغیچہ میں پہنچ گیا ہے۔ جب حضرت حق اپنے محبوب ﷺ کے لیے واسطوں کو پسند نہیں کرتا تو بغیر اسباب کے رزق پہنچاتا ہے اور محبوب بھی اسباب کو ترک کر کے دریا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

تینوں شہزادوں کا باپ کے مُلک سے روانہ ہونا اور شاہ کا وصیت کو دُہرانا کہ ہوش اُڑانے والے قلعے میں نہ جانا

تینوں شہزادوں نے ملکی انتظام کر کے سفر کا ارادہ کر لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس طرف دل چاہے جاؤ مگر قلعہ ہوش رُبا کی طرف نہ جانا کیونکہ اُس میں تصویریں ہیں جو انسان کے ہوش گم کر دیتی ہیں۔ بہت سے بادشاہ اُس تصویر کو دیکھ کر جس کی وہ تصویر ہے اُس پر عاشق ہو کر پریشان ہوئے ہیں۔ یہ تصویریں اُسی طرح کی ہیں جیسی زلیخا نے حضرت

یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کے لیے کمروں میں بنوائی تھیں لیکن وہ زلیخا کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ وہ عفت کی وجہ سے اُس پر نظر نہ ڈالتے تھے۔ روشن آنکھوں والوں کے لیے اللہ نے ہر طرف کو اپنے دلائل کا مظہر بنایا ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار (حافظ رحمۃ اللہ علیہ)

"درختوں کے پتوں کو بھی ہوشیاری سے دیکھ کہ کیسے بنے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ ان سے بھی انسان کو اللہ کی معرفت کے اَن گنت نشان ملیں گے"۔

جب عارفین کائنات میں کمالِ قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اُن کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اُن لوگوں کے لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ جس طرف تم رُخ کرو گے تمہیں ہمارا جلوہ نظر آئے گا۔ عارف تو پانی کے کٹورے میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ غیر عارف پانی کے کٹورے میں اپنی صورت دیکھتا ہے لیکن عارف اپنی ذات کو فنا کر کے حق ہی کا ہو جاتا ہے۔ تو جو کچھ کٹورے میں نظر آتا ہے وہ اُس کے چہرے کا عکس نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کا عکس ہوتا ہے۔ حسین حور کا دیدار بھی اُن کا مقصود نہیں بلکہ اُس میں بھی حُسنِ حق کا مشاہدہ کرتے ہیں جو کہ پانی میں موجود ہے۔ عارف چونکہ محبوبِ حق ہے اس لیے اللہ کی غیرت کا تقاضہ ہے کہ وہ کسی غیر پر نظر نہ کرے۔ شیطان اور جانور بھی پانی میں اپنا چہرہ دیکھتے ہیں لیکن وہاں غیرتِ حق آڑے نہیں آتی کہ وہ اپنے چہرے کی بجائے اللہ کا چہرہ دیکھیں۔ شیطان صفت اگر توبہ کر کے عاشقِ حق بن جاتا ہے تو اُس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری مدد کی تو میرا شیطان مسلمان ہو گیا۔ شیطان بھی اگر توبہ کر لے تو عارف بن جاتا ہے اور یزید جیسا ظالم بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بن سکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ کہیں ہوس تمہیں قلعہ ہوش رُبا کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے ورنہ ابدی بدبختی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ بے غرض بات مخلصانہ ہوتی ہے۔ جس طرح خوشی کی جستجو ضروری ہے اسی طرح مصیبت سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر بادشاہ شہزادوں کو نصیحت نہ کرتا اور قلعہ میں جانے سے نہ روکتا تو اُن کا اس قلعے کی طرف جانے کا میلان نہ ہوتا اور وہ وہاں نہ جاتے۔ چوں کہ وہ کوئی مشہور قلعہ نہ تھا، اُن کو وہاں جانے کا خیال بھی نہ آتا۔ اب اُن کے دل میں اُس کا راز معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ایسے لوگ کم ہیں جو ممنوع چیز سے رُکیں کیونکہ انسان ممنوع چیز کا اور حریص ہو جاتا ہے۔ جو متقی ہیں وہ کم ہیں۔ اُن کے لیے ممانعت اِس چیز سے بغض کا سبب بن جاتی ہے اور جو خواہش کے بندے ہیں اور وہ بہت ہیں، اُن کے لیے ممانعت مزید آمادگی کا سبب بن

گر محبت فکرت و معنے ستے
اگر تیری محبت اور باطنی حالات ہی کافی ہوتے

صورتِ صوم و نمازت نیستے
تو پھر ظاہر نماز اور روزوں وغیرہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی

جاتی ہے۔

اسی لیے قرآن کی صفت یہ ہے کہ بہت سے اِس سے گمراہ ہو جاتے ہیں لیکن جن کے قلب بیدار ہیں اور باخبر ہیں وہ ہدایت حاصل کر لیتے ہیں۔ بانس کی چھڑی ہلانے سے پالتو کبوتر گھر واپس آجاتے ہیں، جنگلی کبوتر بھاگ جاتے ہیں۔ ایک ہی چیز کی دو خاصیتیں ہیں۔ شہزادوں نے شاہ سے کہا کہ ہم آپ کا کہنا مانیں گے۔ آپ محسن ہیں اور محسن سے غفلت کفر ہے۔ اُن شہزادوں نے اطاعت کا وعدہ تو کر لیا۔ لیکن اللہ کی یاد کر کے انشاء اللہ نہ کہا اور اپنے اوپر بھروسہ کیا۔ انشاء اللہ اور احتیاط کی باتیں ہم پہلے دفتر میں بیان کر چکے ہیں۔ پہلا دفتر اور یہ دفتر کوئی دو چیزیں نہیں ہیں' وہاں کی تفصیل یہاں کافی ہے۔ دنیا کے ہر گوشے سے لوگ ایک خانہ کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں تو وہ سب متحد ہیں۔ جب سب راستے ایک مکان تک پہنچتے ہوں تو باوجود تعدّد کے اُن میں بھی اتحاد ہے۔ جو بالیں ایک دانے سے پیدا ہوئیں وہ بھی متحد ہیں۔ کھانے کی لاکھوں چیزوں میں اتحاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک چیز سے پیٹ بھر جائے تو بقیہ کھانوں سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔

جب انشاء اللہ نہ کہنے اور اسباب پر اعتماد کرنے کی بات کی تھی تو لڑکی کا قصہ اور طبیبوں کی بے وقوفی یعنی اسباب پر بھروسہ کرنے کی بات کہی تھی۔ وہ طبیب، مُتصرفِ حقیقی سے ایسے ہی غافل تھے جیسے کہ بے سوار کا گھوڑا' سوار سے غافل ہوتا ہے حالانکہ اللہ کے تصرفات اُن پر جاری تھے۔ یہ اِس سے غافل تھے کہ اُن پر سدھانے والا سوار ہے۔ اپنے حالات سے اُن کو جان لینا چاہیے تھا کہ کوئی متصرف ذات اُن پر مسلط ہے۔ جو لوگ اسباب اختیار کرتے ہیں اور پھر بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا اُن کو سوچنا چاہیے کہ اسباب کے خلاف کون سی ذات متصرف ہے۔ یہ بھی اللہ کا تصرف ہے کہ یہ طبیب محض اسباب کے بندے بن گئے ہیں۔ اُنہیں سوچنا چاہیے کہ ایک مخفی تصرف کارفرما ہے۔ انسان نفع کی کوشش کرتا ہے اور بجائے نفع کے نقصان ہو جاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ انسان ایک مقصد کے لیے اسباب اختیار کرتا ہے اور پھر مقصود حاصل نہیں ہوتا تو وہ اسباب سے بدظن کیوں نہیں ہوتا۔

ایک سبب ہے، جو ایک کے لیے مفید اور دوسرے کے لیے مُضر ہوتا ہے۔ شادی کسی کے لیے ایسی راس آتی ہے کہ عروج حاصل ہوتا ہے اور کسی کے لیے تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک ہی سبب کے مختلف نتیجے اور تاثرات ہوتے ہیں۔ اسباب کو اگر اختیار کیا جائے جو کہ انسانی ضرورت ہے تو اُس کو مستقل مؤثر نہ سمجھے اور غیر ضروری اسباب اختیار نہ کرو۔ اِس لیے کہ جس کو تُو راحت کا سبب سمجھتا ہے وہ مصیبت بھی لاسکتا ہے۔ انشاء اللہ کہنے کا راز بھی

نیست اندر دوستی اِلّا صُوَر	ھَدِیہ ہائے دوستاں باہم دِگر
ایک دُوسرے کیلئے محض صُورتوں کے سوا کچھ نہیں	دوستوں کو ایک دُوسرے کے تحفے

ہے کہ سبب کی تاثیر کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے۔ اِس لیے کہ اگر مشیت خداوندی نہ ہو تو پھر انسان گدھے کو بکری سمجھنے لگتا ہے۔ جب اللہ حواسِ ظاہری کو بدل سکتا ہے تو فکر کی تبدیلی تو اُس کے لیے بہت آسان ہے۔ اللہ جب چاہتا ہے انسان کی نگاہ میں تبدیلی کرتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں جنگِ بدر کے اندر مخالفوں کی مقدار کم کر کے دکھا دی تا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں بے قدر ہو جائیں اور وہ بہادری سے لڑیں۔

بادشاہ کے لڑکوں کا قلعہ کی طرف جانا

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام ممنوع گیہوں کے پودے کے پاس پہنچ گئے تھے اِسی طرح یہ شہزادے ممنوعہ قلعہ میں جا پہنچے اور بادشاہ کے مخلص اور فرمانبرداروں کے مسکن سے جدا ہو گئے۔ مخالفت کی وجہ سے اُن کا شوق اور بھی تیز ہو گیا تھا۔ قلعہ ہوش رُبا (تصویروں والے قلعے) کے پانچ دَر دریا کی جانب کھلتے تھے تا کہ آنے والا دریائی سفر سے اس میں بسہولت داخل ہو سکے اور پانچ دروازے خشکی کی طرف کھلتے تھے تا کہ خشکی کا مسافر آرام سے داخل ہو سکے۔ پانچ دَر کو انسانی حواس سمجھو اور پانچ دَر کو باطنی حواس کی طرح جانو۔ انسان انہیں حواس کی مُدرکات سے بسا اوقات مسلوبُ العقل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اُن دروازوں سے داخل ہونے والا مسلوبُ العقل ہو جاتا تھا۔ اس قلعہ کی اِن ہزاروں تصویروں کو وہ خوشی خوشی دیکھتے پھر رہے تھے اور کسی ایک کو دیکھنے کے لیے اُن میں قرار نہ تھا۔ تصویروں کے پیالوں سے پی کر مَست نہ بن ورنہ تُو بھی بُت تراش اور بُت پرست کی طرح ہو جائے گا، جس کا تعلق محض صورت سے ہے۔ اُن صورتوں کا حُسن بھی بے شک شراب کی سی مستی پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن وہ حُسن اُن کا ذاتی نہیں ہے بلکہ مُستعار حُسن ہے۔ تجھے اُن کو حُسن عطا کرنے والے اصل حُسن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ جس ذات نے اُن صورتوں کے جام میں شرابِ حُسن بھر دی ہے، اُس کی طرف توجہ کر۔ پھر تجھے قلبی واردات محسوس ہوں گی۔ جب وہ شرابِ عشق حاصل ہو جائے گی، پھر تُو کسی صورت کا پابند نہیں رہے گا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کا مظہر معلوم ہو گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے سے بنی آدم کو خطاب ہے کہ حقیقت کے طالب بنو اور صورت سے قطع نظر کرو۔ صورت بے معنی ہے۔ گیہوں کی صورت نہ تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ریت سے آٹا حاصل ہوا۔ صورت کی علت، بے صورت ذات ہے لہٰذا توجہ کے قابل علت ہے۔ دھوئیں کی علت آگ ہے لہٰذا وہ اصل ہے۔ صورت تو ایسی چیز ہے کہ اگر انسان کو مصوّر خیال بار بار آتا ہے تو وہ اُس سے تنگ دل ہو جاتا ہے۔ جب تُو ذات سے صورت کی طرف توجہ کرے گا تو ملال نہیں طبیعت میں حیرت پیدا ہو گی۔ جو مزید توجہ اور کھوج کا سبب بنتی ہے۔ اُس بے آلت اور بے صورت ذات سے

تا گواہی دادہ باشد ہدیہ ہا　　بر محبت ہائے مضمر در خفا

تا کہ تحفے گواہی دیں　　چھپی ہوئی محبتوں پر

ہزار ہا قسم کے صورت اور آلہ والے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اصل ہے۔ جو ذات ہاتھ سے مُنزّہ ہے، اُس نے کروڑوں ہاتھ بنا دیئے۔ ذاتِ خداوندی نے آدمی کو مُصَوَّر پیدا فرمایا تو اصل وہ خود ہے۔ غیر مُصَوَّر، مُصَوَّر میں اِس طرح مؤثر ہے جس طرح ہجر و وصال طرح طرح کے خیالات کا مُصَوِّر ہے اور خود غیر مُصَوَّر ہے۔

مؤثر اور اثر میں مشابہت ضروری نہیں ہے۔ ضرر اور تکلیف' رونے اور چلانے کا مؤثر ہے لیکن دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ نوحہ اور رونا ایک مُصَوَّر چیز ہے اور ضرر ایک اضافی شے ہے جو مُصَوَّر نہیں ہے۔ انسان رنج سے ہاتھ چباتا ہے اِن دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ حق تعالیٰ جو کہ مؤثر ہے اور کائنات جو کہ اُس کا اثر ہے اُس کی یہ مثالیں ناقص ہیں۔ یہ محض سمجھانے کے لیے ہیں۔ کوئی اُس کی صحیح مثال دینے پر قادر نہیں ہے۔

ذات بے صورت یہ صورتیں مع حواس کے پیدا فرما دیتی ہے۔ اللہ نے ان صورتوں کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ صورت اپنے مناسب حال انسانی جسم سے نیکی و بدی کرے۔ اگر وہ نعمت کی صورت ہے تو جسم سے شکر گزاری کراتی ہے۔ اگر وہ صورت مہلت اور دیر کی ہے تو انسانی جسم سے صبر کراتی ہے۔ اگر یہ صورت ہوتی ہے کہ اُس پر کوئی رحم کرے گا تو وہ خوش ہوتا ہے اور رنج کی صورت ہو تو وہ نالاں ہوتا ہے۔ کسی شہر کی صورت ہو تو نتیجہ سفر ہوتا ہے۔ اگر تیر کی صورت ہو تو ڈھال سنبھالتا ہے۔ اگر خیال میں حسینوں کی صورت آتی ہے تو اُن سے خوش وقتی کرتا ہے۔ اگر غیبی تجلیات کی صورت خیال میں آتی ہے تو گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے۔ اگر ضرورت اور احتیاج کی صورت آجاتی ہے تو کمائی کرتا ہے۔ اپنی طاقت کی صورت خیال میں آتی ہے تو لوگوں کی چیزیں چھینتا ہے۔

یہ بات کہ قسم قسم کے خیالات فعل کے داعی بنتے ہیں، شمار سے باہر ہے۔ لوگوں کے مذہب اور پیشے بھی خیالات ہی کی پیداوار ہیں۔ خیالات کے سبب ہونے کی اور افعال کے مسبب ہونے کی مثال یوں سمجھو کہ کچھ لوگ بالاخانے پر ہوں اور اُن کا سایہ زمین پر پڑ رہا ہو۔ عمل کا تعلق اعضاء سے ہے اور خیال دماغ میں پوشیدہ ہے لیکن دونوں باہم جڑے ہوئے ہیں۔ عمل کے ساتھ وہ خیال بھی موجود ہے۔ خوشی سے جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں اُن کا اثر اور نتیجہ بے ہوشی اور بے خودی ہے۔ مرد اور عورت کو جماع کے تصور سے اور جماع کے وقت مدہوشی طاری ہوتی ہے۔ غذاؤں کی صورت کا نتیجہ بے صورت قوت ہے۔

مدرسہ اور اُس کے متعلقات کی صورتیں علم و دانش سے متعلق ہوئیں تو وہ بے صورت علم موجود ہوگیا۔ جب یہ صورتیں ایک ذاتِ بے صورت کے تابع ہیں تو یہ صورتوں والے اُس سے منکر کیوں ہیں۔ یہ بے صورت جو کہ ان

زانکہ احساں ہائے ظاہر شاہدند	بر محبت ہائے سِر اے ارجمند
اے عزیز یہ ظاہری نماز روزہ ہی تو	اللہ کے ساتھ تیری محبت اور باطنی لگاؤ کے ثبوت ہیں

صورتوں کا سبب اور علّت ہے تو اُس سے پیدا ہو کر اُس کے منکر کیوں ہیں۔ مکان کی صورت یہ معمار کے خیال کا اثر ہے، اگرچہ اُس معمار کے ذہن کے اندر مکان کے اجزاء موجود نہیں ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام صورتوں کو پیدا کرنے والا خود بے صورت ہے اور یہ صورتیں اُس کے لیے بمنزلہ آلہ کے ہیں۔ کبھی کبھی وہ بے صورت اپنی تجلیات بھی رونما کر دیتا ہے اور اُس تجلی سے مقصود کمال اور جمال اور قدرت کا افاضہ ہے۔ پھر جب وہ تجلی غائب ہو جاتی ہے تو لوازمِ بشریت اُبھر آتے ہیں۔ کمال تو بے صورت ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ایک صورت اگر دوسری صورت سے کمال کی طالب ہو تو گمراہی ہے۔ ہاں اولیاء اللہ رحمہم اللہ جن کو خُدا نے رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا ہے اُن سے کمال کی طلب کی جاسکتی ہے۔ ورنہ صورت تو خود محتاج ہے، اُس کے سامنے اپنی احتیاج کو پیش کرنا کونسی عقلمندی ہے۔

جب صورتیں بے صورت کی غلام ہیں تو اُس بے صورت پر صورت کا گمان نہ کر اور تشبیہوں کے ذریعے اُس کو تلاش نہ کر۔ اُس بے صورت کو صورتوں سے تلاش نہیں کیا جاسکتا بلکہ فنا اور تضرّع وزاری کے ذریعے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ سوچنے اور تفکر سے صورتیں ہی خیال میں آتی ہیں اور وہ ذات تو بے صورت ہے۔ اگر مجاہدے سے بھی بغیر صورت کے اُس کا تصور نہیں ہوتا تو پھر تیرے تصور کے بغیر جو اُس کی صورت سامنے آئے اُس سے سہارا پکڑ لے کیونکہ اُس سے تیرے دل میں انبساط پیدا ہوتا ہے۔ ذوق ایک بے صورت شے ہے۔ وہ تجھے صورت کی طرف لے جارہا ہے لیکن درحقیقت تُو لامکانی اور لازمانی ذوق کی طرف جارہا ہے۔ دوست کی صورت کی طرف جانے کی غرض اُنس ومحبت ہے، جو بے صورت ہے۔ دوست اور اُس کے شہر کی طرف تیرا جانا ایک بے صورت ہی کی طرف جانا ہے اگرچہ تُو خود اُس مقصود سے غافل ہے۔

ذوق کا مقصود ہونا ثابت ہوگیا، اس لیے ذوق کی طرف جانے والا ہر راستہ درحقیقت اللہ ہی کی طرف جاتا ہے کیونکہ سب راستوں پر چلنا ذوق ہی کی وجہ سے ہے اور ذوق بخشنا تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اب اُس معبود کے ساتھ بعض کا معاملہ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے اللہ کے توابع کی طرف رُخ کرلیا ہے یعنی افعالِ باری تعالیٰ کی جانب توجہ کر رکھی ہے، حالانکہ مقصود اُس کی ذات ہے کیونکہ وہی اصل ہے۔ اُن کو بھی ذات سے استفادہ ہوتا ہے اور اُن کی توجہ بھی مقبول ہے۔ عبادت گزاروں کے مختلف مرتبے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کی توجہ اور طلبِ حق، افعالِ حق کے ذریعے اور واسطے سے ہے، یہ درجہ عوام کا ہے۔ مثنوی میں دُم سے مراد افعالِ باری تعالیٰ ہیں اور سَر سے مراد صفاتِ باری تعالیٰ ہیں۔ یہ لوگ صفات کے ذریعہ فیض حاصل کرتے ہیں اور یہ درجہ خواص کا ہے۔ لیکن افعالِ باری ہوں یا صفاتِ باری دونوں ذرائع سے ذات

سَر ازاں رُومی نہم من بر زمیں　　　تا گواہِ من بُوَد در یومِ دیں
میں اسی وجہ زمین پر چہرہ رکھتا ہوں　　　تاکہ وہ قیامت کے دن میری گواہ ہو

تک پہنچا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں کہ صرف ذات کی طرف توجہ رکھتے ہیں اور اُس سے بلاواسطہ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ درجہ اخص الخواص کا ہے۔ اُن لوگوں نے نہ افعال کو مقصود بنایا نہ صفات کو بلکہ ذات کو مقصود بنایا، لہٰذا ذاتِ باری تعالیٰ اُن کو حاصل ہوئی۔

وہ تینوں شہزادے قلعہ ہوش رُبا میں پہنچ گئے اور اُنہوں نے شاہ چین کی لڑکی کی تصویر کو دیکھا اور بے ہوش ہو گئے اور فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور جستجو شروع کر دی کہ یہ تصویر کس کی ہے۔ اُن شہزادوں نے ایک تصویر دیکھی جو حسین تھی۔ اگرچہ وہ اُس سے بھی زیادہ حسین تصویریں دیکھ چکے تھے۔ لیکن وہ اُس تصویر کو دیکھ کر عشق کے گہرے سمندر میں ڈوب گئے۔ عشق و محبت کے معاملے میں تصویر تو نظر آتی ہے لیکن وہ افیون غیر محسوس ہے جو لوگوں کو مدہوش کر دیتی ہے۔ غرض کہ قلعہ ہوش رُبا نے اپنا کام کر دیا اور تینوں کو مصیبت میں پھنسا دیا۔ اُس حسین کے غمزے کے تیر نے اُن کے دل کو چھید دیا۔ یہ تیر بے امان ہے' خدا اِس سے پناہ میں رکھے۔ وہ تینوں شہزادے رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جو مصیبت ہم نے اب دیکھی ہے شاہ نے پہلے ہی دیکھ لی تھی۔

ہم پر انبیاء علیہم السلام کے اِسی لیے بے پناہ حقوق ہیں کہ اُنہوں نے ہمیں انجام سے باخبر کر دیا ہے۔ اُنہوں نے بتا دیا ہے کہ نفسانی خواہش سے تم جو کام کرو گے اُس سے کانٹے اُگیں گے۔ اگر تیری رفتار دنیا کی طرف ہے تو اس میں نجات نہیں ہے۔ اُنہوں نے بتا دیا ہے کہ ہمارے طریقے پر عمل کرو، اس سے فائدہ حاصل ہو گا۔ ہمارے طریقے پر چلو گے تو مصیبت کا تیر اُس طرف ہی گر جائے گا تم تک نہ پہنچے گا۔ انسان انبیاء علیہم السلام کے اتباع کو ضروری نہیں سمجھتا۔ موت کے بعد اُس پر یہ عقدہ کھل جائے گا کہ اُنہوں نے کیا غلطی کی۔ انبیاء علیہم السلام پَروں کی طرح ہیں جن سے اُن کے مخاطب کے رُوحانی ترقی کرنے کا عمل ہوتا ہے اور وہ اُڑتے ہیں۔

اے انسان! تیرے ہونے کے دو حصے ہیں ایک تُو تیرا بدن ہے اور دوسرا تُو تیری رُوح ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام کا اتباع جو نافع فعل ہے، تیرے "تُو" یعنی بدن کا فعل نہیں ہے بلکہ اُس "تُو" کا فعل ہے جو تیری رُوح ہے۔ یاد رکھو! یہ "ما و من" یعنی جسمی قیود سے بالاتر ہے۔ جس تُو کو تُو "تُو" سمجھ رہا ہے یعنی جسم، یہ تو جہات میں مقید ہے۔ اصل "تُو" تو تیری رُوح ہے جو جہت سے منزہ ہے۔ تُو جسم کی تباہی سے لرزتا ہے۔ حالانکہ یہ سیپ ہے اور اصل "تُو" تیری رُوح یعنی موتی ہے۔ تُو اصل گنج یعنی جسم کو نہ سمجھ بلکہ شکر کو سمجھ جو رُوح ہے۔ جسم کا "تُو" ہونا پرائی چیز ہے۔ تُو اپنے آپ تک پہنچ جو کہ رُوح ہے اور اُس جسم کی دوئی کو رُوح کے ساتھ جوڑنا چھوڑ دے۔ تیری رُوح تیرے جسم میں چھپ گئی ہے۔ میں اُس کا غلام ہوں

این زماں باشد گواہِ حالہا	یوم دیں کز زُلزلت زِلزالہا
اُس وقت وہ حالتوں کی گواہ ہوگی	قیامت کے دن جبکہ زمین کو زلزلہ آجائے گا

جو خود کو یعنی رُوح کو دیکھ لے۔

شہزادوں نے کہا کہ ہم نے جواَب دیکھا ہمارے بوڑھے باپ نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ ہم نے اُس کی بات کو معمولی جانا اور مصیبت میں پھنس گئے۔ ہم نے اپنی عقل اور سمجھ پر گھمنڈ کیا اور نصیحت نہ سُنی۔ ہم اپنے آپ کو مرض اور مرض کی غلامی سے آزاد سمجھتے تھے۔ ہم اپنی خام کاری کو اب سمجھے جب کہ پھنس گئے۔ شیخ کی صحبت سے خلوص اور استعداد پیدا ہوتی ہے جو ذکر اللہ کے نافع ہونے کی شرط ہے اور شرط پر عمل سے پہلے مشروط پر عمل اچھا نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ بغیر وضو نماز سے، وضو کی مشغولیت بہتر ہے۔ شیخ کی صحبت قناعت اور صبر پیدا کر دے گی جو مبتدی کے لیے ذکر کے ہزاروں کھاتوں سے زیادہ مفید ہے۔ حضرت اَبوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر سے اُس وقت فائدہ پہنچا جب اُنہوں نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی صحبت حاصل کرلی۔ یہ قصّہ پہلے گزر چکا ہے۔ شیخ کو چشمِ بینا حاصل ہے اور تجھے صرف ذکر کی لاٹھی کا سہارا حاصل ہے۔

شہزادے جب اس بُت کے عشق میں مبتلا ہو گئے تو جستجو شروع کی کہ یہ کس حسینہ کا بُت ہے۔ شیخ بصیر رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے بزرگ تھے جن کو قلبی بصیرت حاصل تھی۔ اُنہیں کشف سے معلوم ہوا اور اُنہوں نے بتا دیا کہ یہ بُت چین کے شاہ کی لڑکی کا ہے۔ جو اِس قدر حسین ہے کہ اُس پر پروین بھی رشک کرتی ہے۔ شاہِ چین کی یہ لڑکی اپنے حُسن و جمال میں بے مثال ہے۔ وہ رُوح کی طرح مخفی ہے اور قلعوں کے پردوں میں رہتی ہے۔ اُس کے پاس نہ مرد جا سکتا ہے نہ عورت۔ شاہ نے اُسے فتنوں سے بچا کر رکھا ہے۔ اگر کوئی اُس کا نام بھی لے تو شاہ کو غیرت آجاتی ہے۔ اُس کے بالاخانے پر چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔ ایسی معشوقہ کا عشق خدا کرے کسی کو نہ ہو کہ جس کا حصول ناممکن ہو۔ یہ مصیبتناک عشق اُسی کی سزا ہے جو نادانی سے کام کرے اور بزرگوں کی نصیحت کو معمولی اور کھوٹا سمجھے۔ جو شخص محض اپنی تدبیر اور گھمنڈ پر ہو اور سمجھے کہ میں خود اپنا کام چلا لوں گا اور مجھے شیخ کی ضرورت نہیں ہے اُس نے نادانی کا بیج بویا۔ شیخ کی تھوڑی سی توجہ اپنی سینکڑوں تدبیروں سے بہتر اور نافع ہے۔ اپنی تدبیر کو ترک کر کے شیخ کی توجہ کی طرف چل پڑ اور اُس کے سامنے اپنے آپ کو فنا کر دے۔ شیخ کی توجہ تیری گنی چُنی تدبیروں سے بہت بہتر ہے۔ جب تک تُو شیخ میں اپنے آپ کو فنا نہ کر دے گا یہ تدبیریں مفید نہ ہوں گی۔

عقل ضدِ شہوت ست اے پہلواں	آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں
اے بہادر! عقل، شہوت کی ضد ہے	جو شہوت کے چکر کاٹے، وہ عقل نہیں ہے

صدرِ جہاں بُخاری کی حکایت کہ جو سائل زبان سے مانگتا اُس کے عام صدقے سے محروم رہ جاتا، ایک عقلمند درویش کا بھول کر، جلدی میں زبان سے مانگنا

بُخارا میں ایک صدرِ اعظم تھا اور سائلوں سے بہت اچھا سلوک کیا کرتا تھا۔ وہ بہت کچھ عطا کرتا۔ وہ سونے کی پُڑیاں بنا کر رکھتا اور جب تک وہ ختم نہ ہو جاتیں دیتا رہتا تھا۔ سورج کو اللہ تعالیٰ جو روشنی عطا کرتا ہے وہ (سورج) دوسروں کو عطا کر دیتا ہے۔ کان میں سونا اور ویرانہ میں خزانہ، سورج کی عطا ہے۔ اُس نے خیرات کے مستحق لوگوں کی قسمیں بنا رکھی تھیں اور ہر قسم کے لیے الگ دن مقرر کر رکھا تھا تاکہ سائلوں کا کوئی گروہ محروم نہ رہے۔ ایک دن نادار علویوں کا، ایک دن فقیر طالب علموں کا، بیماروں کا، بیواؤں کا، قرض داروں کا، تمام مفلسوں کا، یتیموں کا، قیدیوں کا، اسی طرح ہر گروہ کے لیے دن مقرر تھے۔ اُس کی شرط یہ تھی کہ سائل زبان سے کچھ نہ مانگے۔ جو منہ سے سوال کرتا اُسے کچھ نہ ملتا۔ اُس کا قانون تھا "جو تم میں سے خاموش رہا اُس نے نجات پائی"۔ اتفاقاً ایک روز ایک بوڑھے نے کہا کہ میں بھوکا ہوں مجھے دے۔ اُس نے بوڑھے کو منع کیا تو اُس نے اصرار کیا۔

صدرِ جہان بولا: اے بوڑھے! تُو بہت لالچی ہے۔ میرے منع کرنے سے بھی نہیں ٹلتا۔ بوڑھے نے کہا: تُو مجھ سے بھی زیادہ لالچی ہے۔ تُو نے دنیا بھر کی دولتیں اور مزے حاصل کر لیے پھر بھی تیرا پیٹ نہیں بھرتا۔ اب آخرت کی دولتیں لوٹ رہا ہے۔ اس لطیفے پر صدرِ جہان کو ہنسی آگئی اور اُس کو بہت سامال دے دیا۔ اچانک فقیہوں کی خیرات کے دن ایک فقیہ فریاد کرنے لگا، اُسے کچھ نہ ملا۔ اُس نے ہر قسم کی بات کی لیکن اُس کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی دن وہ پاؤں گھسیٹتا ہوا مریضوں کی قطار میں لگا۔ کسی دن پاؤں کو لکڑی باندھ کر آیا جیسے کہ پاؤں ٹوٹا ہو۔ اُس نے منہ نمدے میں اس طرح لپیٹا کہ اُسے اندھا سمجھا جائے۔ جب اور تدبیروں میں کامیاب نہ ہوا تو چادر اوڑھ کر بیواؤں میں جا بیٹھا۔ سر جھکا لیا اور ہاتھ چھپا لیا تاکہ پہچان میں نہ آئے۔ اُس صدرِ جہان نے پھر اُسے پہچان لیا تو اُس کا محرومی سے دل جلنے لگا۔

وہ ایک شخص کے پاس گیا جو کفن کے لیے چندہ جمع کیا کرتا تھا اور کہا کہ مجھے ایک نمدے میں لپیٹ کر مُردے کی طرح راستہ کے کنارے پر رکھ کر بیٹھ جا۔ زبان سے کچھ نہ کہنا ورنہ صدرِ جہان اپنی عادت کے مطابق کچھ نہ دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے مردہ سمجھ کر کچھ نہ کچھ دے دے۔ وہ جو کچھ دے گا آدھا تیرا آدھا میرا ہوگا۔ کفن کے بھکاری نے ایسا ہی کیا۔ صدرِ جہان نے نمدے پر کچھ رکھا تو اُس مردہ بنے ہوئے طالب علم نے جلدی سے نمدے میں سے ہاتھ باہر نکالا

وہم خوانش آنکہ شہوت راگداست
اُسے وہم کہو کیوں کہ شہوت کا بھکاری ہے

وہم قلب و نقدِ زر عقلہاست
وہم کھوٹا اور عقلیں خالص سونا ہیں

اور پھر سر بھی نکالا اور پھر صدر جہان سے کہا کہ دیکھ لے۔ میں نے کیسے وصول کیا۔ صدر جہان نے جواب میں کہا کہ جب تک تُو مر نہ گیا مجھ سے کچھ وصول نہ کر سکا۔ انکار تو تجھے دینے سے کیا تھا۔

''مرنے سے پہلے مر جاؤ'' کا راز یہی ہے۔ مرنے سے غنیمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ خدا کی جناب میں بھی جب تک فنا حاصل نہ کرو گے اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذب سینکڑوں مجاہدوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ مجاہدوں سے عُجب اور ریا پیدا ہو جانے کا خوف ہوتا ہے اور جذبِ الٰہی اُس وقت آتا ہے جب انسان فنائیت کی طرف گامزن ہو جائے' ریا اور خودی کو ترک کرنے کی تگ و دو کرے۔ معتبر لوگوں نے اُس راستے کا تجربہ کرلیا ہے۔ جذبِ الٰہی اصل شے ہے اور فنا بغیر جذبِ الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

چگی داڑھی اور بغیر داڑھی کے دو بھائیوں کی حکایت

ایک مجلس میں ایک چگّی داڑھی والا اور ایک بغیر داڑھی والا شامل تھے۔ رات بھر شغل چلتا رہا۔ رات زیادہ گزر گئی اور محفل برخاست ہوئی۔ یہ دونوں کوتوال کے ڈر سے وہیں سو رہے۔ چگّی داڑھی والے کی داڑھی میں چند بال تھے اور وہ حسین تھا۔ نوخیز صورت میں بُرا تھا پھر بھی اُس نے احتیاطاً اپنی مقعد کے پیچھے چند اینٹیں رکھ لیں۔ وہاں کوئی شخص تھا جسے لواطت کی عادت تھی۔ اُس نے وہ اینٹیں ہٹا دیں اور اُس سے دست درازی کرنے لگا تو لڑکا بھاگ گیا اور واویلا مچا دیا کہ میں بیمار لڑکا ہوں۔ میں نے تو احتیاطاً یہ اینٹیں رکھی تھیں۔ تُو نے کیوں ہٹائیں؟ لوطی نے کہا کہ اگر بیمار تھا تو شفا خانے جاتا یا کسی طبیب کے گھر چلا جاتا۔ خانقاہ میں کیوں سویا؟ لڑکا بولا: جہاں جاتا ہوں مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔ جب خانقاہ ہی میں امن نہ ملی تو کہاں ملے گی؟ جو لوگ بدنامی سے ڈرتے ہیں وہ چپکے چپکے نظر بازی اور اشارے بازی کرتے ہیں۔ یہ چیز دین کے لیے خطرناک ہے۔ جب خانقاہ میں بھی بازاری لوگ ہیں تو اوباشوں کا اس سے اندازہ لگاؤ۔ عوام اور اوباش جو گدھوں کی طرح ہیں اُن میں نہ ناموس ہے نہ تقویٰ۔ نہ خدا کا خوف ہے اور نہ اُمید و بیم جو کہ ایمان کا حاصل ہے۔ نیکی تو عقل کا تقاضہ ہے لیکن اُن لوگوں میں عقل کہاں ہے۔

یہ تو مردوں کا حال ہے اور عورتوں کی سُن لو کہ اُن کی وجہ سے میں مصیبت میں پھنستا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو عورتوں ہی نے قید میں پھنسایا۔ میرے لیے ہر طرف سُولی ہی سُولی ہے، مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی۔ عورتیں مجھ پر گرتی ہیں اور اُن کے سرپرست میرے خون کے درپے ہو جاتے ہیں۔ میں تو نہ مردوں میں ہوں نہ عورتوں میں۔ مرد مجھے عورت کی طرح سمجھنے لگتے ہیں اور عورتیں مجھے مرد سمجھتی ہیں۔ ان باتوں کے بعد اُس نے چگّی داڑھی والے کی طرف

خشم و شہوت مرد را احول کُند　　ز استقامت رُوح را مُبدل کُند

غصہ اور شہوت انسان کو بھینگا بنا دیتے ہیں　　(اور) رُوح کو سیدھے راہ سے پھیر دیتے ہیں

دیکھا اور بولا کہ یہ ان بالوں کی وجہ سے سب غموں سے بے نیاز ہے۔ یہ اینٹوں سے بھی بے نیاز ہے اور اینٹوں کے جھگڑے سے بھی۔ یہ تجھ جیسے بٹے کٹے بدمعاش سے بھی بے نیاز ہے۔ اے لوگو! داڑھی کے چار بال تیس اینٹوں سے بہتر ہیں کیونکہ شیطان عبادت کی اینٹیں اُکھاڑ دے گا اور اپنا راستہ بنا لے گا۔ اگر جذبِ خداوندی ہے تو شیطان اُس میں سے اپنا حصہ نہ بٹا سکے گا۔

عبادت کی اینٹیں تیری جمع کی ہوئی ہیں اور جذب داڑھی کے بالوں کی طرح عطیہ خداوندی ہے۔ داڑھی کے ایک بال کو بھی حقیر نہ جانو، وہ کوہِ گراں ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے امن نامہ ہے اور وہ خلعت ہے جو قطبِ معرفت کو دی جاتی ہے۔ عنائت اور مجاہدے کے فرق کے لیے ایک مثال یہ ہے کہ انسان کسی جگہ سَو تالے لگا لے، اُس کو توڑ لیا جاتا ہے اور کوتوال اگر موم کی بھی مہر لگا دے تو بڑے بڑے بہادر توڑنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ دو تین بال شر سے حفاظت کے لیے پہاڑ ہیں۔ شیطان سے بچاؤ کی تدبیر اور مجاہدہ کرتا رہ لیکن صرف اُس پر بھروسہ نہ کر۔ جذبِ الٰہی کے دو چار بال حاصل کر لے پھر قدرے مطمئن ہو جا۔

اللہ کی عنائت کی مجاہدے پر فوقیت کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ''عالم کی نیند بھی عبادت ہوتی ہے''۔ ظاہر ہے کہ عارف اور عالم کی عبادت، جاہل کی عبادت سے افضل ہے۔ لہٰذا عالم کا سونا جاہل کی عبادت سے افضل ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ عالم، دنیا اور آخرت کے نقصانات سے تنبیہ کرنے والا ہو۔ عالم سونے میں ساکن پڑا ہے اور غیر عالم عبادت میں ہاتھ پاؤں مار ہلا رہا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ماہر تیراک سکون سے پانی پر لیٹا تیر رہا ہے اور اناڑی ہاتھ پاؤں مار کر تیر رہا ہے۔ جس طرح تیراک کا سکون دوسرے کی حرکات سے افضل ہے اسی طرح عالم کی نیند کا سکون جاہل کی عبادت کی حرکت سے بہتر ہے۔ اُس کے سونے میں اتنا اخلاص اور صحیح نیت ہوگی کہ جاہل کی عبادت میں بھی نہ ہوگی۔ فضیلت کا مدار، نیت اور اخلاص پر ہے۔ علم ایک ناپید اکنار دریا ہے اور طالبِ علم اس میں سے موتی نکالتا ہے۔ علم کی وہ لذت ہے کہ طالب علم کی اُس سے کبھی سیری نہیں ہوتی ہے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں کہ کبھی اُن کا پیٹ نہیں بھرتا ہے۔ ایک طالبِ علم اور دوسرا دنیا کا طالب۔ علم سے یہاں مراد دین اور آخرت کا علم ہے اور دنیوی علم مراد لیے جائیں گے تو پھر تقسیم درست نہ رہے گی۔ اس لیے کہ طالب دنیا اور طالب علم دنیا ایک ہی چیز ہے۔ ایک سیر نہ ہونے والا دنیا اور اُس کی ترقیوں کا طالب ہے اور دوسرا

خشم و شہوت مَرد را اَحول کُند
غصہ اور شہوت انسان کو بھینگا بنا دیتے ہیں

ز استقامت رُوح را مُبدل کُند
(اور) رُوح کو سیدھے راہ سے پھیر دیتے ہیں

سیر نہ ہونے والا علم اور اُس کی تدبیروں کا طالب ہے۔ علم سے مراد علمِ آخرت ہے کیونکہ وہ علم دنیا میں مصروف نہ ہونے دے گا اور آخرت کا رہبر ہوگا۔ دنیا سے آخرت ہی میں جانا ہے تو دنیا کے سوا وہی جگہ ہے۔ تینوں شہزادے ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ تینوں شہزادوں کو ایک ہی بیماری تھی یعنی شاہ کی حسین لڑکی کے فراق میں مبتلا تھے۔ خاموش رہیں تو سب کو شہزادی کا تصور، بات کریں تو صرف شہزادی کی۔ کبھی تینوں رونے لگتے، کبھی آہیں بھرتے۔

سب سے بڑے بھائی (شہزادے) کی گفتگو

بڑے بھائی نے کہا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ تنگی ہو تو صبر کرنا چاہیے۔ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ ہمارے صبر کی کنجی اب کہاں گئی؟ کیا یہ قانون منسوخ ہو گیا ہے؟ ہم تو کہتے تھے کہ مصیبت کا وقت خندہ پیشانی سے گزارنا چاہیے۔ اِس طرح دل روشن ہوتا ہے لیکن جب ہماری باری آئی ہے تو ہم عورتوں کی طرح آنسو بہانے بیٹھ گئے ہیں۔ شہزادے نے اپنی زبان کو نصیحت کی کہ تُو دوسروں کو نصیحت کیا کرتی تھی اب کیوں خاموش ہے۔ اپنی عقل سے کہا کہ تُو بھی بہت نصیحتیں کرتی تھی اب کیوں خاموش ہے؟ سلطان محمود نے کہا تھا میں داڑھی ہلا دیتا ہوں تو لوگوں کی مصیبت ٹل جاتی ہے۔ پہلے تُو دوسروں کی داڑھی پر ہنسا کرتی تھی اب معلوم ہوا کہ وہ ہنسی تیری خود اپنی داڑھی پر تھی۔ دوسروں کو نصیحت کرتے وقت تُو اُن کو تنبیہ کرتی تھی۔ اب عورتوں کی طرح کیوں وائے وائے کر رہی ہے؟ دوسروں کے مرضوں کا علاج بتاتی تھی۔ اب اپنے مرض کے وقت کیوں چپ ہے؟ تُو سر بنتی تھی اب اپنے آپ کو دُم نہ بنا اور اپنی ہمت پر عمل کر، رنج نہ کر، طبیعت میں نشاط پیدا کر اور بازی جیت لے۔

بادشاہ اور فقیہہ کی حکایت

ایک بادشاہ محفلِ نشاط میں شراب نوشی کر رہا تھا۔ دروازے کے سامنے سے ایک فقیہہ گزرا۔ بادشاہ نے مصاحبوں سے کہا کہ اُسے پکڑ لاؤ اور شراب پلاؤ۔ ساقی نے اُسے شراب پیش کی تو اُس نے بادشاہ اور ساقی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کہنے لگا: میں نے ساری عمر شراب نہیں پی۔ مجھے زہر دے، وہ اِس شراب سے اچھا ہے تاکہ میں نجات پا جاؤں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے وہ فقیہہ سب کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔ شراب پینے والوں سے نہ پینے والے جس طرح اعراض کرتے ہیں، اسی طرح شرابِ معرفت پینے والوں پر بھی لوگ انقباض کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے اُس مستی کو چکھا نہیں ہوتا۔ اللہ اپنے کچھ بندوں کو یہ شراب پلاتا رہتا ہے۔ یہ لوگ اُس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے ہیں کیونکہ اُن کی کوتاہ نظر اِس حقیقت تک نہیں پہنچتی۔ اگر اُن کے کان سے حلق تک راہ ہوتی تو اس کلام کی حقیقت اُن کے دل پر اثر

نارِ بیرونی بآبے بفسرد بیرونی آگ پانی سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے	نارِ شہوت تا بدوزخ می برد شہوت کی آگ جہنم تک لے جاتی ہے

کرتی۔ اُن کے دل میں شہوت کی آگ ہے اور آگ تک تو بادام کے چھلکے ہی پہنچتے ہیں۔ کلام کا مغز باہر ہی رہ جاتا ہے۔ معدے میں صرف چھلکے ہی پہنچیں تو اُن سے کوئی قوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ آگ میں صرف چھلکے پھینکے جاتے ہیں اس لیے جہنم میں وہی لوگ جائیں گے جو مغزِ حقیقت سے خالی ہوں گے۔ اگر مومنین جہنم میں جائیں گے تو وہ پختہ کرنے کے لیے بھیجے جائیں گے اور اس سے اُن کی معصیتوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے حکمت والا ہے اور یہ قاعدہ جاری رہے گا کہ وہ مغز کو جہنم میں نہ جلائے گا۔ مغز والے تو اس قدر بہتر ہوں گے کہ اُن کی شفاعت سے چھلکوں والے بھی بخشے جائیں گے۔ اگر عنایتِ خداوندی اور جذبِ الٰہی اعراض کرنے والے کی سرکوبی کر دے تو اُس کو شراب کی خواہش پیدا ہو جائے گی، جس طرح اس فقیہہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ اگر عنایتِ خداوندی سرکوبی نہ کرے تو اُس فقیہہ کی طرح اِن بادشاہوں کی شراب سے محروم رہے گا۔ شاہ نے ساقی سے کہا کہ اس فقیہہ کے مزاج ٹھکانے لگا دے یعنی اُسے شراب دے۔ جس طرح ساقی نے فقیہہ کے مزاج ٹھکانے لگا دیے اسی طرح ہر عقل پر ایک پوشیدہ ذات حاکم ہے جو عقل کو خودی سے بے خود کر دیتی ہے۔ اس ذات کے قبضے میں پوری کائنات ہے۔ آسمان اُس کے معمولی حکم کا پابند ہے۔ اگر کسی کی عقل میں تابع کر لینے کی قوت ہے تو وہ اُسی کی عطا کردہ ہے۔

ساقی نے اُس فقیہہ کو چند چپت لگائے تو اُس کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ کائنات میں ہر عاشق کا اپنے معشوق کے ساتھ یہی طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے میں جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں مرد اور عورت کے حقوق کا تذکرہ بطورِ مثال کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ جوڑ مرد اور عورت ہی کا نہیں ہے بلکہ سب اشیاء کا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ شوہر اگر عورت کو طلاق دے دے اور جدا بھی کرے تو بُری طرح نہ کرے۔ اُسے خوبی سے جدا کرے۔ جس طرح مرد اور عورت کے حقوق ہیں، اسی طرح انسان پر زنِ دنیا کے بھی حقوق ہیں۔ یہ بھی عورت کی طرح اللہ نے بطورِ امانت انسان کے ہاتھ میں دی ہے۔ فقیہہ جوان تھا۔ شراب نے اُسے مست بنا دیا۔ اُس نے اپنے زُہد و تقویٰ کو رخصت کر دیا۔ پیشاب کرنے گیا تو وہاں اُسے شاہ کی لونڈی ملی۔ وہ اُس سے چپٹ گیا۔ شہوت کی آگ لونڈی کی روئی میں بھی لگ گئی۔ دونوں نے اپنی مراد حاصل کر لی۔ فقیہہ لونڈی کے پاس سے مجلس میں آیا اور جام اُس کے ہاتھ میں تھا۔

بادشاہ دوزخ کی طرح بھڑک اُٹھا اور دونوں بدکاروں کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ فقیہہ نے شاہ کو غصہ کی حالت میں دیکھا تو فوراً زور سے ساقی سے کہا کہ سُست کیوں بیٹھا ہے' بادشاہ کو جام دے اور اس کو نشاط پر لا۔ یہ وہی جملہ ہے

نارِ شہوت را چہ چارہ نورِ دیں
(شہوت کی آگ کا کیا علاج ہے دین کا نور علاج ہے)

نُورُکُمْ اِطْفَاءُ نَارِ الْکَافِرِیْن
(جس طرح تمہارا نورِ ایمان کافروں کی آگ بجھا دیتا ہے)

جو شاہ نے فقیہہ کی ناگواری کے وقت کہا تھا۔ بادشاہ کو ہنسی آ گئی اور وہ لونڈی اُسے بخش دی۔ کہنے لگا: میں بادشاہ ہوں میرا کام انصاف اور عطا ہے۔ میں خود بھی وہی کھاتا ہوں جو دوسروں کو کھلاتا ہوں۔ جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں دوست کے لیے بھی ناپسند کرتا ہوں۔ آنحضور ﷺ کا غلاموں کے بارے میں یہی فرمان ہے کہ جس قسم کا تم پہنو اُسی طرح کا اُن کو پہناؤ، جس طرح کا خود کھاؤ اُسی طرح کا اُنہیں بھی کھلاؤ۔ بادشاہ کی اجازت سے فقیہہ لونڈی کو لے کر روانہ ہو گیا۔

بڑے بھائی نے اپنے آپ سے کہا کہ تُو دوسروں کو صبر دلاتا تھا اب خود صبر کر۔ اپنی مردانگی سے اپنا مزاج ٹھکانے کر اور عقلِ صبر اندیش کو رہنما بنا لے۔ صبر کی رہنمائی ہوگی تو عرش و کرسی کی بلندی حاصل ہوگی۔ حضور ﷺ نے کفار کی ایذا رسانی پر صبر کیا تو بُراق پر بیٹھ کر آسمانوں کے طبقوں کے اوپر پہنچے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر مشہور ہے۔ صبر ہر کشادگی کی کنجی ہے۔ تُو عجلت میں کیوں پڑا ہے؟ پھر شہزادوں کا قصہ شروع کرتے ہیں۔

شہزادوں کا چین کی طرف روانہ ہونا اور وصل کے مفہوم کو سمجھنا

تینوں شہزادے چین کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ محبوبہ کے قریب تر ہو سکیں۔ اگر محبوبہ کا وصل نہ بھی ہو تب بھی جتنا قریب ہو جائے بہتر ہے۔ شہزادوں کی صبر کی تلقین دھری رہ گئی اور فوراً روانہ ہو گئے۔ اُنہوں نے عشق کو ترجیح دی اور چُھپے ہوئے محبوب کی راہ اختیار کر لی۔ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اپنے آپ کو فقیر بنا لیا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بخوشی اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا یا جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو قربانی دینے کے لیے آمادہ پایا۔

امرؤ القیس بادشاہ کی حکایت

امرؤ القیس جو کہ ایک حسین اور باکمال شاعر تھا۔ اُسے بھی عشق نے خطۂ عرب سے کھینچا۔ جب اُس پر عشق کا اثر ہوا تو ہر چیز سے اُس کا دل سرد ہو گیا۔ جب اللہ کے عشق نے غلبہ کیا تو اپنا وطن چھوڑ کر تبوک آیا اور وہاں اینٹیں پاتھنے لگا۔ لوگوں نے شاہِ تبوک سے ذکر کیا کہ امرؤ القیس بادشاہ یہاں گدا بن کر آ گیا ہے اور عشق کا شکار بن گیا ہے۔ تبوک کا بادشاہ رات کے وقت اُس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ تُو یوسفِ دوراں ہے۔ تُو بادشاہ ہے، عورتیں تیرے حُسن کی باندیاں ہیں۔ اگر تُو میرے پاس مقیم ہو جائے تو میری خوش نصیبی ہوگی۔ شاہ تبوک نے اُس سے بہت سی دانائی کی باتیں کیں لیکن وہ خاموش رہا اور پھر اُس نے اپنے سر سے نقاب ہٹایا۔ نہ معلوم اُس نے تبوک کے بادشاہ سے عشق و درد کی کیا باتیں کیں کہ اُسے بھی اپنے جیسا بنا لیا۔ اُس نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُس کا ساتھی بن گیا اور اُسے بھی شاہی تخت اور پٹکے سے بیزاری ہو گئی۔ دونوں

میل اندر مرد و زن حق زاں نہاد　　تا بقا یابد جہاں زیں اتحاد

عورت اور مرد میں اللہ نے اِسلئے میلان کھا ہے　　تاکہ اس اتحاد سے جہان باقی رہے

بادشاہ دُور دراز ملکوں کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ عشق سے یہ کرامت پہلی بار صادر نہیں ہوئی یہ کام وہ سینکڑوں بار کر چکا ہے۔

عشق وہ وزن ہے کہ جس کے رکھنے سے کشتی غرق ہو جاتی ہے۔ امرؤالقیس اور شاہ تبوک کے علاوہ بہت سے بادشاہوں کو عشق نے خانہ ویران کیا ہے۔ کیخسرو توران کا بادشاہ تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اپنے فرزند لہراسپ کو تخت پر بٹھا کر یادِ الٰہی میں جنگلوں میں نکل گیا اور لاپتہ ہوگیا۔ تینوں شہزادے چین میں پہنچ کر مارے مارے پھرتے تھے اور اپنے عشق کا راز بھی خطرناک ہونے کی وجہ سے کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ جب عشق میں معشوق یا اُس کے سرپرستوں کے غصّے کی وجہ سے غضبنا کی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر عاشقوں کے سرکوزیوں کے مول کے ہوتے ہیں۔ معشوق کے ناز، عاشقوں کو قتل کرتے ہیں تو سمجھو کہ غصہ کی حالت میں کیا کچھ ہوتا ہوگا۔ عاشق ہر وقت ہر حال میں محبوب پر قربان ہونے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ فراق کی ہزاروں زندگیوں سے مرجانے کو بہتر سمجھتا ہے۔ عشق کی غلامی پر سینکڑوں سلطنتیں قربان کر دیتا ہے۔

چونکہ راز کے ظاہر ہونے میں خطرہ تھا اس لیے تینوں شہزادوں نے باہمی بات چیت کے لیے کچھ اصطلاحیں بنالی تھیں۔ اُن کے راز کا سوائے خدا کے کوئی محرم نہ تھا اور اُن کی آہ کا سوائے آسمان کے کوئی گواہ نہ تھا۔ جب وہ آپس میں دردِ عشق کی باتیں کرتے تو اصطلاحوں میں کرتے۔ کچھ دنیا کے لوگ بھی اس راہ (طریقت) کی اصطلاحیں سیکھ لیتے ہیں۔ اُن کے حقیقی معنٰی سے بے خبر ہوتے ہیں اور ان الفاظ کو اپنی شان و شوکت بڑھانے کے لیے کام میں لاتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی پرندوں کی محض بولی سُن لے اور جو اُن کا مقصد ہے اُس کو نہ سمجھ سکے۔ پرندوں کی بولی کو حضرت سلیمان علیہ السلام ہی سمجھ سکتے تھے۔ اِسی طرح عارف کا کلام عارفین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ صخر نامی دیو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر قبضہ بھی کرلیا اور اُن کی سی صورت بھی بنالی تو وہ اُس منطق الطیر کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔

عارفین تو علمِ لدُنی کے ذریعے ہی یہ علوم حاصل کرتے ہیں۔ عارفوں کی رُوحوں کا مقام عرش سے بھی بالا ہے۔ ہر خیال کے لیے آسان نہیں ہے کہ وہ اُن کے مقام اور اِستفاضہ کو دیکھ سکے۔ جو عارفین اس مقام اور استفاضہ کا مُشاہدہ کرتے ہیں وہ ہمہ وقت نہیں کرتے بلکہ کچھ احوال میں مُشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر اُن کو فراق حاصل ہو جاتا ہے۔ اُن کی یہ جدائی قطع تعلق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جسم سے تعلق کی بنا پر ہے اور اس میں خدائی مصلحت ہے۔ اس لیے کہ اس استفاضہ کے لیے جسم کا بقا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا مُشاہدہ منقطع کر دیا جاتا ہے اور تجلیات کا سورج اَبر میں غائب ہو جاتا

مَیلِ ہر جُزوے بجُزوے ہم نہد اِسی طرح ہر جز و کی دوسرے جز و کیلئے کشش ہے	زِ اِتّحادِ ہر دو تولیدے جہد تاکہ ہر دو کے ملنے سے جہان کی رونق ہو

ہے۔ چونکہ جسم کو بھی قائم رکھنا ہے لہٰذا تجلیات اس رُوحی جسم سے مخفی ہو جاتی ہیں تا کہ بدن کے برف کو سورج کی تجلیات بالکل نہ پگھلا دیں۔ عارفین سے اپنی رُوح کی اصلاح کرالو۔ اُن کی اصطلاحوں کو چرا کر استعمال نہ کرو۔

زلیخا نے راز داری کے لیے مختلف اصطلاحیں بنا رکھی تھیں سپند اور عُود بول کر حضرت یوسف علیہ السلام مراد لیتی تھی۔ جو اُس کے ہمراز تھے وہ ان لفظوں سے حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق بات سمجھ جاتے تھے۔ اگر وہ کہتی کہ موم آگ سے گرم ہو گیا تو اُس کا مطلب ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مہربان ہو گئے۔ اگر وہ کہتی کہ دیکھو چاند نکل آیا تو مطلب ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام آ گئے۔ اگر کہتی کہ بید کی شاخ سبز ہو گئی تو مطلب ہوتا کہ وصل کی اُمید ہری ہو گئی۔ درد کے اچھا ہونے کا مطلب ہوتا کہ وصل کی جھلک نظر آئی ہے۔ جو راز دان تھے وہ مطلب سمجھ جاتے تھے۔ یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ راز دانوں میں غیر بھی ملے ہوئے تھے۔ لاکھوں اصطلاحوں سے اُن کا مطلب حضرت یوسف علیہ السلام ہوتے۔ وہ اُن کا تذکرہ کرتی تو وہ اُس کے لیے غذا کا کام کرتے۔ اِس طرح وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر سے اپنی پیاس بجھاتی تھی اور اُن کا ذکر اُس کے لیے شربت بن جاتا تھا۔ اُن کا ذکر اُس کے درد کا علاج تھا۔ جاڑوں میں اُن کے ذکر سے بدن میں حرارت پیدا ہوتی۔

خواص لوگ اللہ کے ذکر سے یہی فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن عوام کے ذکر میں چونکہ عشق شامل نہیں ہے لہٰذا ذکر کی وہ تاثیرات بھی نہیں ہیں۔ خدا کا نام عشق کے ساتھ تو اثر کرتا ہے ہی لیکن فنا کے مقام پر پہنچنے کے بعد خود فانی کا نام بھی یہی اثر کرتا ہے جو خدا کا نام اثر کرتا ہے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قُمْ بِاِذْنِیْ کہنا وہی معنی اور اثر رکھتا ہے جو قُمْ بِاِذْنِ اللہ کا تھا۔ جب فانی کی جان ذاتِ باری سے متصل ہو گئی تو اُس جان کا ذکر کرنا خدا کا ذکر کرنا ہے اور خدا کا ذکر کرنا اُس جان کا ذکر کرنا ہے۔ فانی اب اپنی ذات سے خالی ہے اور اللہ سے پُر ہے تو پیالے میں سے وہی ٹپکے گا جو پیالے میں ہے۔ اب اُس فانی کے طبعی افعال بھی حضرتِ حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کے مخبر ہوں گے۔ اُن کا ہنسنا وصل کی وجہ سے ہو گا اور اُن کا رونا فراق کی وجہ سے ہو گا۔

عام انسانوں کے دلوں میں سینکڑوں مرادیں ہوتی ہیں اور یہ عشق کا مذہب نہیں ہے۔ عاشق کے دل میں صرف معشوق کے حصول کی مراد ہوتی ہے۔ عاشق کے لیے تو ہر چیز میں معشوق کی جھلک نظر آتی ہے۔ سورج میں بھی وہ معشوق کی جھلک دیکھتا ہے اور اپنا فانی نور نہیں سمجھتا ہے بلکہ اُس کو صرف نورِ حق کا مظہر سمجھتا ہے۔ جو سورج کو اپنا ذاتی نور سمجھے وہ سورج کا پجاری ہے، اُس سے تعلق توڑ لے۔ عاشق کا تو سبھی کچھ معشوق ہے۔ اُس کا دن بھی وہی ہے، خوراک بھی وہی

غالب آید سخت بر صاحب دلاں	گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلاں
اور صاحب دلوں پر بہت غالب ہے	پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت عقلمندوں

ہے دل بھی وہی ہے اور دل سوزی بھی وہی ہے۔ مچھلی کو سب کچھ پانی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کے عاشق کو بھی سب کچھ عین ذات سے حاصل ہوتا ہے، خواہ خوراک ہو یا پوشاک۔ عاشق، معشوق کے سوا کسی سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ شیر خوار بچہ صرف دودھ کو جانتا ہے۔ بچہ دودھ کو فی الجملہ جانتا ہے، اُس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔ یہی حال عارف کا ہے کہ وہ ذاتِ خداوندی کا عاشق ہے لیکن اُس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

عوام عارف کے اس علم سے بھی محروم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدنی تعلق نے اُن کی رُوح کو محروم کر دیا ہے۔ وہ تعویذ جو کسی بھاگے ہوئے کے لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ وطن واپس لوٹ آئے، سے مراد بدنی تعلق ہے کہ اُس کا بدن لوٹ آئے۔ اب اُس کی رُوح، حق تعالیٰ اور مخلوق جو کہ فاتح اور مفتوح ہیں میں امتیاز نہیں کرتی ہے۔ عام انسانوں کی یہ حالت سلوک سے پہلے ہوتی ہے۔ جب وہ راہِ سلوک اختیار کر لیتا ہے تو اُس کی یہ حالت نہیں رہتی۔ اُس کے تعلقاتِ بدنی ختم تو نہیں ہوتے لیکن اب دریائے حقیقت اُس کا حامل بن جاتا ہے۔ سالک جب حقیقت کو تلاش کرتا ہے تو خود گم ہو جاتا ہے جیسے دریا کا بہاؤ سمندر میں جا کر گم ہو جاتا ہے۔ بیج جب گم ہو جاتا ہے تو انجیر بن کر رونما ہو جاتا ہے۔ صدرِ جہاں کا مقولہ "تا نمردی" کا یہی مطلب ہے۔

بڑے بھائی نے کہا کہ یا تو میرے قدم مجھے مقصود تک پہنچا دیں گے ورنہ دل کی طرح سر وہیں قربان کر دوں گا۔ اے ملامت گر! تیری عاشق کو نصیحت بے کار ہے۔ جب کہ عاشق کو خدا نے گمراہ کیا ہے تو اُس کو راہِ راست پر کیسے لایا جا سکتا ہے۔ بڑے بھائی نے دونوں چھوٹوں سے کہا: میں اب صبر کی وجہ سے جاں بلب ہوں۔ اب موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ موت آتشِ فراق سے بہتر ہے۔ اب بے شک میرا سر قلم ہو جائے میں فنا کے بعد بقا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں معنوی زندگی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہری زندگی میرے لیے ذلت ہے۔ شہید گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ جسمانی علائق سے جدا ہو کر رُوح مزید منور ہو جاتی ہے۔ میں بار بار یہ کہہ رہا ہوں کہ میری موت میں میری زندگی ہے۔ مرغابی پانی کے طوفان سے نہیں ڈرتی۔ جب عشق میں میری زندگی ہے تو میں عشق کے دعوے سے کیسے خاموشی اختیار کروں۔ یہ میری استغراقی کیفیت ہے، لوگ اسے نیند کہتے ہیں لیکن یہ نیند نہیں ہے۔ آتشِ عشق اگر جسم کے خرمن کو فنا کر دے تو کوئی پرواہ نہیں۔ خرمنِ جسم کے بغیر خرمنِ محبوب اُس کے لیے کافی ہے۔

بھائی بولے: اپنے آپ کو خطرات سے بے خبر نہ بنا۔ ایک تو ہم بھی عشق میں مبتلا ہیں۔ اب تمہاری جدائی مزید ہوگی۔ خطرناک راستہ کسی تجربہ کار کی تدبیر سے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ اگر انسان کی عقل کامل نہ ہو تو کسی رہبر کی عقل کو

بازِ بر زن جاہلاں چیرہ شوند	زاں کہ ایشاں تند و بس خیرہ رَوند
پھر جاہل لوگ عورت پر غالب ہو جاتے ہیں	کیونکہ وہ بد مزاجی اور اکھڑپن سے چلتے ہیں

رہنما بنالے۔ یا تو انسان خود مکمل ہو ورنہ کسی مکمل کی تلاش کرے۔ عقل و نظر کے بغیر اس راہِ سلوک کا دروازہ کھٹکھٹانا دین نہ ہوگا بلکہ نفسانی خواہش ہوگی۔ خواہشِ نفس اور دوا کے ہمرنگ زخموں کی وجہ سے ایک عالم جال میں پھنسا ہوا ہے۔ نفس کی مکاریوں کی ایک مثال تو یہ ہے کہ یہ وہ سانپ ہے جو سینے میں موت کی طرح منہ میں کوئی پتہ دبائے کھڑا ہے۔ وہ گھاس میں گھاس کی شاخ کی طرح کھڑا ہے۔ پرندہ یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی شاخ ہے، اُس کے پاس آ بیٹھتا ہے اور موت کے منہ میں چلا جاتا ہے یا جیسے مگرمچھ منہ کھولے ہوئے ہو اور اُس کے دانتوں میں لمبے لمبے کیڑے ہوں۔ پرندہ اُن کیڑوں کو اپنی خوراک سمجھ کر اُن پر آ جائے اور مگرمچھ منہ بند کر لے۔ اِس نُقل و نان سے بھری دنیا کو اسی طرح کا مگرمچھ سمجھو۔

حیوان اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے اِس طرح کے لاکھوں مکر کرتے ہیں تو انسان کے مکروں کا اندازہ خود لگالو۔ انسان کا مکر یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ میں قرآن اور آستین میں زہر میں بجھا ہوا خنجر ہوتا ہے۔ زبانی تو تجھے مولا و آقا کہے گا لیکن دل میں تیری عداوت بھری ہوگی۔ اُن کی باتیں زہرِ قاتل ہیں، بظاہر شہد اور دودھ نظر آتی ہیں۔ جب نفس کی یہ دھوکے بازی ہے تو یاد رکھ! راہِ سلوک بغیر پیر کے اختیار نہ کر۔ نفس کی ساری لذتیں مکر اور دھوکا ہیں۔ اُن میں بجلی کی سی کوند ہوتی ہے اور چمک ہوتی ہے لیکن اُس کے چاروں طرف اندھیرا ہوتا ہے۔ چونکہ تُو نفس کے دھوکے میں مبتلا ہے اور ناپائیدار روشنی حاصل کرنا چاہتا ہے اس لیے کاملین تجھ سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔ تُو خود رہبرِ کامل کو حاصل نہیں کرتا اور اگر وہ کامل ازراہِ کرم تجھ پر نظر کر کے تجھے نصیحت کرتا ہے تو اُس سے روگردانی کرتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ میں نے کافی سفر کرلیا ہے اور یہ کامل مجھے بھٹکا رہا ہے۔ اگر میں اُس کی باتوں پر عمل کروں گا تو ازسرِ نو سفر شروع کرنا ہوگا۔

کامل تجھے کہتا ہے کہ یہ تیرا محض خیال ہے کہ تُو نے راستہ طے کرلیا ہے۔ تُو وحی کی روشنی میں تھوڑا سا سفر کر لے۔ منزل پر پہنچ جائے گا۔ تُو نے محض اپنے گمان سے راستہ طے کیا ہے اور حق کے معاملے میں گمان کچھ اتنا مفید نہیں ہوتا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہماری بات پر عمل کرلے یا اپنی بات پر ہم سے مشورہ کرلیا کر۔ وہ کہتا ہے کہ اب میں خود مستقل پیر ہوں اور کسی کا طفیلی بننا نہیں چاہتا۔ یاد رکھ! اندھا بن کر کسی کے ساتھ سفر کرنا اکیلے سفر کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ رہبر کے ساتھ اندھا دھند چلنے میں تو اتباع کی ذلّت ہے اور تنہا چلنے میں دنیا اور آخرت کی سینکڑوں ذلتیں ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مچھر سے ڈر کر اژدھے کے منہ میں چلا جائے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی لڑکا باپ کی نصیحت سے بھاگ کر اوباشوں میں جا پھنسے۔

حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام سے کھیل کود کے شوق میں جدا ہوئے نتیجتاً کنویں میں جا گرے۔ تُو بھی

کم بُوَد شاں رِقّت و لطف و وِداد	زاں کہ حیوانی ست غالب بر نہاد
اُن میں نرمی، مہربانی اور محبت کم ہوتی ہے	کیونکہ اُن کی طبیعت پر حیوانیت غالب ہے

کنویں میں گرے گا۔ فرق یہ ہے کہ اُن کی تو خدا کی مہربانی نے دست گیری کی لیکن تیرے لیے وہ عنائت کہاں ہے۔ پھر فرق یہ ہے کہ اُن کی مُربی سے دُوری خود مُربی کی اجازت سے تھی ورنہ اُن کی دستگیری نہ ہوتی۔ جو ناقص انسان مُربی سے سرکشی کرے گا۔ اُس کا حال یہود کا سا ہوگا، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سرکشی کی۔ ناقص میں بھی صلاحیت ہوتی ہے لیکن مُربی سے اِعراض کرنے کی وجہ سے وہ بھی اُسے برباد کردیتا ہے۔ مُربی ناقص سے کہتا ہے کہ میرا اتباع کرلے، اِس اندھے پن کا سُرمہ میرے پاس ہے۔ اگر تُو اندھا ہے تو تجھے میرے پاس سے بینائی حاصل ہو جائے گی اور تُو یوسف علیہ السلام کی قمیص حاصل کرلے گا جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی تھی۔ خدا کرے کہ تجھے پیر کا اتباع نصیب ہو۔ پیر سے مراد عمر کا بوڑھا نہیں بلکہ راہِ سلوک کا پیر مراد ہے۔ جب تُو اتباع کرلے گا تو فوراً اُس کی روشنی نظر آجائے گی۔

راہِ سلوک میں منزل تک پہنچنے کی شرط اپنے آپ کو پیر کے سپرد کردینا ہے۔ بغیر پیر کے تیری یہ بھاگ دوڑ تجھے منزل سے دُور کردے گی۔ جس طرح تیر کمان کے بغیر پرواز نہیں کرتا اسی طرح مرید بھی شیخ کے بغیر پرواز نہیں کرسکتا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے عروج کا ذریعہ نہ بنایا بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس کو بنایا اور مردود قرار پایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر تُو میری اتباع کرے گا تو عروج حاصل کرلے گا یعنی تجھے میرا تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے گا۔ دل مشرق و مغرب کی سیر بغیر سواری کے کرلیتا ہے۔ اسی طرح عارف بغیر اسبابِ ظاہری کے ملکوت کی سیر کرلیتا ہے۔ وہ مراقبے کے ذریعے عالمِ غیب کی خبریں دے دیتے ہیں۔ یہ خبریں تواتر کا درجہ رکھتی ہیں اس لیے ان کا یقین ہو جاتا ہے۔ تمام اولیاء رحمہم اللہ وانبیاء علیہم السلام اپنی غیب کی خبروں میں متفق ہیں۔ یہ خبریں اٹکل سے نہیں دی جاتیں بلکہ مُشاہدہ کے بعد دی جاتی ہیں۔ لہٰذا انسان کو نمرود نہ بننا چاہیے بلکہ نیک نفوس کے ذریعے پرواز کرنی چاہیے۔ عقلِ ناقص گدھ ہے اُس کی پرواز مُردار ہی کی جانب ہوتی ہے۔ عارفین کی عقل کامل ہے اور اُس کی پرواز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے فرمایا کہ میری اتباع تیرے لیے نفس کی اتباع سے بہتر ہے۔ اندھا دھند گھوڑا دوڑانے سے کہاں پہنچو گے۔

چھوٹے بھائیوں نے بڑے بھائی سے کہا کہ کسی عقل مند سے مشورہ کرلے۔ سب چینی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بادشاہ کے کوئی اولاد ہی نہیں ہے۔ اُس کی تو کسی عورت سے صحبت ہی نہیں ہوئی۔ اگر کسی نے اُس کے ہاں شادی کا پیغام دیا ہے تو اُس کی گردن کٹی ہے۔ وہ مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے ثابت کر کہ میرے ہاں اولاد ہے، اگر تُو ثابت کردے گا کہ

مِہر و رِقّت وصفِ انسانی بود — خشم و شہوت وصفِ حیوانی بود

محبت اور نرمی انسانی وصف ہوتا ہے — غصّہ اور شہوت حیوانی وصف ہوتا ہے

میرے کوئی لڑکی ہے تو میری تلوار سے بچ سکے گا۔ جان ایک صوفی اور جسم اُس کی گدڑی ہے۔ بادشاہ کہتا ہے کہ اب جبکہ تُو نے یہ جھوٹ بولا ہے جب تک تُو اس کا ثبوت نہ دے گا تیری جان نہ بچے گی اور وہ کہہ دیتا ہے کہ اس خندق کو جا کر دیکھ لے جس میں اس طرح کی بات کہنے والوں کے سر کٹے ہوئے پڑے ہیں۔ سب نے یہی بات کہی تو قتل ہوئے، تم ایسی بات نہ کہنا۔ اُن سروں سے عبرت حاصل کر۔ اگر راستہ سے ناواقف سو سال بھی چلے تو اس کا چلنا صحیح راستہ کے حساب میں نہیں لگتا ہے۔ کسی عقلمند کے مشورے کے بغیر یہ کام کرنا ایسا ہی ہے کہ بغیر اسلحہ کے میدانِ جنگ میں جانا۔

وہ بولا: مجھے نہ سمجھاؤ، میرے سینے میں صبر کی بجائے عشق کی آگ لگی ہوئی ہے۔ جس وقت عشق پیدا ہوا صبر مر گیا۔ میں اب حوادث کے لیے آمادہ ہوں۔ میرا سر کٹ جائے مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے۔ میں اپنے عشق کو مخفی نہیں رکھ سکتا۔ محبوب کا دیدار میسر نہ آئے تو آنکھ کا اندھا ہو جانا بہتر ہے۔ وہ کان جو محبوب کا راز نہ سُن سکے وہ سر کے لیے باعثِ ننگ ہے۔ جس طرح مجاز میں یہ ہے کہ انسان کوشش جاری رکھے۔ اسی طرح حقیقت کے طالب کا بھی فرض ہے کہ مجاہدہ جاری رکھے خواہ اُسے محسوس ہو کہ یہ مجاہدہ حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ انسان کا کام کوشش کرنا ہے، نتیجہ اُس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ انسان کسی ایک سبب سے کوشش کرتا ہے اللہ کسی دوسرے سبب سے اُس کا مطلوب پورا فرما دیتا ہے۔ انسان کا کام تدبیر کرنا ہے، مقدرات تو اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری سعی پر مقصد کا حصول موقوف ہو اور مقصد کسی دوسرے ذریعے سے حاصل ہو جائے۔ مقصود سے مراد اللہ تعالیٰ کی معیت ہے۔ میں اپنے محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہوں گا جب تک وہ مل نہ جائے۔

قرآن میں ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ "اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔" اللہ نے یہ تو فرما دیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن دل پر مُہر لگا دی ہے تاکہ محض اُس کا مفہوم تو سمجھ میں آ جائے لیکن ذوقی معیت بغیر مجاہدے کے سمجھ میں نہ آ سکے۔ جب انسان رُوحانی سفر یعنی مجاہدہ کرتا ہے تو اُس معیتِ خداوندی کی جامع مانع تعریف حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی ذوقی حقیقت کھل جاتی ہے۔ مجاہدہ کرنے والے میں دو غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اُن کا اندازہ مقصود حاصل ہو جانے کے بعد محسوس ہوتا ہے۔ وہ معیت کے حصول کا سبب بن جاتی ہیں۔ ایک غلطی یہ کہ مجاہدہ کرنے والا سمجھتا تھا کہ مجھے معیت حاصل نہیں ہے اور دوسری غلطی یہ تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ معیت مجاہدے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب وہ معیت خود اُس کو اُس کی فطرت سے اُسے حاصل ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے کہ میں خود اُس کو تلاش کرتا پھرا۔ اُس مجاہدے پر معیت کا علم موقوف تھا۔ محض فکر کی تیزی سے یہ ذوقی معرفت و علم حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اُس معیت کی ذوق کے اعتبار

راست فرمودست با ما مصطفےٰ
ہم سے مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے درست فرمایا ہے

قطب و شاہنشاہ و دریائے صفا
جو کہ قطب اور شاہ اور صفا کے دریا ہیں

سے مجاہدوں کے ذریعے حصول کی مثال شیخ کا قرض ہے جس کی ادائیگی حلوائی کے بچے کے رونے پر موقوف تھی۔ ظاہر ہے قرض کے ادا ہونے اور بچے کے رونے میں کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح اُس معیت کا حصول اور مجاہدے میں کوئی خاص تعلق نہیں۔ مجاہدہ اُس کے حصول میں صرف ایک بہانہ ہے۔ شیخ کے قرض کی ادائیگی کا قصہ دفتر دوم میں تھا۔

رحمتِ حق بہا نمی جوید
رحمتِ حق بہانہ می جوید

"اللہ کا رحمت کرنا زیادہ کچھ کرنے پر منحصر نہیں ہے۔ وہ تو رحمت کرنے کے بہانے کی تلاش میں رہتا ہے"۔

اسباب کی سببیّت محض خدائی دین ہے۔ انسان جس کو سبب سمجھتا ہے اللہ اُس میں سے سببیّت کو سلب کر لیتا ہے اور بسا اوقات نفع کے سبب کو نقصان کا سبب بنا دیتا ہے۔ جس جگہ سے نفع کا لالچ ہو وہ خوف کی جگہ بن جاتی ہے۔ جس کو تُو نفع کا ذریعہ سمجھتا تھا اُس سے تیری طمع اِس لیے وابستہ ہوئی کہ وہ دوسرے سبب سے تیری اُس طمع کو پورا کر دے گا۔ انسان ایک خاص درخت کے میوے کی طمع کرتا ہے۔ وہ وہاں سے اُسے حاصل نہیں ہوتا۔ خدا دوسری جگہ سے اُس کو عطا کر دیتا ہے۔ جس سبب سے تیری طمع پوری نہیں ہوئی اُس سے طمع کو وابستہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تُو حیرانی میں مبتلا ہو کر اسباب کو غیر مؤثر سمجھنے لگے اور یہ سمجھے کہ "ما در چہ خیالم و فلک در چہ خیال است" (ہم کس خیال میں ہیں اور آسمان کیا سوچ رہا ہے) تاکہ تُو یہ سمجھ لے کہ انسان باوجود اسباب کے میسر آ جانے کے عاجز ہے اور مؤثرِ حقیقی تو کوئی دوسری ذات ہے۔

ایک سبب کو غیر مؤثر بنا کر کسی دوسری چیز کو سبب بنا دینے میں انسان پر حیرانی طاری ہوتی ہے جو ایک خاص تجلی ہے۔ انسان اپنے لیے درزی پن کو روزی کا سبب سمجھتا ہے لیکن اُس کا رزق سُنار پن میں مقدر ہوتا ہے اور وہاں سے اُسے ملتا ہے۔ انسان کو اُس سبب کی طرف متوجہ کرنے میں جس سے روزی حاصل ہو گی کچھ حکمتیں پوشیدہ ہیں جو اللہ کے علم میں ہیں۔ یہ حکمت بھی ہے کہ انسان اسباب پر پورا بھروسہ نہ کرے اور حیرانی کی کیفیت اُس پر طاری رہے۔ شہزادے نے یہی کہا کہ میں اِس طریقے کو وصال کا سبب نہیں سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طریقے سے وصل ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی اور ذریعہ پیدا فرما دے۔ میں تو حیران اور مضطر ہوں کہ دیکھیے کس راستے سے مقصد فتح یاب ہوتا ہے۔ ذبح شدہ پرندہ اپنی جان جسم سے نکالنے کے لیے مختلف اطراف میں گرتا ہے کہ نہ معلوم کون سے رُخ سے گرنا سبب بنتا ہے۔

کانچہ جاہل دید خواہد عاقبت
کہ جو کچھ جاہل بعد میں دیکھتا ہے

مصر اور بغداد کے خزانہ چھپنے والے دو اشخاص

ایک میراث پانے والے کے پاس بیشمار مال تھا جسے وہ کھا گیا اور غریب ہو گیا۔ ورثہ کا مال وفادار نہیں ہوتا۔ اُس میں اگر وفاداری ہوتی تو مرنے والے سے کیوں جدا ہوتا۔ وارث کو بھی ورثہ میں ملے ہوئے مال کی قدر نہیں ہوتی کیونکہ اُس کو حاصل کرنے میں کوئی محنت نہیں اُٹھانی پڑتی ہے۔ انسان کو رُوح بھی چونکہ بلا محنت حاصل ہوئی ہے اس لیے وہ اُس کی قدر نہیں کرتا۔ وارث نے اپنی اُس حالت میں دُعا کرنی شروع کی کہ اے خدا! مجھے مال یا موت دے دے کیونکہ اکثر انسان غربت میں ہی اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''انسان کی مثال بانسری کی سی ہے کہ جب کھوکھلی ہو تو اُس میں نالہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر بانسری کا سوراخ بھر جائے تو گویا اُسے ہاتھ سے رکھ دیتا ہے''۔ اے انسان! تُو بھی خالی رہ تا کہ مُطربِ حقیقی کے ہاتھ میں رہے۔ تُو خالی رہے گا تو اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان رہے گا اور غیب کے نغمہ سے سرمست رہے گا۔ اب اُس وارث میں مال کی سرکشی نہ رہی تھی اور اُس کے آنسوؤں کی بارش سے دین کی کھیتی سیراب ہو رہی تھی۔ وہ اب پوری طرح دُعا میں مصروف تھا۔ سب سے مخلص نیک بندے وہ ہیں جو دُعا میں آہ و زاری کرتے ہیں اور اُن کی آہوں کا دھواں ملاءِ اعلیٰ تک پہنچتا ہے۔

مومن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب

فرشتے جنابِ باری تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ مومن بندہ رو رہا ہے۔ تُو جب غیروں کو عطا کرتا ہے تو اس مومن کی عطا میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جواب دیتا ہے کہ یہ تاخیر اس لیے نہیں کہ ہم اُسے حقیر سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو اُس کی ایک مدد ہے۔ اُس کا رونا ہمیں پسند ہے اور اس تاخیر میں اُس کا اعزاز ہے۔ اُس کی حاجت نے اُسے ہماری طرف متوجہ کیا ہے۔ اگر اُس کی دُعا جلد قبول کر دی جائے اور اُس کی حاجت رفع ہو گئی تو یہ ہم سے رخصت ہو کر کھیل کود میں لگ جائے گا۔ وہ اب دل سے ہمیں پکار رہا ہے۔ اُس کی آواز اور یا خدا! کہنا اور خوشامد سے ہمیں پھسلانا یہ سب ہمیں پسند ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ طوطی کی خوش آوازی کی وجہ سے لوگ اُسے پنجرے میں قید کرتے ہیں۔ کوے اور چغد کو کوئی پنجرے میں نہیں رکھتا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ کسی حُسن پرست کے سامنے اگر دو عورتیں آئیں ایک بوڑھی اور ایک حسین' تو وہ بوڑھی کو فوراً روٹی دے کر رخصت کر دیتا ہے اور خوبصورت کو مختلف بہانوں سے روٹی دینے میں تاخیر کرتا ہے۔ اُسے کہتا ہے کہ ذرا بیٹھ جا! تازہ روٹی پک رہی ہے' اُس میں سے دوں گا۔ جب روٹی آ جاتی ہے تو اُس کو حلوے کا منتظر بنا کر بٹھاتا ہے۔

عاقلاں خود نوحہا پیشیں کُنند	جاہلاں آخر بسر برمی زنند
عقل مند لوگ اس جہان میں ہی رو لیتے ہیں	اور جاہل آخرت میں اپنے سر پیٹتے ہیں

ان ترکیبوں سے اُس کو ٹھہر جا! ٹھہر جا! کہتا رہتا ہے اور نظر بازی سے اُس کا شکار کرتا رہتا ہے۔ تُو بے گانوں اور مومنوں کی مثال اُن دو عورتوں سے سمجھ لے۔ مومنین کی خوبیوں کی وجہ سے یہ دنیا اُن کا پنجرہ ہے اور کافروں کی بُرائیوں کی وجہ سے یہ دنیا اُن کے لیے جنت اور باغ ہے جس میں وہ کھلے پھرتے ہیں۔ مومن کی دُعا کی قبولیت میں تاخیر کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے ساتھ مصروف رکھنا چاہتا ہے۔

میراث والے نے گریہ وزاری سے اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ تجھے خزانہ مصر میں ملے گا۔ اُسے خزانے کی جگہ کا پتہ بھی بتا دیا گیا۔ وہ شخص مصر پہنچا تو رات کے وقت آوارہ گردی میں گرفتار کرلیا گیا۔ کوتوال نے اُسے مارا لیکن اُس کے بعد اُس کی مشکل حل ہوگئی۔ اُس نے کوتوال سے کہا کہ مجھے نہ مار میں اپنے صحیح حالات بتاتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میں مصری نہیں ہوں اور چوری وغیرہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بات سچی تھی اور سچائی سننے والے کے دل میں اطمینان پیدا کردیتی ہے۔ اُس کی باتوں سے اُس کی اندرونی سوزش کا پتہ چلتا تھا۔ کافروں کے دل چونکہ پردے میں ہیں اس لیے سچی بات اُن پر اثر نہیں کرتی۔ انبیاء ﷺ کی تعلیم کا تو یہ حال ہے کہ اُس کا اثر چاند کو ٹکڑے کر دے۔ اُس کی درد بھری داستان سُن کر کوتوال رو پڑا۔ انسان کا نفس بمنزلہ دوزخ کے ہے، اُس کی بات دوزخی ہے، رُوح کی بات جنتی ہے۔ منڈی میں ہر طرح کا سودا ہوتا ہے۔ اچھا تاجر کھرے کھوٹے میں تمیز کرلیتا ہے اسی طرح ماہر بات کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ دنیا کے جُز جُز کا یہی حال ہے کسی کے لیے مفید کسی کے لیے مضر۔ عالَم کی تمام اشیاء کے مختلف شخصیتوں پر مختلف اثرات پڑتے ہیں۔

آنحضور ﷺ کو پتھر سلام کرتے تھے۔ یہی پتھر مومنوں کے لیے گواہی دیں گے۔ طرح طرح کی باتوں سے ملول نہ ہو، اپنے دل میں آخرت کا درد پیدا کر۔ آخرت کا درد بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اُن کی صحبت اختیار کر جو درد سے مالا مال ہوں۔ جس طرح کھاری پانی سے پیاس نہیں بجھتی اسی طرح غلط صحبت سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ دھوکے باز پیروں میں پھنس کر انسان صحیح پیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ جھوٹا پیر کہتا ہے کہ میں تیرے درد کا علاج ہوں۔ حالانکہ وہ خود ایک درد ہوتا ہے۔ کوتوال نے پردیسی سے کہا: تُو بے وقوف ہے کہ ایک خواب کے پیچھے بغداد سے یہاں آ گیا۔ میں نے کئی بار خواب دیکھا ہے کہ خزانہ بغداد میں ہے۔ کوتوال نے اُسے خزانے کا پورا پتہ بتا دیا جو کہ اُس پردیسی کے کوچے اور گھر کا پتہ تھا۔ اُس نے کہا کہ میں نے یہ خواب بار بار دیکھا ہے لیکن میں بغداد نہیں گیا۔ تیری یہ حماقت ہے کہ خواب پر دوڑ پڑا۔ ناقص عقل کے خواب بھی قابلِ بھروسہ نہیں ہوتے۔

زابتداءِ کار آخر را ببیں
زندگی کے شروع میں ہی اپنے انجام پر غور کرلے

تا نہ باشی تو پشیماں یوم دیں
تاکہ قیامت کے دن پشیمانی نہ اُٹھانی پڑے

کوتوال کا خواب سُن کر اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ جب خزانہ خود میرے گھر میں ہے تو میں یہاں فقر کی حالت میں کیوں پھر رہا ہوں؟ یہ سب میری غفلت کا نتیجہ ہے۔ اُس نے سوچا کہ خزانے کا ملنا کوتوال کی مار پر موقوف تھا۔ ویسے میرے پاس سب کچھ تھا۔ وہ مجھے احمق کیوں سمجھتا ہے؟ کسی نے ایک درویش سے کہا کہ یہاں تجھے کوئی نہیں جانتا۔ اُس نے جواب دیا لوگ اگر نہیں جانتے تو نہ جانیں میں تو اپنے آپ کو جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا کہ لوگ مجھے جانتے اور میں کچھ بھی نہ ہوتا تو افسوس کی بات تھی۔ کوتوال کی بات سننے کے بعد وہ بغداد کی جانب روانہ ہوگیا۔ وہ راستہ بھر حیران رہا کہ اللہ نے کہاں کا امیدوار بنایا اور کہاں مقصد پورا فرمایا۔ اِس میں کیا حکمت تھی کہ مجھے وطن سے بے وطن کیا اور خزانے کے خلاف رہنمائی کردی، جس پر میں خوشی سے دوڑ رہا تھا۔ میرا جو قدم مصر کی طرف اُٹھتا تھا خزانے سے دُور کر رہا تھا۔ پھر میری اِسی گمراہی کو کامیابی کا ذریعہ بنادیا۔ مصر میں کوتوال کے ہاتھوں پٹا اور وہی کوتوال مقصد کا وسیلہ بن گیا۔

چونکہ خزانہ گمان کے خلاف حاصل ہوا تو اُس سے انسان کا خدا پر بھروسہ بڑھتا ہے اور وہ اسباب کو مستقل نہیں سمجھتا۔ اللہ بعض اوقات انسان کی گمراہی کو ایمان کا سبب بنا دیتا ہے اور احسان اور عبادت کے نتیجے میں بعض اوقات گمراہ ہو جاتا ہے۔ اِس میں یہ حکمت ہے کہ کوئی عبادت گزار خوفِ خدا سے خالی نہ رہے اور کوئی بدکار رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بُرائی میں بھلائی کو اس لیے مخفی کیا گیا ہے تاکہ اُس کے اسم ''ذُوالْلُّطْفِ الْخَفِی'' کا مظہر سامنے آتا رہے۔ عبادت گزار کو بخشنا اللہ کا مخفی لطف نہیں ہے۔ گناہ گار کو مغفرت سے نوازنا لُطفِ خفی ہے۔ عجائبِ قدرت میں یہ بھی ہے کہ منکروں کا انکار سے مقصد انبیاء ﷩ کو ذلیل کرنا ہوتا ہے لیکن اُس سے انبیاء ﷩ کی عزت مزید بڑھ جاتی ہے اور اُن کے انکار کے سبب معجزے ظاہر ہوتے ہیں، جس سے انبیاء ﷩ کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اُن منکروں کا قصد تو یہ ہوتا ہے کہ اُن کے انکار سے دین کی ذلت ہو جائے گی لیکن وہی چیز انبیاء ﷩ کی عزت کا سبب بن گئی ہے۔ اگر منکروں کا انکار نہ ہوتا تو معجزوں کی ضرورت نہ ہوتی، نہ اُن کا ظہور ہوتا۔

فرعون نے جادوگروں کو اس لیے جمع کیا تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو باطل کردیں لیکن یہی مکر اُلٹا ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گواہ ''عصا'' معتبر ثابت ہوا۔ فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا لیکن اُس کی یہ حرکت اُن بنی اسرائیل کے لیے باعثِ اطمینان ہوگئی اور وہ دریا کے نیچے پانی میں غرق ہوگیا۔ اگر وہ مصر میں رہتا تو بنی اسرائیل ہمیشہ اُس سے ڈرتے رہتے۔ یہ سب اِس لیے ہوا کہ جان لیا جائے کہ امن، خوف میں پوشیدہ ہے۔ لُطفِ خفی یہ ہے کہ اللہ

سُوئے لُطفِ بے وفایاں ہیں مرو | کاں پُلِ ویراں بود نیکو شنو
بے وفا لوگوں کی مہربانی کو نہ دیکھ، جو حق کے لیے وفادار نہیں | کیونکہ وہ ایک ٹوٹے پھوٹے پُل کی طرح ہیں کسی کام کے نہیں

نے کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نار میں نور دکھلا دیا۔ عبادت گزاروں کو اجر دینا لطفِ خفی نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ فرعون کے جادوگر مقابلے کے لیے آئے اور اُن پر مہربانی ہوگئی اور وہ مومن بن گئے۔ عارف چونکہ ہر قسم کے خطرات سے گزر چکے ہیں لہٰذا وہ بالکل امن میں ہیں۔ وہ دیکھ چکے ہیں کہ بہت سے خوف کے اسباب سے اُنھیں امن حاصل ہوا۔ جس طرح امن، خوف میں مخفی ہوتا ہے اسی طرح خوف بھی امن میں مخفی ہوتا ہے۔

وہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے گیا، اللہ نے اُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشابہ بنا دیا۔ قوم اُسے عیسیٰ علیہ السلام سمجھی اور سولی پر چڑھا دیا۔ وہ کہتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں لیکن اُس کا یقین کون کرتا۔ قوم نے کہا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہے، بہانہ بنا کر ہم سے چھوٹنا چاہتا ہے۔ جو فعل اُس نے باعثِ امن سمجھا اُس میں خوف مخفی تھا۔ عالم میں بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ انسان اُن کو مفید سمجھتا ہے اور وہ مُضر ہوتے ہیں۔ ابرہہ حبش کا گورنر مکہ والوں سے انتقام لینے اور اُن پر فتح پانے چلا، ہلاک ہوگیا۔ اُس کا یہ کام جس میں وہ اپنی کامیابی اور مکہ کی توہین سمجھتا تھا، مکہ کے اعزاز کا سبب بن گیا۔ اُس شخص نے بغداد آکر کوتوال کے خواب کے مطابق گھر کھودا تو اُسے خزانہ مل گیا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ اُس پر واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات مُضر باتوں میں نفع پوشیدہ کر دیتا ہے۔

بھائیوں کا بڑے بھائی کو سمجھانا اور روکنا لیکن محبت کی زیادتی کی وجہ سے اُس کا بے خود ہوکر چلا جانا

دونوں چھوٹے بھائیوں نے بڑے بھائی سے کہا کہ تمہاری ساری تقریر کا ہمارے پاس جواب ہے۔ اگر جواب نہیں دیتے ہیں تو کام خراب ہوتا ہے اور اگر دیتے ہیں تو تمھیں تکلیف ہوتی ہے۔ نہ کہنا دوستی کے خلاف ہے۔ اُس نے اور کچھ نہ سنا اور چل دیا اور شاہِ چین کے دربار میں جا پہنچا۔ شاہِ چین صاحبِ باطن تھا۔ اُس کو اُن سب کے حالات کشف سے معلوم تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر انسان سے قیامت میں اُس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ رُوح گو بمنزلہ معشوق ہے اور جسم مادی سے علیحدہ چیز ہے لیکن اُس کا اثر رگ رگ میں خون کی طرح جاری ہے۔ شہزادہ بادشاہ کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا اور تعارف کرانے والے نے اُس کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ شاہ پہلے سے سب کچھ جانتا تھا کیونکہ اگر باطن میں عرفان کا ایک ذرہ بھی ہوتا ہے تو اُس سے جو کشف ہوتا ہے وہ کسی بتانے والے کے اعتبار سے بہت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ جس کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اُس کو حقیقی معائنہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تعارف کرانے والا اُس کی سفارشیں کر رہا تھا کہ یہ آپ کے عشق میں مبتلا ہے اور اپنے ملک کی شہزادگی چھوڑ کر آپ کی خاطر فقیر بن گیا ہے۔ اُس نے سلطنت کی گدڑی اُتار دی

گر قدم را جاہلے بر وے زند | بشکند پُل واں قدم را بشکند
اگر کوئی جاہل اُس پر قدم رکھے گا | تو پُل ٹوٹ جائے گا اور ساتھ ہی پاؤں بھی

ہے اور کوئی گدڑی پسند نہیں کرتا اور لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔
اسی طرح صوفی جب وجد میں آ کر اپنی گدڑی اُتار پھینکتا ہے تو وہ کوئی گدڑی لینا پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ اُتاری ہوئی گدڑی کی خواہش کرے اور پھینک دینے پر نادم ہو تو اُس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ وہ وجد کے عوض گدڑی دے ڈالنے میں اپنا نقصان سمجھتا ہے، یعنی میرا وجد اُس قیمت کا نہیں کہ میں گدڑی دے کر خرید لوں۔ خدا کرے کہ عاشق کو یہ خیال بھی نہ آئے اور اگر آتا ہے تو وہ ذلیل و خوار ہے۔ گدڑی تو بے جان شے ہے، عشق تو ہزاروں جان دار جسموں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ یہ دنیا کے مقابلے میں ہیچ در ہیچ ہے۔ یہ دنیا داروں کے لیے مناسب ہے۔ عاشقوں کو تو عشق کی سلطنت چاہیے۔ تعارف کرانے والا کہہ رہا تھا یہ شہزادہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ جو عہدہ آپ کے دیدار کا حجاب بنے اور آپ سے دُور کردے وہ عہدہ نہیں بلکہ معزولی ہے۔ آپ اس کی تاخیر سے حاضری عشق کی کمی کے سبب نہ سمجھیں بلکہ یہ اپنے اندر اِستعداد پیدا کرنے میں لگا رہا۔ جب تک مقصد کے حصول کی استعداد نہ ہو کوشش کرنا بے کار ہوتا ہے۔ اگر انسان میں مردانہ قوت نہیں ہے تو حسین معشوق سے فائدہ نہ اُٹھا سکے گا۔ اگر ناک میں اِستعداد نہیں ہے تو چمن کی خوشبو بے کار ہے۔
بے استعداد مرید اور شیخِ کامل کی مثال بہرے اور چنگ و رباب کی سی ہے جس سے وہ لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔ مرید کا بغیر استعداد شیخ کے پاس جانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی بغیر گیہوں کے چکّی پر جائے۔ وہ تو وہاں سے گرد و غبار سے داڑھی اور بال سفید کر کے نکلے گا۔ یہ چکّی صرف اُن لوگوں کو نفع دیتی ہے جن کے پاس عمل اور عقیدے کا گیہوں ہو۔ اعمالِ صالحہ سے جنت کی اِستعداد پیدا کرنی چاہیے۔ تعارف کرانے والے نے کہا کہ پوری اِستعداد جسم میں رُوح آنے کے بعد آتی ہے اور وہ آپ عنایت کریں گے۔ جناب کی مہربانیوں کی توقع نے اُس کو سب غم بھلا دیئے ہیں۔ گھر سے چلا تھا کہ اپنے کمالات سے آپ کو مسخر کرے گا لیکن اب آپ کا مسخر ہو گیا ہے۔ محبوب چیز کا قاعدہ یہی ہے کہ انسان اُس کو حاصل کرنے کی بجائے اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر بیٹھتا ہے۔ جو دنیا کا اسیر ہے وہ دنیا کا امیر کہلاتا ہے۔ چونکہ جسم کی وجہ سے رُوح قیدی بنتی ہے تو رُوح کا جسم کو خطاب ہے کہ تُو نے لاکھوں آزاد رُوحوں کو قیدی بنایا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے مال و جاہ کو کمانے کے حیلوں کو ترک کر دے اور کچھ دن مرنے سے قبل آزادی کی زندگی گزار لے۔ اگر تُو اِسی حالت میں رہنا چاہتا ہے تو کم از کم مجھے ہی رہا کر دے اور میری جگہ کسی اور کو ساتھی بنا لے۔ اب مجھے آزاد کر دے اور کسی اور کو اپنا شکار بنا لے۔

چوں ندارد مردِ کژ در دیں وفا	ہر زمانے بشکند سوگند را
نادان اِنسان چونکہ دین سے وفا نہیں رکھتا	وہ ہر وقت اپنی قسم توڑ دیتا ہے

قاضی کے جوحی کی بیوی پر عاشق ہونے کا قصہ

جوحی غریب اور مکار آدمی تھا اور اپنی بیوی کے ذریعے کمائی حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ اُسے کہتا کہ تیری ابرو کی کمان، ادا کا تیر اور مکر کا جال، خدا نے تجھے اسی لیے دیے ہیں کہ لوگوں کا شکار کرے۔ تُو اچھے پرندوں کو دانہ دکھا لیکن خود اُس سے پھنس نہ جانا۔ جوحی کی بیوی نے قاضی کو شکار بنانا چاہا۔ عدالت میں جا کر خاوند کی شکائتیں کیں اور قاضی اُس کے دام میں پھنس گیا۔ قاضی نے کہا: عدالت میں مَیں مصروف ہوں، تنہائی میں تمہاری پوری بات سنوں گا۔ وہ بولی! آپ کے گھر میں بھی لوگوں کا آنا جانا ہوتا ہے' بہتر ہے کہ آپ میرے گھر میں آ جائیں کیونکہ وہ بالکل خالی ہوتا ہے۔ دنیاداروں کے قلب اور دماغ آپ کے گھر کی طرح فکروں اور وسوسوں سے پُر ہوتے ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ جوحی کے گھر کی طرح اپنے قلب و دماغ کو خالی کر لیں۔ جب یہ خالی ہوں گے تو پھر خداوندی حکم سے پاکیزہ خیالات نمودار ہوں گے۔ غیبی حالات اُس وقت آئیں گے جب کہ پرانے خیالات ختم ہو جائیں گے۔ اللہ کا خوف اُن پرانے خیالات کو دُور کر دے گا اور پھر صحیح خیالات آنے شروع ہو جائیں گے۔ اُن فکروں سے اپنے آپ کو نیند میں کر دے تو پھر وہ خیالات آئیں گے جو دراصل بیداری ہیں۔ ورنہ دنیاوی خیالات تو خوابِ غفلت ہی ہیں۔ جس طرح اصحابِ کہف کو لوگ سمجھتے تھے کہ جاگ رہے ہیں لیکن وہ سو رہے تھے۔ اِسی طرح تُو ایسا ہو جا کہ لوگ تمہیں دنیوی خیالات سے باخبر سمجھیں اور تم اُن سے بےخبر ہو۔

جوحی کی بیوی نے کہا کہ میرا گھر بالکل خالی ہوتا ہے۔ شوہر بھی گاؤں گیا ہوا ہے۔ آج رات آپ آ جائیں تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ قاضی اُس کے فریب میں آ گیا' جیسے قابیل نے بھی ہابیل کو عورت ہی کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی وجہ سے قید خانے تک پہنچے۔ اکثر فتنے عورتیں ہی پیدا کرتی ہیں۔ قاضی جوحی کے گھر پہنچ گیا۔ عورت نے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا۔ قاضی جب اُس عورت سے خوشی خوشی باتیں کر رہا تھا تو جوحی آ پہنچا۔ قاضی کو بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ملی تو وہاں ایک صندوق تھا، اُس میں گھس کر بیٹھ گیا۔

جوحی نے اندر آ کر بیوی سے جھگڑنا شروع کر دیا کہ میں نے تجھ پر ہر چیز قربان کر دی ہے اور مجھے ایک شخص نے بتایا ہے کہ تُو نے قاضی سے میری شکایت کی ہے۔ میں تیری حرکتوں سے خاموشی اختیار کرتا ہوں اور تُو ہمیشہ زبان درازی کرتی ہے۔ اگر میں مفلس ہوں تو خدا نے مجھے مفلس بنایا ہے۔ گھر میں اس صندوق کے علاوہ اور کیا ہے؟ لوگ مجھے تہمتیں لگاتے ہیں کہ اس میں بہت مال و زر ہے۔ یہ اوپر سے تو اچھا ہے لیکن اندر سے خالی ہے۔ اس صندوق کی وجہ سے

راستاں را حاجتِ سوگند نیست
سچوں کو قسم کی ضرورت نہیں ہوتی

زانکہ ایشاں را دو چشمِ روشنے ست
اِس لیے کہ اُن کی آنکھیں اللہ نے روشن کر دی ہیں

مجھے کوئی صدقہ خیرات بھی نہیں دینا۔ اُس نے صندوق کو ہر طرف سے رسی سے باندھ دیا کہ میں اُسے صبح بیچ دوں گا۔ اس کی حالت وہی ہے جو ایک مکار پیر کی ہوتی ہے۔ باہر سے خوبصورت اندر سے خالی۔ جونہی صبح ہوئی ایک مزدور کو بلا لایا تاکہ صندوق کو بیچنے کے لیے لے جائے۔ وہ صندوق لے کر چلا تو قاضی اُسے اندر سے آوازیں دینے لگا۔ مزدور حیران ہو کر ہر طرف دیکھنے لگا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ دیر کے بعد وہ سمجھا کہ کوئی صندوق میں ہے اور پکار رہا ہے۔

عاشق بھی اسی طرح بظاہر باہر ہوتا ہے لیکن دراصل عشق کے صندوق میں بند ہے۔ اُس کو دنیا کی خبر نہیں ہوتی، ساری عمر غموں کے صندوق میں گزرتی ہے۔ جو شخص بھی زمین کی چیزوں کا دلدادہ ہو اُس کا یہی حال ہے وہ فکروں کے کسی نہ کسی صندوق میں بند ہے۔ مرتے وقت گویا ایک صندوق سے قبر کے صندوق میں منتقل ہوا۔ آخر کار قاضی نے مزدور سے کہا کہ دوڑ کر میری خبر میرے نائب کو کر تاکہ وہ یہ صندوق خرید لے اور بند کا بند میرے گھر لے جائے اور میری عزت بچ جائے۔ اے اللہ! اپنے نیک بندوں کو ہماری طرف متوجہ کر دے تاکہ وہ ہمیں بھی اسی طرح خرید لیں۔ وہ خریدار رسول اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور اُن کے وارث اولیاء رحمہم اللہ۔ اہلِ دنیا صندوق میں بند ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا احساس ہے۔ جس کو احساس ہے اُس کی پہچان یہ ہے کہ وہ دنیا کی راحتوں سے گھبراتا ہے اور عالمِ آخرت کی فراخی کا خواہاں ہے۔ مومن کا اصل وطن چونکہ عالمِ آخرت ہے اس لیے وہ اس عالم کو پہچان لیتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکمت اور دانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے''۔ وہ جہاں بھی اُسے دیکھتا ہے پہچان لیتا ہے کہ یہ چیز تو میری ہے۔ اس دنیا کے پنجرے میں کوئی ایسا سوراخ بھی نہیں ہے کہ انسان اُس میں سے بلندی کی طرف دیکھ سکے۔

قرآن میں انہی بے سوراخ کے پنجرے میں پھنسے ہوئے لوگوں کے لیے فرمایا گیا ہے کہ ''اگر ہو سکے کہ تم آسمانوں اور زمین سے نکل سکو تو گزر جاؤ'' قرآن نے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا: اگر اُن کے لیے گزرنے کا کوئی راستہ ہے تو وہ صرف وحیِ الٰہی اور طاقت کے ذریعے اُن کو حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ دنیاداری آسمانی نہیں بلکہ دنیا کا صندوق ہے۔ یہ دنیا کی لذتوں میں مست ہے جس کی وجہ سے یہ بھی نہیں سمجھتا کہ وہ صندوق میں بند ہے۔ اگر وہ دنیاوی صندوقوں میں بند نہ ہوتا اور اُن پر فریفتہ نہ ہوتا تو قاضی کی طرح اُن سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ دنیا کے صندوق میں بند ہے وہ ہر وقت آہیں بھرتا ہے۔ وہ جوحی کے صندوق میں بند قاضی کی طرح لرزتا ہے۔ قاضی کے کہنے سے مزدور نے اُس کے نائب کو بلا بھیجا کہ فوراً آئے اور صندوق کو خرید لے۔ قاضی کے متعلقین اُس کی بات سُن کر حیران رہ گئے۔ اِدھر جوحی نے اعلان کر دیا کہ میں چوراہے پر اس صندوق کو جلاتا ہوں۔ شور سے وہاں مجمع جمع ہو گیا۔

نقضِ میثاق و عہود از احمقی ست وعدوں کا پاس نہ کرنا احمقوں کا کام ہے	حفظِ ایمان و وفا کارِ تقی ست ایمان اور وفا کی حفاظت کرنا نیکوں کا کام ہے

قاضی کے نائب کا آنا اور صندوق خریدنا

فوراً قاضی کا نائب چوراہے پر پہنچ گیا۔ اُس نے جوحی سے صندوق خریدنے کی بات کی۔ اُس نے ایک ہزار اشرفیاں طلب کیں۔ نائب بولا: شرم کرو کچھ صحیح قیمت مانگو۔ وہ بولا: یہ نہایت اعلیٰ صندوق ہے، کہو تو کھول کر دکھادوں۔ نائب نے گھبرا کر کہا نہیں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے میں اس کو بند ہی خرید لیتا ہوں۔ اب تُو قاضی کی پردہ پوشی کر، خدا تیری پردہ پوشی کرے گا۔ یاد رکھو! جب تک اپنی نجات کا یقین نہ ہو کسی گناہ گار کا مذاق نہ اُڑاؤ۔ تیری ہی طرح دوسرے لوگ بھی دنیا کے صندوق میں بند ہیں۔ جس طرح تُو اپنے صندوق میں بند ہونے پر مذاق کو پسند نہیں کرتا دوسروں کا بھی مذاق نہ اُڑا۔ جو کچھ انسان اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے۔ اللہ سے کسی کا کوئی کام پوشیدہ نہیں ہے اور وہ اکثر قیامت سے پہلے بھی عمل کی جزا دے دیتا ہے۔ ہر ایک اُس کے عدل کے ماتحت ہے۔ تُو بھلا کرے گا بھلا ہوگا، بُرا کرے گا بُرا ہوگا۔

جوحی نے کہا کہ بے شک میں نے قاضی کے ساتھ ظلم کیا ہے لیکن بُرائی کی ابتداء تو قاضی نے کی کہ میری بیوی پر بُرا ارادہ کیا۔ وہ مجھ سے بڑا ظالم ہے۔ نائب بولا: دوسروں کو اپنے سے بڑا ظالم قرار دینا کچھ اچھی بات نہیں ہے ہم سب بُرے ہیں لیکن دوسروں کو بُرا اور اپنے آپ کو بے قصور سمجھتے ہیں۔ یاد رکھو! ہم سب دنیا کے صندوق میں قید ہیں اور اہل اللہ اُسے خرید رہے ہیں تاکہ ہم رہا ہو جائیں۔ سب لوگ غموں اور فکروں کے صندوق میں مقید ہیں۔ ہر دنیاوی مطلوب ایک صندوق ہے۔ جب تک اُن علائق کو توڑ کر آزاد نہ ہوں گے حیاتِ طیبہ نصیب نہیں ہو سکتی۔

حضور ﷺ کی حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" اور منافقوں کا فرمان نبوی ﷺ پر اعتراض

حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس کا میں مولا اور آقا ہوں علی اُس کا مولا ہے''۔ نبوت، انسانی رہنمائی کے لیے ہے اور دنیاوی علائق سے آزادی دلاتی ہے۔ مومنوں کو اُس آزادی سے خوشی منانی چاہیے۔ اپنے مربی کا اِس طرح شکر ادا کرو جیسے باغ اپنے مُربی پانی کا شکر ادا کرتا ہے۔ شکر محض زبان سے نہیں بلکہ دل اور حال سے ادا کرو۔ چمن کے پودے حال سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ وہ سب خاموش ہیں لیکن پتے، پھول، پھل شکریہ ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ موسم بہار سے اُن کی زبان کو گویائی عطا ہو جاتی ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی حضرت مریم علیہا السلام کے نور سے حاصل ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو گویائی اللہ کے نفخ رُوح سے حاصل ہوئی۔ شکر کر، اس سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قناعت کی، عزت پائی

اور جس نے لالچ کیا، وہ ذلیل ہوا'' لیکن دینی نعمتوں میں معاملہ اُلٹ ہے' یہاں جو قناعت کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے اور جو لالچ کرتا ہے عزت پاتا ہے۔ نفس کے صندوق سے باہر نکل، تیرے مُربی خریدار ہیں۔ اُن کی اطاعت کر یہی اُن کا شکریہ ہے۔

جوحی نے کچھ دن اُس رقم سے مزے اُڑائے اور پھر افلاس سے پریشان ہو کر عورت سے کہا کہ اب پھر قاضی کو پھانس۔ جوحی کی بیوی کچھ عورتوں کو لے کر قاضی کی کچہری میں پہنچی اور ایک عورت کو اپنا ترجمان بنالیا۔ تاکہ قاضی اُس کی آواز نہ پہچان لے۔ عورت کی آواز ایک فتنہ ہے لیکن اگر اُس کے ساتھ ادائیں بھی شامل ہوں تو سَو فتنے بن جاتی ہیں۔ قاضی نے اِس مرتبہ کہا کہ شوہر کو لاؤ۔ قاضی جوحی کو پہچان نہ سکا۔ اِس لیے کہ قاضی ملاقات کے وقت صندوق میں بند تھا۔ اُس نے صرف آواز سنی تھی۔ قاضی نے جوحی سے پوچھا کہ اپنی عورت کو پورا خرچہ کیوں نہیں دیتے ہو۔ وہ بولا: میں شریعت کے احکام کا غلام ہوں لیکن اِس قدر مُفلس ہوں کہ اگر مر جاؤں تو کفن بھی نہیں ہے۔ اُس کی باتوں سے قاضی نے جوحی کو پہچان لیا۔

وہ بولا: گزشتہ سال تُو نے میرے ساتھ مکاری کی تھی' میں تو بچ گیا، اب کسی اور کو پھانس۔ عارف شش اور پنج سے فارغ ہوتا ہے۔ پنج سے مراد پانچ حواس ہیں اور چھ سے مراد چھ جہتیں ہیں۔ عارف کا ادراک پانچوں حواسوں اور چھ اطراف سے بالاتر ہوتا ہے۔ اب اُس کو علوی علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ بھی دنیا کے چھ گوشے والے کنویں میں ہوتا تو دوسروں کو کنویں سے کیسے باہر نکالتا۔ مریدوں کو دنیا کے کنویں سے نکالنے والا شیخ دنیا سے بالا ہوتا ہے۔ صرف اُس کا جسم دنیا کے اُس کنویں میں ڈول کی طرح آتا جاتا ہے۔ مرید اُس کے اِس جسم کے ساتھ وابستہ ہو کر دنیا کے کنویں سے نجات پا کر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح شاہِ مصر بنتے ہیں۔ دنیاداروں کے ڈول تو دنیا حاصل کرتے ہیں۔ عارف کے لیے ڈول وغیرہ کی مثالیں بالکل ناقص ہیں۔ اُس کی مثال کائنات میں کوئی نہیں ہے۔ وہ ایسا تیر ہوتا ہے' جس میں سینکڑوں تیر کمان پوشیدہ ہوتے ہیں۔

عارف' خدا سے وحدت رکھتا ہے اور لوگوں کے لیے آزمائش ہے کہ لوگ محض اُس کے جسم کو دیکھ کر شیطانی نظر اختیار کرتے ہیں اور دیکھتے نہیں کہ اُس کی رُوح ایک آفتاب ہے جو جسم کے ذرّے میں پوشیدہ ہے۔ زمین اُس آفتاب کی تاب نہیں لا سکتی۔ جب اُس رُوح کی وسعت کا یہ حال ہے اور اُس کی عظمت اِس قدر بلند ہے تو وہ اُس جسم کے لائق کہاں ہے۔ وہ جسم جو رُوح کا گھر بنا ہوا ہے رُوح کا اُس میں تھوڑی دیر کا قیام کافی ہے۔ سمندر جیسی رُوح مشک کے جسم

چوں درخت ست آدمی و بیخ عہد
انسان درخت کی طرح ہے اور وفا جڑ
بیخ را تیمار می باید بجہد
اِس لیے جڑ کی زیادہ حفاظت درکار ہے

میں کب ٹھہر سکتی ہے۔ رُوح بمنزلہ ہزاروں جبرائیل کے ہے اور جسم ایک بشر ہے۔ رُوح مسیح ہے اور جسم خر ہے۔ شیطان محض جسم کو دیکھ کر غلطی میں مبتلا ہو گیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے شیطان! آنکھ مَل کر دیکھ یہ محض جسم نہیں ہے۔

شہزادے کا قصہ، اُس کی شاہ کے دربار سے وابستگی

شہزادہ، شاہ کے سامنے آیا تو حیران تھا۔ جو اشکالات شہزادے کے ذہن میں آتے تھے وہ زبان سے تو بیان نہ کرتا تھا لیکن شاہ اور اُس کا رُوحی مکالمہ ہوتا تھا۔ اُس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا جبکہ سب فضائل اور خواص رُوح کے ہیں تو جسم کے ساتھ اُس کا تعلق کیوں کیا گیا ہے۔ رُوحِ کامل کو صورت سے اس لیے وابستہ کیا گیا ہے کہ صورت اختیار کر کے تیرے اندر وہ فیض پہنچائے کہ تُو صورت سے بیزار ہو جائے۔ اُس کا یہ فیض رُوحِ مجرد سے تُو حاصل نہ کر سکتا تھا۔ تو گویا اُس کی مثال یہ ہوئی کہ ایک خُفتہ یعنی صورت نے تجھ خُفتہ کو بیدار کر دیا کہ تُو صورت سے بیزار ہو جا اور تُو ہو گیا۔ اِس رُوح سے جبکہ وہ صورت میں ہے کلام صادر ہوتا ہے جو تجھے اُس کلام سے باز رکھتا ہے جو مقصود سے مانع ہو۔ جسمانی بیماریوں کو اللہ تعالیٰ گناہوں کی بیماریوں کی دوا بنا دیتا ہے یا رُوحِ کامل کے جسم میں جب عشق کی بیماری طاری ہو جاتی ہے تو اُس کے آثار کو دیکھ کر لوگ اپنی اصلاح کرتے ہیں۔ ہم نے عشق کو بیماری کہا ہے لیکن یہ ایسی بیماری ہے جو صحت کی جان ہے اور اُس کی تکالیف راحتوں کے لیے باعثِ حسرت ہیں، جو صحت سے مقصود ہوتی ہیں۔ اے جسم! اب اِس جان کا پیچھا چھوڑ دے اور اگر تُو بالکل رُوح کو چھوڑنا نہیں چاہتا تو جیسا قاضی نے کہا کوئی اور رُوح تلاش کر لے۔

شاہِ چین اُس شہزادے کو نوازتا تھا لیکن عشق اُس کو گھلا رہا تھا۔ جن کو حقیقی عشق ہے وہ جتنے گھلتے ہیں اتنے ہی تازہ رُو ہوتے ہیں۔ دوسرے بیمار دوا تلاش کرتے ہیں، مریضِ عشق، عشق کے بڑھنے کی تمنا کرتا ہے۔ عشق اگرچہ زہر ہے لیکن اُس کی مٹھاس سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ مرض ہے لیکن ہر صحت سے بہتر ہے۔ عشق میں سالہا بمنزل ایک ساعت کے ہیں۔ ایک عرصہ تک شہزادہ بادشاہ کے پاس رہا کہ دل کباب تھا اور جان قربان کرنے کی فکر میں تھا۔ جن لوگوں نے بادشاہ کی لڑکی کی تمنا کی اُن کا ایک بار سر کٹا، میں ہر وقت بار بار قربان ہو رہا ہوں۔ عشق میں دو پاؤں اور ایک سَر نہیں بلکہ ہزاروں پاؤں اور سَر چاہئیں۔ اسی لیے عوام اس عشق سے محروم ہیں۔ عشقِ حقیقی کا ہنگامہ روز بروز تیز ہوتا ہے اور لامحدود ہے۔ چونکہ اُس کا منبع لامکانی ہے اور غیر فانی ہے اور اُس کی آگ کے سامنے دوزخ کی گرمی بھی ہیچ ہے اس لیے یہ ہر ایک کا حصہ نہیں۔

عہدِ فاسد بیخِ پوسیدہ بُود — وز شمارِ لُطف ببریدہ بُود

خراب عہد سڑی ہوئی جڑ کی طرح ہے — اُس پر اللہ کی مہربانی کا پھل نہیں لگتا

پُل صراط کے نیچے سے دوزخ کہتی ہے: اے مومن! جلد گزر جا، کہیں میری آگ نہ بجھا دینا

مومن میں چونکہ عشق کی گرمی ہے جسے دوزخ برداشت نہیں کر سکتی۔ اِس لیے کہتی ہے کہ میرے اوپر سے جلد گزر جا۔ دوزخ کی آگ کو بھڑکانے والی آگ کُفر ہے۔ ایمان سے کُفر ہمیشہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ تُو اپنے اندر سے اِس مادے کو جلد از جلد دُور کر دے اور اپنی مستی کو کسی صاحبِ عشق و معرفت کے سپرد کر دے تاکہ اُس میں وہ مادہ ہی نہ رہے جسے دوزخ کی آگ پکڑ سکے۔ قلبِ مومن: ذاتِ خداوندی کا مظہرِ اتم ہے، اِس لیے جنت بھی اُس کے سامنے کم رتبہ ہے۔ ادنیٰ، اعلیٰ کے سامنے شرماتا ہے اِس لیے جنت بھی نورِ مومن سے گھبراتی ہے۔

بڑے بھائی کا مَر جانا اور درمیانے کا شاہِ چین کی صُحبت اختیار کرنا

بڑے بھائی کی عمر اِسی حالت میں ختم ہوگئی اور وصل کی کوئی تدبیر نہ ہو سکی۔ ایک مدت تک اظہارِ عشق سے ڈرتا رہا اور وصل کے بغیر ہی اِس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اب معشوق جو کہ مظہر تھا، وہ اُس کی نظروں سے غائب ہوگیا اور جو اُس مظہر میں ظاہر تھا یعنی حُسنِ خداوندی اُس سے جا ملا۔ اب وہ مجاز میں حقیقت دیکھنے کی بجائے بلا کسی حجاب کے حقیقت سے ہمکنار ہوگیا۔ اب وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں جسم سے عُریاں ہوگیا اور جسم اِس شہزادی کے خیال سے عُریاں ہوگیا اور اب میں حقیقت کے وصل کی طرف جا رہا ہوں۔ وصلِ خداوندی کی باتیں یہاں تک تو کی جا سکتی ہیں اِس سے آگے کے احوال محض ذوقی ہیں اور ذوقی چیزیں گفتگو میں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اِس کی مثال یوں سمجھ لو کہ گھوڑے کی سواری دریا کے کنارے تک کام دیتی ہے پھر وہ بیکار ہے، کشتی وغیرہ کی ضرورت پڑے گی۔ اہلِ قال کو حال نہیں سمجھایا جا سکتا۔ اِس کو صرف اہلِ حال ہی سمجھ سکتے ہیں، جس طرح کشتی خشکی میں کام نہیں دے سکتی۔ گفتگو سے خاموشی اہلِ حال کے لیے گفتگو ہے۔ اگر تُو اہلِ قال میں سے ہے تو گفتگو سے خاموشی سے ملول ہوگا لیکن اہلِ حال کے لیے وہ عشق کے نعرے ہیں۔ تُو اُن کی خاموشی کو خاموشی سمجھتا ہے۔

صاحبِ حال کہتا ہے کہ تیرے کان نہیں ہیں کہ تُو اِس گفتگو کو سمجھ سکے۔ صاحبِ ذوق کہتا ہے کہ میں تو عشق کے نعروں سے بہرا ہوا جا رہا ہوں اور یہ بے خبر ہیں۔ دنیا دار تیز کان والے عشق کے نعروں سے بہرے ہوتے ہیں۔ مثال ہے کہ ایک شخص خواب میں نعرے لگاتا ہے اور کچھ باتیں کرتا ہے دوسرا شخص جو اُس کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے، اِس سے بے خبر ہے۔ تو یہ شخص اگرچہ جاگ رہا ہے لیکن سویا ہوا بھی ہے۔ یہ حال تو اہلِ ذوق کا تھا۔ اب وہ جو فنا اور استغراق کی

حالت میں ہیں اُن کا ذوق بھی فنا ہو چکا ہے۔ اب وہ خود مچھلی ہے، اُسے کشتی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ صاحبِ مُشاہدہ، نہ صاحبِ ذوق کی طرح خاموش ہے اور نہ بولتا ہے۔ یہ ایک نادر شخصیت ہے، اُس کی کیفیت کا پورا بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ اُن کی حالت کی تشریح کرنے کے لیے شریعت کا ادب مانع ہے۔

چھوٹا شہزادہ اپنے بڑے بھائی کے جنازے پر نہ آ سکا کیونکہ وہ بیمار تھا، صرف منجھلا آیا۔ شاہ نے اُسے جان لیا پھر بھی تعارف کرانے والے نے کہا کہ یہ بھی اُسی باپ کا بیٹا ہے اور مرنے والے سے چھوٹا ہے۔ شاہ کی توجہ سے اُس کی قلبی کیفیت بدلی اور قلب میں زندگی محسوس ہونے لگی۔ اُس نے اپنے دل میں عشقِ الٰہی کا ایسا جوش و خروش دیکھا جو صوفی کو سَو چلّوں میں بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِنعکاسِ انوار سے سب عالَم روشن ہو گیا اور اُس میں واردات اور معارف منکشف ہونے لگے اور ہر چیز مظہرِ صفات و کمال نظر آنے لگی۔ عالَم کا ذرّہ ذرّہ اُس کے کشف کا ذریعہ بن گیا۔ اُس کے ذریعے علوم و معارف کا دروازہ کھلنے لگا۔ وہ علم کا دروازہ کبھی روشن دان کبھی خود علم بن جاتا، کبھی مقصود اور کبھی اُس کا آلہ بن جاتا۔ عالَمِ نَاسُوت اُس کی نظر میں بے قدر معلوم ہوتا تھا۔ اب اُس کے سامنے عالَمِ ملکوت تھا۔ رُوحِ زیبا جب جسمانی لذتوں سے آزاد ہو جاتی ہے تو (خواہ مجاہدے سے یا صحبتِ شیخ سے) اُسے ملکوتی انکشاف ہونے لگتے ہیں۔

شہزادے کو شیخ کی صحبت سے یہ درجہ حاصل ہو گیا۔ شیخ کی صحبت سے اُسے باطنی سُرمہ حاصل ہو گیا۔ اُسے جو معنوی چمن حاصل ہوا وہ دائمی تھا۔ جو چمن دل میں اُگتا ہے پائیدار ہوتا ہے۔ ہم رسمی علوم پر اس لیے فریفتہ ہیں کہ ہم نے اُن علومِ حقیقی کا دروازہ اپنے اوپر بند کر رکھا ہے۔ جن کنجیوں سے اُن علوم کے خزانے کھلتے ہیں وہ لذتِ دہن کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے گر جاتی ہیں۔ جب کسی آدمی کا پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر وہ فرج کی شہوت کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کی ہوس اور بڑھتی ہے تو نان و زن سے پُر شہروں کے درپے ہو جاتا ہے۔ پہلے وہ ایک سر والا سانپ تھا اب سات سَروں والا اژدھا بن جاتا ہے۔ دوزخ سات سَروں والا اژدھا ہے، اُس کے سات دروازے ہیں، جن سے جہنمی داخل ہوں گے۔ حرص انسان کے لیے دانہ اور دوزخ جال ہے۔ اُس دوزخ کے دانہ و جال سے دُور ہو جا پھر معارفِ لدُنّیہ تم پر کھل جائیں گے۔

اگر تُو خدا کا عاشق نہیں ہے تو تیرے علوم پہاڑ کی صدائے بازگشت کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ تم میں سب کچھ کسی دوسرے کا عکس ہے۔ تیرا غصہ، تیرا ذوق، دوسروں کا عکس ہے۔ جس طرح دلّالہ کی خوشی اور سپاہی کا غصہ، اُن کا سبب دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ یاد رکھ! اِن عکسی اَحوال پر اکتفا نہ کر۔ جب تیرے اندر حقیقی وصف پیدا ہو جائے تو تیری گفتار

آنچہ منصب می کند با جاہلاں
جاہلوں کے ہاتھ میں عُہدہ جو کچھ کرتا ہے

از فضیحت کے کند صد ارسلاں
رُسوائی میں سو شیر وہ کچھ نہیں کرتے

خود اپنی ہوگی اور تیری رفتار خود اپنے بال و پر سے ہوگی۔ علومِ بے بصیرت اور احوالِ بے حقیقت کا تعلق وحی سے نہیں ہے بلکہ وہ محض نفسانی چیزیں ہیں۔ سُورۃ النجم میں ہے کہ حضور ﷺ کا کلام وحی سے ماخوذ ہے، خواہشِ نفس سے نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے تمام علوم وحی سے متعلق ہیں۔ جو لوگ جسمانی ہیں اور اُن کا تعلق رُوحانی ملائکہ سے نہیں ہے۔ اُن کے لیے تحرّی اور اجتہاد، وحی کے قائم مقام ہیں۔ اس لیے اجتہادی مسائل بھی نفسانی نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کو بھی اجازت تھی کہ جب وحی نہ آئے تو قیاس سے کام لیں۔ وحی نہ ہوتے ہوئے قیاس سے فائدہ اُٹھانا اس طرح ہے کہ اگر بید کے پھل نہیں ہیں تو اُس کے سایہ سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ جب کعبہ سامنے ہو تو سمتِ قبلہ کی تحرّی اور اٹکل لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر بے اٹکل اور بغیر اجتہاد کے کوئی عمل ہوگا تو وہ بدعت ہے۔

بغیر اجتہاد کے کام جبکہ ہوائے نفس ہے تو یہ ہوائے نفس اُس کو اسی طرح برباد کردے گی جس طرح عنصری ہوا نے قومِ عاد کو برباد کردیا تھا۔ اگر اجتہاد سے کام لیا ہے تو پھر ہوا اُسے اس طرح مفید ہوگی جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مفید تھی۔ قومِ عاد میں تکبر کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ جو تباہی کا سبب بنی اور وہ ابتداً اُس کو دیکھ کر خوش ہوئے پھر اُس سے تباہ ہوئے۔ انسان کو تکبر کی ہوا سے بچنا چاہیے ورنہ وہ ہلاک کردے گی۔ وہی شخص جو تمہاری دست بوسی کرتا ہے غصہ کے وقت اُس کا ہاتھ گُرز بن جاتا ہے۔ سانس کے ساتھ ہوا کس عمدگی کے ساتھ حلق میں آتی جاتی ہے لیکن جس وقت خدا چاہتا ہے وہ دانت میں گھس کر تڑپا دیتی ہے۔ جب انسان درد سے بے تاب ہو جاتا ہے تو ربّ سے وہ ہوا نکالنے کی درخواست کرتا ہے۔ جب یہ سب چیزیں اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو اُس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ درد کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ربّ یاد آ جاتا ہے اور سخت دلوں کو رُلا دیتا ہے۔ مردانِ خدا کی نصیحت کو تو قبول نہیں کیا۔ اب درد کی وجہ سے ہی اُسے یاد کرلے۔

ہوا، دلالتِ حال سے کہتی ہے کہ میں خدا کی قاصد ہوں۔ کبھی بشارت دیتی ہوں، کبھی ڈراتی ہوں۔ میں انسان کی طرح اپنے ربّ سے غافل نہیں ہوں۔ میں حکم کی پابند ہوں حاکم نہیں بنتی۔ اگر تُو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح خدا کا مطیع ہوتا تو میں تیری غلام ہوتی۔ اب میں تیری ملکیت نہیں ہوں، چند دن کے لیے عارضی طور پر تیرے پاس ہوں۔ ہوا اپنا اللہ تعالیٰ کی ایک آیت ہونا واضح کردیتی ہے۔ تُو چونکہ اللہ کا باغی ہے، دو چار روز تجھے دنیاوی فائدہ پہنچا رہی ہوں۔ ان دنوں کے بعد قومِ عاد کی طرح تجھے جہنم میں دھکیل دوں گی۔ اُس وقت تُو غیب پر ایمان لائے گا مگر وہ مفید نہیں ہوگا بلکہ باعثِ حسرت ہوگا۔ قرآن کہتا ہے، اللہ نے فرمایا: ''جب اُنہوں نے ہماری سختی دیکھی تو اُن کا ایمان لانا اُن کے لیے

مال و منصب ناکسے کارد بدست نااہل جو مال اور عہدہ حاصل کرتا ہے	طالبِ رُسوائیِ خویش اُو شدست وہ اپنی ہی رُسوائی کا طالب بنتا ہے

مفید نہ تھا۔" جب عذاب نازل ہونے لگتا ہے تو پھر توبہ اور ایمان لانا نافع نہیں ہوتا۔ اگر انسان اس حالت میں ایمان لائے اور سیدھا ہو جائے کہ عذاب غائب تھا اور اُس نے اُسے نہ دیکھا تھا تو پھر وہ خود شاہ ہے۔ اُسے کوئی نہ ستا سکے گا۔

یہ منہ اور حلق کی لذتیں ہمارے لیے وبالِ جان ہیں۔ دنیا میں ہم جو کچھ کھاتے ہیں، خاک ہی کے اجزاء ہیں، صرف اُن پر رنگ چڑھے ہوئے ہیں۔ دنیا کی جس قدر مرغوبات ہیں دراصل وہ رنگین اور نقشین خاک ہیں۔ پہلے اُس مٹی پر پھل اور غذا کا رنگ تھا، جب وہ جزوِ بدن بنی اور اُس پر گوشت پوست کا رنگ آ گیا تو یہ گوشت پوست خاک ہی تو بنتا ہے۔ جسم جو خود خاک ہے اُس کی نشو ونما خاک ہی کے ذریعے ہو رہی ہے۔ مرنے کے بعد خاک ہو جائے گا۔ انسان خواہ کہیں کا ہو، چاہے کوئی ہو، قبر میں سب یکساں مٹی بن جاتے ہیں۔ سب کا یہ انجام عبرت کے لیے ہے کہ باقی رہنے والا صرف اللہ کا ہی رنگ ہے، جو اعمالِ صالحہ سے چڑھتا ہے۔ گھنٹا جو جانور کے گلے میں بندھا ہوتا ہے وہ جانور کا جزو نہیں ہوتا۔ محض ایک عارضی چیز ہوتی ہے جیسے رُوح کے گلے میں جسم کا گھنٹا۔ نیک اعمال کا رنگ دائمی اور باقی ہے۔ اسی طرح بداعمال کا رنگ بھی دائمی ہے۔ فرعون کا جسم فنا ہو گیا لیکن اُس کی سیاہ روئی باقی ہے۔ جو بچے ہیں اُن کے جسم تو فنا ہو جائیں گے لیکن اُن کے اعمال قیامت تک قائم رہیں گے۔

بُرائی اور بھلائی جسم کی نہیں ہے بلکہ اعمال کی ہے جو قائم دائم ہے۔ جسم کا رنگ و روپ بے معنی ہے، اُس کا لالچ بچوں کا سا لالچ ہے۔ بچے آٹے کے بنے ہوئے شیر و شتر پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اُن سے کہو کہ یہ اور روٹی ایک ہی چیز ہے تو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نے بھی بچوں کی طرح دامن میں مٹی بھر رکھی ہے۔ اصل سودے اور دُکان سے غافل ہیں۔ بچے کی یہ نادانی اتنی مُضر نہیں ہے کیونکہ وہ نادان ہے۔ قابلِ افسوس تو یہ نابالغ پیر ہیں کہ دولت جمع کرنے کے درپے ہیں۔ بچوں کی سوچ سے نقصان نہیں ہوتا لیکن اِن بوڑھوں کی جہالت تو آفتِ جان ہے۔ جب جہالت اور ہتھیار جمع ہو جاتے ہیں تو انسان فرعون بن جاتا ہے۔ مفلس کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے اُسے گمراہی کے اسباب سے محفوظ فرمایا۔ خدائی کا دعویٰ ہمیشہ پیٹ بھرا کرتا ہے، بھوکا نہیں کرتا۔ اگر پیٹ خالی ہو تو شیطان اُس میں قید ہو جاتا ہے۔ جب پیٹ لذیذ غذاؤں سے پُر ہو تو شیطان کا بازار ہے جہاں مکر و فریب کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ شیطان تاجروں کی ہماہمی سے انسان کی عقل خراب ہو جاتی ہے اور وہ فریب میں آ جاتا ہے۔

اللہ کی ذات پاک ہے اور کسی قبیح چیز کو پیدا کرنا قبیح نہیں ہے۔ ہم بچوں کی طرح اس رنگین خاک پر لڑتے ہیں۔ دنیا دار لوگ بچہ صفت ہیں۔ اُن کو بزرگوں سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔ جو عقل کے اعتبار سے بچہ ہے اگرچہ اس کی داڑھی

حکم چوں در دست گمراہے فتاد	جاہ می پنداشت در چاہے فتاد
جب حکومت کسی گمراہ کے ہاتھ میں آ گئی	اُس نے اُسے رُتبہ سمجھا اور کنویں میں جا گرا

اور بال سفید ہوں وہ بچہ ہی ہے' اُس کی حرکتیں طفلانہ ہوں گی۔ انسان کو چاہیے کہ شریعت کا پابند ہو جائے اور اپنے اعمال کو ہیچ سمجھ کر ڈرے اور اللہ سے رحمت کی اُمید رکھے۔ بچوں کا عمل یہ ہوتا ہے کہ ترکِ عمل کر کے رحمت کی اُمید رکھتے ہیں۔ یہ دراصل غرور ہے اور دھوکا ہے اور اگر کوئی اپنے عمل کو ہیچ سمجھ کر عمل ترک کر دے اور پھر کہے کہ اللہ کریم ہے اور بے عمل پر بھی فضل کر دیتا ہے تو یہ خوف نہیں ہے بلکہ بزدلی ہے اور طفلانہ حرکت ہے۔ کوئی یہ سمجھے کہ میرے عمل کی وقعت کیا ہے؟ اور کوشش ہی کو چھوڑ دے اور کہے: اللہ نے فرمایا ہے کہ "مایوس نہ ہو" اس لیے وہ مجھ پر کرم کر ہی دے گا، وہ بچہ ہے۔

بھائی! حقیقتِ عمل یہ ہے کہ عمل کے ہوتے ہوئے عمل کو ہیچ سمجھے اور خدا کی رحمت پر بھروسہ کرے۔ یہی اہلِ محبت کا راستہ ہے۔ یعنی ہم نے ہاتھ پیر مارے ہیں لیکن ہمارا عمل ہیچ ہے۔ عشق و محبت کے جام پی رہے ہیں لیکن وہ جام قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ وہاں ہر چیز رُوحانی درکار ہے جس میں کوئی شائبہ، ریا یا شرک کا نہ ہو۔ غرض کہ اعمال ضروری ہیں اور اُن کی تاثیر رحمت اور جذبِ حق پر موقوف ہے۔ اعمال کا خلاصہ سلوک ہے اور رحمت کا نتیجہ جذبِ حق ہے۔ ہمارے اعمالِ جسمی، سایہ کی طرح ہیں اور اُن کے معنی یعنی نیت یا رُوحانی احکام سورج کی طرح ہیں۔ بے سایہ نور، سورج سے تب پڑتا ہے جب فنا کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اُس وقت اُوصافِ بشری کی اینٹیں مفقود ہو جاتی ہیں تو پھر نور کے لیے اینٹوں کا سایہ مانع نہیں ہوتا۔ اینٹ اُکھاڑنے سے اگر روشنی آتی ہے تو اینٹ خواہ کتنی ہی قیمتی ہو اُکھاڑ دینی چاہیے۔ تجلی کے وقت کوہِ طور نے اپنے آپ کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا تا کہ تجلی اُس کے اندر پہنچ سکے۔ بھوکے کے ہاتھ پر جب روٹی لگتی ہے تو شوق و حرص سے منہ پھاڑتا ہے۔ ہمارا جسم سایہ کا سبب ہے اور سورج کے نور کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جسم اور عالمِ ناسُوت، نابالغ دنیاداروں کا گہوارہ ہے اور گہوارہ بالغوں کے لیے تنگ جگہ ہوتی ہے۔ نابالغ بچوں کے لیے ناسُوتی منافع، دودھ کی طرح ہے۔ اِن بچوں کے گہواروں سے گھر میں تنگی ہو رہی ہے۔ اللہ اِن کو جلد بالغ کر دے اور بالغ پھیل کر اپنا کام کر سکیں۔

شہزادے میں سرکشی پیدا ہونا اور شاہ کا اُس پر کرم

اُس شہزادے کو شاہ کے فیوض و برکات سے اپنے کمال کا شبہ ہو گیا اور خیال کرنے لگا کہ اب مجھے شاہ کی خدمت میں مزید تابعداری کی کیا ضرورت ہے۔ اس وسوسے اور خیال کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس سے سب برکات چھن گئیں۔ شہزادہ چونکہ شاہ کی مجلس میں رہ کر رُوحانی غذا حاصل کر رہا تھا۔ اُس کی رُوح کو ایک مقررہ

چوں قلم در دستِ غدارے بود
جب قلم کسی غدار کے ہاتھ میں ہو گی

لاجرم منصور بر دارے بود
تو لامحالہ منصور سُولی پر ہی ہو گا

خوراک روزانہ شاہ سے حاصل ہوتی تھی۔ وہ غذا ملائکہ کی غذا ہوتی ہے' دنیاداروں کی نہیں۔ شہزادے نے اپنے اندر ایک بے نیازی دیکھی، جس نے بڑھ کر سرکشی کی کیفیت پیدا کردی۔ اُس نے سمجھا کہ میں اب باکمال ہوں، کسی اور کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور کیوں دوں۔ جب میرا قلب خود منور ہوگیا ہے تو دوسرے نور کا کیوں تابع رہوں۔ جب مجھ میں باطنی امراض نہیں رہے تو شیخ کے پاس کیوں جاؤں۔ جب یہ بات پیدا ہوئی تو لاکھوں بکواس بکنے لگا۔ اُس کے اِس خیال سے شاہ کا دل دُکھا۔

اُس نے کہا کہ اے بدتمیز! میری عطا کی یہ سزا دے رہے ہو۔ میں نے تری بغل میں ایک چاند رکھ دیا جو قیامت تک غروب نہ ہو۔ اُس نور کی بخشش کے بدلے میں تُو نے خاک پھینکی۔ شاہ کو اس بات پر غیرت آئی کہ اس قدر احسان کے باوجود یہ شہزادہ سرکشی کر رہا ہے۔ یاد رکھو! جو شخص راہِ طریقت میں تکبر کرتا ہے وہ حقیقت سے خالی ہو جاتا ہے۔ یہ وہ تباہی ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔ شراب کو حرام اس لیے کیا گیا کہ اس کو پی کر انسان خود بین بن جاتا ہے۔ عداوت کا سبب عموماً خود بینی ہے۔ جو شخص اپنی خودی کے ہوتے ہوئے انانیت کی شراب پیتا ہے تو خود بین اور مردُود ہو جاتا ہے۔ جو شخص معیتِ حق کے ساتھ انانیت کی شراب پیئے۔ وہ حلال ہے جیسا کہ اہل اللہ۔

معیتِ حق کے ساتھ شراب پینے والا یہ کہتا ہے کہ میں جب آنکھ کھولتا ہوں تو اللہ کی تجلیات نظر آتی ہیں، اُس کے بعد میں بالکل فانی ہوتا ہوں، میری انانیت بالکل محو ہو جاتی ہے۔ اگر تُو یہ مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے دل و جان کی قید سے آزاد ہو جا۔ اپنا سب کچھ محبوب کے سپرد کردے' تب مُشاہدہ ہوگا۔ اپنے نفس سے مغلوب نہ ہو اور لذّتوں سے اُسے محروم کردے۔ خود بینی کی مستی جس چیز سے بھی پیدا ہو، خواہ وہ حلال ہو یا حرام، اُس کو ترک کردے۔ ہر چیز سے کچھ نہ کچھ مستی پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو! حضرت آدم علیہ السلام کی مستی گیہوں سے پیدا ہوئی اور اُسی نے اُن کو ناواقف بنا دیا اور دھوکا کھا گئے۔ یہ کھانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا لباس اُن سے جدا ہو گیا اور وہ جنت سے محروم ہو گئے۔

اب شہزادے کو محسوس ہوا کہ خود بینی کی شراب نے اُسے مریض بنا دیا ہے۔ ما و مَن کے زہر نے اپنا کام کردیا۔ وہ اپنی حالت پر رویا کہ اے نفس! تُو نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ گیہوں کے لالچ میں جال میں پھنسا دیا۔ اب اِس بیڑی کی وجہ سے اپنے مالک تک سفر نہیں کرسکوں گا۔ یہ نوحہ کر رہا تھا کہ میں نے بادشاہ کی مخالفت کا کیوں خیال کیا۔ اُس نے توبہ کی اور ورد میں مبتلا ہوا، جو ایمان کی وحشت سے پیدا ہوتا ہے۔ مصیبت میں پھنسا ہوا انسان بہتر ہے (کہ اُسے مالک یاد رہے) اُس امن سے جو اُسے بے فکر اور سرکش بنادے۔

چوں سفیہاں راست ایں کار و کیا	لازم آمد یقتلون الانبیا
جب اختیار اور اقتدار بے عقلوں کے ہاتھ میں ہوگا	تو یقیناً انبیاء کو قتل کردیا جائے گا

اللہ تعالیٰ کا حضرت عزرائیل علیہ السلام سے سوال کہ اُسے کسی کی رُوح قبض کرتے وقت رحم آیا؟

اللہ نے عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا: سب سے زیادہ تجھے کس کی جان لینے میں رحم آیا؟ اُس نے کہا: اُس وقت جب ایک بچہ اور اُس کی ماں کو سمندر کی ایک لہر نے خشکی پر ڈال دیا تو میں خوش تھا کہ یہ دونوں اب بچ گئے لیکن آپ کا حکم ہوا کہ بچے کی ماں کی رُوح قبض کرلو۔ میں نے بچے کو ماں سے محروم کیا تو آپ کو علم ہے کہ مجھ پر یہ کام کس قدر بھاری تھا۔ میرے دل میں درد کی انتہا نہ تھی اور اُس کا غم دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر میں نے موج کو حکم دیا کہ اُس بچے کو ایک ایسی جھاڑی میں پھینک دے جو پھولوں سے بھری ہوئی ہو۔ اُس میں سایہ دار درخت ہوں جن پر لذیذ پھل لگے ہوں۔ وہاں میٹھے پانی کے چشمے ہوں۔ اِس طرح میں نے اُس بچے کو سو نازوں سے پالا۔ اُس جھاڑی میں پرندے جو خوش آواز تھے بچے کا دل بہلانے کے لیے اپنی بولیاں بولتے۔ سیوتی کے پتوں سے میں نے اُس کا بستر تیار کردیا۔ سورج سے کہہ دیا کہ اُسے تکلیف نہ پہنچے۔ اُس کے لیے ہر چیز کو اعتدال میں رہنے کا حکم دے دیا۔

شیخ شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

جس طرح ہوا کو حکم ہوا کہ بچے کی خبر گیری کرے اسی طرح ایک نبی اور ولی کے بارے میں ہوا اور بھیڑیے کو حکم دے دیا کہ وہ نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ بزرگ بکریاں چرایا کرتے تھے اور جمعہ کی نماز کے لیے جب شہر کو جاتے تو اپنی بکریوں کے گرد حصار کے لیے ایک لکیر کھینچ دیتے۔ کوئی بکری اُس سے باہر نہ نکلتی تھی اور کوئی بھیڑیا اُس میں داخل نہ ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو اکٹھا کیا اور ایک حصار کھینچ دیا۔ آندھی کا طوفان اُس میں داخل نہ ہوتا۔ کافروں کے ہاتھ پاؤں اُس ہوا سے کٹ کٹ کر گرتے تھے اور آندھی اُن کو فضا میں اُڑا کر لے جاتی تھی۔ اُن کو پہاڑوں پر پٹخ کر اور آپس میں ٹکرا کر پاش پاش کر رہی تھی۔ اگر ہوا کے کام محض اُس کی طبیعت سے صادر ہوتے ہیں تو اُسے کہہ دو کہ ذرا حضرت ہود علیہ السلام کے کھینچے ہوئے حصار کا تو چکر لگائے۔ اگر بھیڑیے کا پھاڑنا اُس کا اپنا فعل ہوتا تو اُسے کہو کہ حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کے حصار میں داخل ہو اور بکری پکڑ لے۔

وہ فلسفی جو طبیعات کا ماہر ہے اور اشیاء میں محض طبعی خواص مانتا ہے اُسے کہو کہ علمِ طبیعات سے اوپر ایک اور عالم ہے جو اُس میں موثر ہے جس کو قرآن بتا رہا ہے۔ قرآن میں حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔ تُو اپنے عجز پر حیران ہے اور اُس کی وجہ نہیں سمجھ رہا۔ تُو سمجھ لے کہ اصل عجز قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ انسانوں کا عجز تو آگے آنے والا ہے۔

می بلرزد عرش از مدحِ شقی
بدبخت اِنسان کی تعریف سے عرش لرزتا ہے

بدگماں گردد زِ مدحش متقی
اور اُس کی تعریف سے پرہیزگار بدگماں ہو جاتا ہے

قیامت کے دن ہر چیز کا عجز ظاہر ہو جائے گا۔ عجز محمود یہ ہے کہ انسان اپنی قدرت اور ارادہ کو بالکل فنا کر دے اور حق تعالیٰ کی رضا کے تابع بن جائے۔ ایسے لوگ جو اس عجز اور حیرت کو اپنی غذا بنا لیتے ہیں وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔ وہ آرام سے اللہ کے سائے میں سوتے ہیں۔ اُنہوں نے شروع ہی میں اپنے عجز کو محسوس کر لیا اور اپنی قدرت اور ارادہ سے مردہ ہو گئے۔ حدیث میں ہے کہ "بوڑھی عورتوں کا سا دین اختیار کرو" کہ اُن میں تابعداری اور اعتقاد زیادہ ہوتا ہے جیسے بوڑھی زلیخا نے جوانی کی راہ پالی۔ زندگی مرجانے اور مجاہدے میں سے ہے۔

نمرود کی پرورش کا قصہ

وہ ہر طرح کے آزار سے محفوظ رہا اور ایک چیتے کی مادہ اُس کو اپنا دودھ پلاتی رہی اور اس طرح جوان ہو گیا۔ اللہ نے اُسے ہر طرح سے پالا۔ دودھ چھڑایا گیا تو اُس کی پرورش اس طرح سے کی کہ بیان سے باہر ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میرے عجیب تصرفات ہیں۔ میں نے کیڑوں کے لیے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں پڑ گئے تھے اور وہاں سے غذا حاصل کرتے تھے اُن کے دل میں ایسی محبت پیدا کر دی تھی کہ اگر کوئی کیڑا اُن کے بدن سے گر پڑتا تھا تو اُس کو اُٹھا کر پھر بدن پر بٹھا لیتے تھے۔ کیڑے اُن سے ایسے مانوس تھے جیسے بچہ باپ سے ہوتا ہے۔ ماں کے دل میں اولاد کی محبت کی عجیب شمع روشن کی ہے۔ اللہ نے کہا: اُس بچے پر میں نے بلاواسطہ غذائیں پیش کیں جن میں اسباب کو کوئی دخل نہ تھا۔ ہم نے نمرود کی بغیر اسباب کے اس لیے پرورش کی تاکہ وہ اسباب اختیار کرنے سے پریشان نہ ہو۔ اس لیے کہ سبب کبھی مسبب کا ذریعہ نہیں بنتا اور وہ سبب کو چھوڑ کر براہِ راست ہم سے مدد حاصل کرے۔ وہ یہ عذر کر سکتا تھا کہ اسباب کی طرف توجہ سے میں آپ سے غافل ہو گیا تھا۔ اس عذر کو بھی ختم کر دیا گیا کہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ فلاں یار نے مجھے گمراہ کر دیا تھا لیکن اُس نے اس سب کا شکریہ اس طرح ادا کیا کہ ہمارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

اُس نمرود کی یہی حالت تھی جو اُس شہزادے کی تھی جس نے شاہ کے شکر کی بجائے تکبر اختیار کیا۔ اس لیے وہ شاہ کی عنایتوں سے محروم ہو گیا۔ نمرود نے بھی سب مہربانیوں کو پاؤں تلے روندا تھا۔ اُس نے خدائی کا دعوے کر دیا اور آسمان کی طرف مجھ سے جنگ کے لیے چلا کیونکہ کسی نجومی نے اُسے بتا دیا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہو گا جو تیری سلطنت ختم کر دے گا۔ اُس نے لاکھوں بچے قتل کروا دیے کہ کہیں اُن میں وہ بچہ نہ ہو۔ اُس نے اُن بچوں کو بے قصور قتل کرایا۔ تمام نعمتیں اور سلطنتیں اُس کو براہِ راست ہم سے ملی تھیں۔ ماں باپ کے ذریعے جن کو نعمتیں ملی ہیں تو وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ہمیں ماں باپ نے دیں۔ ماں باپ بے شک ظاہری گمراہی کا سبب بنتے ہیں لیکن دراصل گمراہی کا سبب انسان کا اپنا نفس ہے جو

می بلرزد عرش از مدحِ شقی	بدگمان گردد زِ مدحش مُتّقی
بدبخت انسان کی تعریف سے عرش لرزتا ہے	اور اُس کی تعریف سے پرہیزگار بدگمان ہو جاتا ہے

انسان کو اپنی بُرائیاں نہیں دیکھنے دیتا۔ اُس کتے کے گلے میں مجاہدوں کی زنجیر ڈال دو تا کہ حد سے نہ گزر سکے۔ اگر کتے کو سدھا بھی لیا جائے تو پھر بھی وہ کتا ہی ہے۔ نفس کو قابو رکھنے کے لیے محض مجاہدہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ شیخ کی صحبت کے فرض کی بجا آوری ضروری ہے۔ تُو اُس کے طواف کرتا رہ تا کہ اُس سے فیض حاصل کر سکے۔ شیخ کی صحبت سے تُو نرم ہو کر دوست کے پاؤں کا موزہ بن جائے گا۔ قرآن میں نفس کی خباثتوں اور اُن کی وجہ سے انجامِ بد کے قصے موجود ہیں۔ مثلاً عاد کا قصہ۔

شہزادے کے قصے کی طرف رجوع

نفس کی خباثت دنیا میں بھی آگ لگا دیتی ہے۔ شہزادہ نفس کی نحوست سے ایک سال بعد مر گیا۔ شاہ جب سُکر سے صحو کی طرف واپس آیا تو اُسے محسوس ہوا کہ شہزادہ میرے غُصے کی وجہ سے فوت ہوا ہے۔ نبی اور ولی کا غصہ اللہ تعالیٰ کے غصے کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ اپنے دوستوں کا بدلہ لیتا ہے۔ شاہ کا غصہ اللہ کا غصہ بنا۔ شاہ نے جب اللہ کے غصے کی کیفیت دُور ہوتی دیکھی تو اللہ کی طرف رجوع کیا اور غصہ فرو ہونے کا سبب دریافت کیا۔ حق نے آگاہ کیا کہ چونکہ بدلہ لے لیا گیا ہے اس لیے غصہ فرو ہو گیا۔ اُسے ہم نے تیرے غصے کی وجہ سے فنا کر دیا۔ شاہ نے اُس کو معاف کیا اور اُس نے رونا شروع کر دیا۔ اِس لیے کہ اگرچہ وہ اُس کی موت کا سبب بنا لیکن اُس کا ولی اور سرپرست بھی تو تھا۔ وہ صاحبِ تصرف بھی تھا اور ولی و مربی بھی تھا۔ کمال جب ہے کہ یہ دونوں صفتیں ہوں۔ اگر تصرف کی طاقت ہو اور اُس میں ولائت نہ ہو تو کمال نہیں ہے۔

وہ شہزادہ اللہ کا شکر کر رہا تھا کہ اُس کی غلطی کی سزا صرف جسم نے بھگتی، رُوح اور ایمان محفوظ رہا۔ جسم تو ویسے بھی فانی چیز تھی اگر رُوح مر جاتی تو تباہی تھی۔ غصہ جسم پر پڑا اور رُوح، رُوحِ اعظم سے جا ملی۔ تیسرا شہزادہ اپنے دونوں بڑے بھائیوں کی طرح جلد باز نہ تھا۔ اُس نے نہ بڑے بھائی کی طرح وصل میں جلد بازی کی اور نہ منجھلے کی طرح کمال کے دعوے میں جلدی برتی۔ اُس نے تحمل سے دختر، سلطنت اور خلافتِ باطنی حاصل کر لی اور یہ سب کچھ ذلت اور نیاز مندی سے حاصل ہوا۔ قرب اور قبولیت کی دولت اُس نے اللہ کارساز سے پالی اور یہ مرتبہ تو صرف عطائے خداوندی ہے۔

ایک شخص کی وصیت کہ میری میراث میرے سب سے کاہل بیٹے کو دی جائے

چونکہ تیسرے شہزادے کو کاہل کہا گیا، اس لیے لفظ کاہل کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ کسی کی کاہلی محمود ہے جو امورِ دنیا میں ہو اور کسی کی کاہلی مذموم ہے جو عُقبیٰ کے کاموں میں ہو۔ ایک شخص کے تین بیٹے تھے۔ اُس نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرا وارث وہ ہے جو سب سے زیادہ کاہل ہو۔ قاضی سے یہ کہہ

ہر چہ خواہد آں مُسبّب آورد　قدرتِ مُطلق سببہا بر دَرد

سبب پیدا کرنے والا جو چاہتا ہے کر دیتا ہے　اُس کی قدرت ہر سبب کو پھاڑ دیتی ہے

کردہ آدمی مرگیا۔لڑکوں نے قاضی سے کہا کہ ہم باپ کی وصیت پر عمل کریں گے۔ قاضی نے اُن سے کہا کہ ہر ایک اپنے کامل ہونے کا کوئی قصہ سنائے تاکہ سب سے زیادہ کامل کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اہلُ اللہ تو اپنے توکل سے روزی حاصل کرتے ہیں اور وہ اس معاملے میں سب سے زیادہ کامل ہیں۔ عوام کی نگاہ میں چونکہ اللہ کے تصرفات نہیں؛ وہ صبح و شام محنت کرتے ہیں۔ عارف دنیا کے کاموں میں سُست لیکن آخرت کے کاموں میں تیز رو ہوتے ہیں۔ قاضی نے سب سے بڑے سے کاہلی کا قصہ سنانے کو کہا۔ بولنے سے انسان کے عیب و ہنر ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تیسرے لڑکے کے قصے کو اس لیے پورا بیان نہیں کیا گیا کیونکہ زبان چلے گی تو دل کے راز ظاہر ہوں گے۔ زبان کے پردے میں لاکھوں راز چُھپے ہیں۔ تعجب نہ کر چھوٹی سی چیز بعض اوقات بڑی بڑی چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ آنکھ پر چھوٹی انگلی رکھ دیں تو اگر سو آفتاب ہوں تب بھی نظر نہ آئیں۔ زبان سے کشفِ راز ضرور ہو جاتا ہے اور جھوٹ سچ پہچان لیا جاتا ہے۔ اگر تُو دوست اور ہرجائی کی خوش بُو میں امتیاز نہیں کرسکتا تو تیری سونگھنے والی قوت خراب ہے۔ اسی طرح انسان نئی ہانڈی خریدتا ہے تو اُس کو بجا کر پہچان لیتا ہے کہ ٹوٹی ہے یا سالم۔ پہچان کے معاملے میں لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک شخص نے کسی ہمدرد انسان سے پوچھا: تُو کسی کو کتنی مدت میں پہچان لیتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اگر وہ بولے تو فوراً پہچان لیتا ہوں اور اگر نہ بولے تو چال ڈھال سے تین دن میں ورنہ کسی تدبیر سے اُسے بولنے پر مجبور کروں گا۔ اگر وہ کسی طرح بھی نہ بولے تو چھوڑ دوں گا کیونکہ اس میں میرا کیا نقصان ہے۔

مثل ماں نے بچے سے کہا کہ اگر تجھے کوئی ڈراؤنا خیال آئے یا قبرستان وغیرہ میں یہ خیال ہو کہ کوئی خوفناک چیز گھات میں بیٹھی ہے تو دل مضبوط کر کے اُس پر حملہ کر دینا، فوراً بھاگ جائے گا۔ بچے نے کہا: اگر اُس کی ماں نے بھی اُسے یہی بات سمجھائی ہوئی ہوگی تو وہ آ کر میرے گلے میں چپٹ جائے گا۔ جس طرح تُو مجھے سمجھا رہی ہے، اُس خیال کی بھی کوئی ماں ہوگی، جس نے اُسے اسی طرح سمجھایا ہوگا۔ اگر شیطان کے بارے میں کوئی ایسا ہی سوال کر بیٹھے جیسے کہ اُس بچے نے اپنی ماں سے کیا تھا۔ قرآن میں شیطان کے بارے میں ہے "شیطان کا قابو اُن لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رَبّ پر بھروسہ کرتے ہیں"، یعنی ایمان اور توکل اختیار کرو تو شیطان تم پر غالب نہ آئے گا۔ اگر کسی نے یہ سوال کر دیا کہ اگر شیطان کو بھی ایسی ہی تعلیم دے دی گئی ہو تو کیا علاج ہے؟ تو اس کا تو سادہ سا جواب یہ ہے کہ خیال کے بارے میں ماں بچے نے جو احتمال نکالا تھا شیطان کے معاملے میں یہ احتمال نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں تو سمجھانے والی ایک ہی ذات ہے۔

لیک اَغلب بر سبب راند نفاذ	تا بداند طالبے جُستن مُراد
اللہ نے اسباب کو اس لئے پیدا فرمایا	کہ ہر طالب مُراد تک کی راہ کو جان لے

سوال کرنے والے نے کہا کہ اگر وہ تدبیر بھی کام نہ آئے تو پھر اُس کا راز معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اُس نے جواب دیا میں صبر سے اُس کے سامنے بیٹھا رہوں گا۔ اب جو خیالات میرے قلب پر منعکس ہوں گے اگر وہ دنیوی خیالات نہیں ہیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ یہ خیالات اُس نے میرے دل میں بھیجے یعنی اُس کے قلبی خیالات ہیں۔ جب اُس کے ضمیر کا میرے دل پر اثر پڑتا ہے تو میں اُس کی بزرگی کا قائل ہو جاتا ہوں اور اُس کا شکرگزار ہوتا ہوں۔ میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ مبارک قلبی خیالات اُس مبارک شخص کے دل سے آئے ہیں، اس لیے کہ دل سے دل کی طرف راہ ہوتی ہے۔
اب القاء مضامین کا سورج میرے دل کے سوراخ سے ڈھل گیا ہے اور کتاب کو بھی ختم کرتا ہوں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کی حکمتیں کیا ہیں۔

دفتر ششم ختم شُد

ایں سببہا بر نظرہا پردہاست
سارے اسباب پردے کے طور پر بنائے ہیں